سرسبز درختوں کے حسین سلسلے کے ساتھ پھیلا ہوا گھاس کا عریض قطعہ بے حد خوب صورت معلوم ہوتا تھا' ایک ننھی سی شفاف جھیل اسے سیراب کرتی تھی' درختوں کے عقب میں اونچے نیچے پہاڑی ٹیلوں کا سلسلہ میلوں چلا گیا تھا' لیکن یہ ٹیلے بنجر تھے' ان ٹیلوں کے دوسری جانب سے گزرنے والے انہیں دیکھتے تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کا دوسرا رخ اتنا حسین ہوگا۔

گھاس کے میدان کے اختتام پر بلندیاں شروع ہو جاتی تھیں اور ان بلندیوں پر ایک اتنی ہی خوش نما عمارت بنی ہوئی تھی جتنا حسین یہ خطہ تھا' گویا اس عمارت نے اس علاقے کا حسن مکمل کر دیا تھا' لیکن عمارت کے مکین نے اس خطے کے استعمال میں خوش ذوقی کا ثبوت نہیں دیا تھا' وہ اگر چاہتا تو گھاس کے میدان کی جانب سے عمارت کو کھلا رکھ سکتا تھا' اس طرح یہ حسین میدان اس عمارت کا وسیع لان بھی بن سکتا تھا' لیکن اس طرف بھی قدِ آدم دیوار' کھینچوا کر اس جگہ کے حسن سے انحراف کیا گیا تھا۔

عمارت کا وسیع و عریض پھاٹک جھیل کے دوسری جانب تھا' اور وہاں سے ایک سڑک بہت دور تک چلی گئی تھی' یقیناً ایک لمبا سفر کر کے وہ کسی بڑی سڑک سے جا ملی ہوگی۔ اس سڑک کی تعمیر بھاری اخراجات سے عمارت کے مکین نے ہی کرائی ہوگی' اور یقیناً یہاں تک بجلی اور ٹیلی فون کے پول لانے کے سلسلے میں بھی بھاری اخراجات ادا کیے گئے ہوں گے۔

یہ جگہ شہر سے تقریباً چالیس میل دور تھی' نہ جانے حکومت نے اس ویرانے میں یہ رہائش گاہ بنانے کی اجازت کس طرح دے دی تھی' عمارت کے گرد چہار دیواری پر جگہ جگہ لکھا ہوا تھا۔ "براہ کرم دیوار کے نزدیک آنے کی کوشش نہ کریں' دیوار دھات کی بنی ہوئی ہے اور اس میں طاقتور کرنٹ دوڑ رہا ہے' اپنی زندگی کے محافظ آپ خود ہیں' دیوار کے نزدیک آکر خود کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔"

یہ تحریر مختلف زبانوں میں تھی‘ اس طرح یہ عمارت کافی پُراسرار لگ رہی تھی‘ اکثر سکون اور قدرتی مناظر کے متلاشی اس طرف آنکلتے تھے‘ یقیناً ان کے ذہنوں میں تجسس بیدار ہوتا ہوگا‘ لیکن اس تجسس کا نتیجہ کبھی منظرِ عام پر نہیں آیا تھا۔ یا تو کسی نے اس میں داخلے کی کوشش ہی نہیں کی تھی یا پھر کوشش کرنے کے بعد اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا تھا۔ ممکن ہے لوگ سوچتے ہوں کہ یہ کوئی اہم سرکاری یا فوجی عمارت ہے جس کی طرف رخ کرنا مصیبت میں ڈال سکتا ہو۔ بہرحال اس عمارت کا راز طویل عرصہ تک راز ہی رہا۔

لیکن پھر اچانک لوگ اس کے بارے میں جان گئے۔ جاننے کے بعد ان کے دلوں میں احترام کا جذبہ بھی پیدا ہوگیا۔ کیونکہ کرنل ٹابو نے ایک اہم قومی خدمت انجام دی تھی۔ شہر میں ایک خوفناک وبا پھیلی۔ لوگوں کو اچانک قے ہونے لگتی اور پھر ان کے ناک اور منہ سے مسلسل پانی بہنے لگتا۔ ان کی موت میں چار‘ پانچ گھنٹے سے زیادہ نہ لگتے۔ تین یا چار دن کے اندر اندر کوئی محلہ کوئی بستی ایسی نہ رہی جہاں سے دن میں سو پچاس جنازے نہ اٹھتے ہوں۔ سرکاری پیمانے پر زبردست کارروائی کی جارہی تھی۔ سارے ملک کے ڈاکٹر اکٹھے ہوگئے۔ غیر ممالک سے بھی ڈاکٹروں کو امداد کے لئے طلب کرلیا گیا لیکن اموات میں تیزی بڑھتی ہی جارہی تھی۔

لوگ شہر چھوڑ کر جانے لگے۔ جس کے جو وسائل تھے انہیں بروئے کار لاکر شہر چھوڑ رہا تھا۔ بھرا پُرا شہر ویران ہوتا جارہا تھا اور کوئی ڈاکٹر ابھی تک مرض کی وجہ نہ جان سکا تھا۔ اعلیٰ حکام سکتے کے عالم میں تھے۔ کیا کرتے۔

تب کسی کرنل ٹابو کی طرف سے اعلان کیا گیا۔ ”شہر کے لوگو!.......... ادرک چباؤ.......... جس قدر مل سکے ادرک چباؤ.......... ٹھیک ہوجاؤ گے۔“ جس نے سنا عمل کیا اور حیرت انگیز نتیجہ برآمد ہوا۔ چند مریضوں کو بھی ادرک استعمال کرائی گئی اور وہ کھڑے ہوگئے۔ ادرک کا کال پڑگیا تھا۔ جہاں سے بھی دستیاب ہورہی تھی ادرک منگائی جارہی تھی۔ دوسرے شہر سے بھی لوگ اپنے اپنے عزیزوں کے لئے ادرک لے کر دوڑ پڑے تھے۔

سارے ڈاکٹر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہ گئے۔ ادرک ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن جو نتیجہ نکلا تھا وہ حیرت انگیز تھا۔ جس نے ادرک کھائی بیمار نہ ہوا اور وبا کا

زور ٹوٹ گیا۔ تب اعلیٰ حکام کو اس محسنِ اعظم کی تلاش ہوئی۔ کرنل ٹابو ایک نیا نام تھا جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ ان لوگوں کو تلاش کیا گیا جو یہ اعلان ٹیکسیوں اور دوسری گاڑیوں میں کرتے پھرتے تھے اور ان سے دلچسپ انکشافات ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ انہیں ٹیلی فون پر اس بارے میں بتایا گیا تھا۔ کسی بوڑھی اور کھرکھراتی آواز نے ان سے کہا تھا کہ شہر کی وبا کا علاج ادرک ہے۔ کچھ نے توجہ نہ دی‘ کچھ نے عمل کیا اور اس عمل سے فائدہ اٹھاکر ازراہِ انسانیت اپنے وسائل سے یہ اعلان دوسروں تک پہنچایا۔ اعلیٰ حکام نے اخبارات اور ریڈیو سے اعلان کرایا کہ وہ محسنِ اعظم سامنے آئے۔ ہم ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں اور غیر ملکی ڈاکٹران سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں لیکن ایک ماہ تک مسلسل اعلان کے باوجود کوئی جواب نہ ملا۔

لوگ اسے تائیدِ غیبی یا کسی ولی کا کارنامہ سمجھنے لگے اور پھر شہر کی زندگی معمول پر آگئی۔ مرض ختم ہوگیا تھا لیکن حکام اس نام کی چھان بین میں مصروف رہے۔ پھر محکمہ تعمیرات نے یہ نام ڈھونڈ نکالا۔ کافی عرصہ قبل شہر سے چالیس میل دور ایک عمارت کی تعمیر کے لئے خصوصی اجازت نامہ لیا گیا تھا۔ اس عمارت کی تعمیر کی درخواست کرنل ٹابو کے نام سے لی گئی تھی اور اس وقت کے محکمہ تعمیرات کے سربراہ نے نہ جانے کن وجوہات کی بنا پر یہ اجازت دے دی تھی۔ یہ سربراہ اب ریٹائر ہوچکے تھے۔

پہلے انہی سے رابطہ قائم کیا گیا اور انہوں نے بتایا کہ کرنل ٹابو سے ان کی کوئی واقفیت نہیں تھی۔ اس درخواست کو انہوں نے مسترد کردیا تھا لیکن پھر کرنل نے حکام سے براہِ راست ملاقات کی انہوں نے کرنل ٹابو سے کہا کہ وہ اتنی دور عمارت بنانے کی اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ انہیں وہاں شہری سہولتیں فراہم نہیں کی جاسکیں گی لیکن کرنل ٹابو کی شخصیت میں نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ اجازت دینے پر مجبور ہوگئے۔ سربراہ نے بتایا کہ اس شخص کے اندر کوئی مخفی قوت تھی کوئی ایسی مقناطیسی قوت جس نے انہیں مجبور کردیا تھا۔

اب اس بات کو تسلیم کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو یہ دوسری بات تھی۔ وہ مقناطیسی قوت دولت بھی ہوسکتی تھی لیکن بات گئی گزری تھی اور پھر کرنل ٹابو کے نام کے ساتھ ایک احترام کا جذبہ بھی وابستہ تھا اس لئے کوئی مداخلت نہیں کی گئی۔ ہاں چند سرکاری افسران ان سے ملاقات کرنے چل پڑے۔ یہ سنجیدہ اور اچھے عہدیدار تھے۔ اس

ملاقات کو اور اس انکشاف کو عام آدمیوں سے پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ افسران اس عمارت تک پہنچ گئے اور انہوں نے اس پر درج شدہ تحریر پڑھی۔ پھاٹک پر بھی یہ تحریر موجود تھی۔ بھلا کس کی مجال تھی کہ اس کے قریب جانے کی کوشش کرتا۔ تحریر کی تصدیق کی گئی تو درست نکلی۔ مختلف ذرائع سے مکین کو آوازیں دی گئیں اور کافی کوشش کے بعد ایک جھلایا ہوا بوڑھا آدمی پھاٹک کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا بات ہے' کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو؟" اس نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"ہم کرنل ٹابو سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

"جنرل ٹابو کہو.......... اب عہدہ بڑھ گیا ہے" اس نے گھونسا ہلاتے ہوئے کہا۔

"اوہ بہتر.......... کیا آپ ہی جنرل ٹابو ہیں؟"

"تو پھر کیا میں تمہیں گل محمد نظر آتا ہوں۔" بوڑھے نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"اوہ.......... جنرل ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔"

"ابے جاؤ.......... حاضر ہونا چاہتے ہیں.......... کیا کرو گے حاضر ہو کر..........؟" بوڑھا سنکی معلوم ہوتا تھا۔ کسی نے برا نہیں مانا۔

"جنرل' ہم آپ کو انسانیت کی خدمت پر خراجِ تحسین پیش کرنے کے خواہش مند ہیں۔" ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔

"ٹانگیں توڑ دوں گا تم سب کی۔ سارا خراجِ تحسین تم آپس میں بانٹ لو.......... مجھے ضرورت نہیں ہے خدا حافظ.........." اس نے نخریلے انداز میں کہا اور واپس پلٹ گیا۔ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے۔

جنرل ٹابو سے ملاقات کی بہت کوششیں کی گئیں لیکن ناکامی ہوئی۔ وہ پھاٹک پر ہی نہیں آنا چاہتا تھا۔ بہ مشکل تمام ایک بار ایک اور وفد اسے پھاٹک تک بلانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس روز جنرل کا موڈ بہت اچھا تھا۔

"صورت سے ہی خبیث معلوم ہوتے ہو۔ کیوں آئے ہو پھوٹو..........؟" اس نے ایک معمر افسر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور افسر جھینپتے ہوئے انداز میں دوسروں کی شکلیں دیکھنے لگا۔ یہ اچھی خاصی حیثیت کا افسر تھا لیکن وہ سب ہی جنرل ٹابو کے بارے میں سن چکے تھے۔ اس لئے زیادہ اثر نہ ہوا۔

"جنرل ہم آپ سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔"

"آخر کیوں؟"

"آپ نے عوام کی جو خدمت کی ہے اس کے صلے میں آپ کو خراج پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ہم آپ کو بار بار تنگ نہیں کریں گے۔ جناب تھوڑا سا وقت دے دیں۔"

"ابے جاؤ سالے میں تم لوگوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔" وہ مسکراتا ہوا بولا۔ "اندر جانے کی کوشش کی تو کباب بن جاؤ گے بیٹا۔ بھاگ جاؤ نیک مشورہ ہے بچ جاؤ.........." اس نے کہا اور واپس پلٹنے لگا۔

"جنرل ٹابو۔ ہم آخری بار آپ سے درخواست کر رہے ہیں۔ اگر آپ نے یہ درخواست بھی قبول نہ کی تو ہم مجبور ہو جائیں گے۔"

"مجبور ہو کر کیا کرو گے؟" اس نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہم ہیلی کاپٹر سے اندر اتر جائیں گے۔" افسر نے جواب دیا اور وہ رک گیا' چند ساعت تک انہیں دیکھتا رہا۔ اب اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے پھر وہ واپس پلٹ آیا۔

"دیکھو تمہیں خدا کی قسم۔ ایسی حرکت مت کرنا۔ ورنہ.......... ورنہ میں۔"

"ورنہ پھر آپ کیا کریں گے؟"

"پوری عمارت کو ڈائنامائٹ سے اُڑا دوں گا۔" اس نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہمیں صرف ایک ملاقات درکار ہے جنرل۔ ہم آپ کا انٹرویو لینا چاہتے ہیں اگر آپ اس عمارت میں نہ چاہیں تو شہر میں ہم سے ملاقات کر لیں۔" افسر نے تجویز پیش کی اور بوڑھے کے چہرے پر غور و فکر کی لکیریں نظر آنے لگیں۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میں نے پندرہ سال سے کسی سے ملاقات نہیں کی ہے لیکن تم لوگوں نے مجھے پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ میں تو مصیبت میں پھنس گیا۔ خیر میں تم سے مل لوں گا۔ مجھے جگہ بتا دو۔"

"ہم آپ کی خدمت میں خود حاضر ہو جائیں گے جنرل' جب آپ حکم کریں۔"

"ابے دیکھو' اُلو پن کی باتیں مت کرو۔ سالے میٹھی چھری بن رہے ہو۔ اپنی

گرفتاری کے لئے حکم بھی میں ہی دوں۔ جب کہو آجاؤں' اور ہاں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا' خود ہی آجاؤں گا۔ تمہارا خیال ہے میرے پاس کار نہیں ہوگی۔"

"تب جنرل' پرسوں شام چار بجے ہم آپ کا انتظار کریں گے۔ آپ مارشل ہاؤس پہنچ جائیں۔" افسر نے کہا۔

"پہنچ جاؤں گا۔" جنرل نے بحالت مجبوری کہا اور جنرل کو ملاقات کے لئے مجبور کرنے والے افسر خوش خوش واپس چل پڑے۔ جس افسر نے جنرل سے گفتگو کی تھی وہ اب بھی جھینپا جھینپا نظر آرہا تھا۔

"عجیب انسان ہے' کسی طور سمجھ میں نہیں آیا۔"

"اس کی کوٹھی بھی بے حد پُراسرار ہے۔"

"لیکن ہے بہت شاندار۔"

"نہ جانے وہ لوگوں کو اس سے دور کیوں رکھنا چاہتا ہے۔"

"کہیں اس عمارت میں کوئی مجرمانہ کارروائی نہ ہو رہی ہو۔"

"حکومت خود بہتر سمجھتی ہوگی۔"

"بہرحال اس نے کارنامہ زبردست انجام دیا ہے اور مجھے تو وہ صرف کوئی سنکی معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے ادرک کی دریافت بھی کسی سنک ہی کا نتیجہ ہو۔" گالیاں کھانے والے افسر نے کہا اور اس کے بعد خاموشی چھاگئی۔

مارشل ہاؤس میں جنرل ٹابو کے استقبال کے لئے شاندار انتظامات کئے گئے تھے۔ ایک اسٹیج بنایا گیا تھا۔ ٹیلی ویژن والے اس ملاقات کو براہ راست ٹیلی کاسٹ کرنے کے لئے موجود تھے۔ استقبال کرنے والوں میں ملک کے بڑے بڑے ڈاکٹر اور دوسرے اعلیٰ افسران موجود تھے۔ کچھ غیر ملکی بھی تھے اور سب کے سب جنرل ٹابو کا انتظار کر رہے تھے۔ ویسے یہ "جنرل" کسی کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

بہرحال ٹھیک چار بجے بالکل نئی طرز کی ایک خوش نما کار مارشل ہاؤس میں داخل ہوئی۔ جسے جنرل ٹابو خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ کار بالکل انوکھے ماڈل کی تھی۔ اس سے قبل شاید ہی کسی نے یہ ماڈل دیکھا ہو۔ اخباری رپورٹر دوڑ دوڑ کر تصویریں بنانے لگے۔

جنرل ٹابو کا چہرہ ہونق ہو رہا تھا۔ ڈھیلے ڈھالے سے بے جوڑ سوٹ اور سر پر زنانہ ہیٹ پہنے ہوئے وہ بڑا مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ تمام لوگوں نے مسکرا مسکرا کر اسے خوش

آمدید کہا۔ جنرل ٹابو ایک ایک کی شکل دیکھ رہا تھا۔ کچھ لوگوں نے آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن ٹابو نے ہینڈل پر ہاتھ رکھنے والے کے ہاتھ میں زور سے نوچ لیا۔

"ہٹاؤ' ہٹاؤ' ہاتھ' ہٹاؤ۔" وہ چیخا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے والا خوش اخلاق بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ "اپنے کام میں خود کرتا ہوں۔" جنرل ٹابو نے کہا اور وہ دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

"ہم اپنے محسن جنرل ٹابو کو خوش آمدید کہتے ہیں۔" استقبال کرنے والے آگے بڑھے۔ ان کے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار تھے۔ جسے انہوں نے ٹابو کی گردن میں ڈالنے کی کوشش کی لیکن ٹابو اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

"دیکھو' دیکھو اگر بلایا ہے تو حرامی پن بالکل نہیں چلے گا۔ ہاں دور سے بات کرو دور سے............ پیچھے پیچھے۔"

"اوہ جنرل........... یہ تو عقیدت کے پھول ہیں۔" ایک شخص نے پُراخلاق انداز میں کہا۔

"گویا پھولوں کے بارے میں میری معلومات صفر ہیں۔ یہ گلاب کے پھول ہیں گیندے کے پھول نہیں اور موتیا کے بھی نہیں۔ ان میں عقیدت کا کوئی پھول نہیں ہے اور بہرحال مجھے پھولوں کی قبر بالکل پسند نہیں۔ رہنے دو رہنے دو........ کام کی بات کرو۔"

لوگوں کی عجیب کیفیت تھی۔ زیادہ تر مسکرا رہے تھے۔ بہت سے حیرت زدہ تھے۔ جنرل ٹابو نے متعارف ہونے والوں میں سے ایک سے بھی ہاتھ نہیں ملایا تھا اور مصافحے کی کوشش کرنے والے شرمندہ انداز میں پیچھے ہٹ گئے تھے۔ بہرحال اس عجیب الخلقت شخص کو اسٹیج پر لے جایا گیا۔ احترام سے بٹھایا گیا تھا اور پھر ایک افسر نے پچھلے دنوں کی وباء کے سلسلے میں جنرل ٹابو کی انسانی خدمت کو سراہتے ہوئے اسے خراجِ تحسین پیش کیا' پھر ڈاکٹروں اور صحافیوں کی ایک جماعت نے ڈاکٹر کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ ان کے مزاج سے اتنی دیر میں سب واقف ہو چکے تھے اور اس سے گفتگو کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے ایک ڈاکٹر نے جنرل ٹابو سے سوال کیا۔

"جنرل ٹابو' آپ اس بیماری کی نوعیت کو سمجھتے تھے۔ یقیناً آپ نے ادرک کے

استعمال کا مشورہ دینے سے قبل اس بیماری پر غور کر لیا تھا۔ اگر یہ درست ہے تو یہ بیماری کیا تھی؟"

"موکاپوٹا.........." جنرل نے جواب دیا۔

"کیا مطلب.........؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"مطلب تم خود نکال لو میرے پاس وقت نہیں ہے۔" جنرل نے جواب دیا۔

"یہ بیماری کا نام ہے؟" ڈاکٹر نے نرمی سے پوچھا۔

"اور کیا میری ممانی کا نام ہے۔" جنرل گردن ہلاتے ہوئے بولا اور لوگ قہقہے نہ روک سکے۔

"لیکن جنرل کیا اس بیماری کو یہ نام آپ نے دیا ہے؟"

"مجھے کیا ضرورت پڑی تھی۔ چویا' ٹویا قبیلے کے لوگ اسے اسی نام سے پکارتے تھے۔"

"یہ قبیلہ کہاں ہے جنرل؟"

"نام سے اندازہ نہیں ہوتا کیا.......... ارے احمق ہی ہو پورے۔ ایسے الٹے سیدھے نام افریقہ کے علاوہ اور کہاں ہو سکتے ہیں۔"

"اوہ.........." ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو گویا آپ کو اس بیماری سے افریقہ میں واسطہ پڑ چکا ہے؟"

"ہاں چویا ٹویا کے لوگ اکثر اس کا شکار ہو جاتے تھے۔ وبائی بیماری ہے۔ جانوروں کا باسی گوشت کھانے سے پھیلتی ہے۔ کٹے ہوئے گوشت میں اس کے جراثیم پرورش پاتے ہیں اور اتنے جاندار ہوتے ہیں کہ گھنٹوں پکنے کے بعد بھی ان میں سے چند زندہ بچ جاتے ہیں اور تباہی پھیلاتے ہیں۔ جو جراثیم زندہ رہ جاتے ہیں وہ انسانی قے کے ساتھ باہر نکل کر ہوا میں منتشر ہو جاتے ہیں اور اتنی تیزی سے اپنی تعداد بڑھاتے ہیں کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے اور انہیں ہلاک کرنے کا ذریعہ صرف ادرک ہے۔ اگر گوشت کی تیاری میں ادرک کا استعمال یقینی ہو تو یہ جراثیم مرجاتے ہیں اور نقصان نہیں پہنچاتے۔ ادرک کا کیمیائی تجزیہ آپ کے سامنے ہو گا یہ خاصی تیز صلاحیت رکھتی ہے اور جراثیم کو ہلاک کرتی ہے۔" جنرل نے ادرک کی کیمیائی تفصیل بتائی اور لوگ سنجیدہ ہو گئے۔ اب وہ ادرک کو محض اتفاق نہیں سمجھ رہے تھے اور یہ مان گئے

تھے کہ یہ سنکی بوڑھا بہت کچھ ہے۔

"اب جاؤ.........." جنرل ٹابو اچانک کھڑا ہوا تھا اور یہ حرکت بھی اچانک تھی کچھ لوگ ہنس پڑے لیکن کچھ نے سنجیدگی برقرار رکھی اور جنرل سے مزید کچھ وقت دینے کی درخواست کی۔ "اور بھی کچھ پوچھنا ہے؟" وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"بہت کچھ جنرل.......... آپ نے اس بیماری کے بارے میں انکشاف کر کے ہمارے لئے تحقیق کے راستے کھول دیئے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس سے بہت سے فائدے اٹھائے جا سکتے ہیں۔"

"ادرک پر ریسرچ کرو.......... اور بھی بہت سے فائدے اٹھاؤ گے۔" جنرل ٹابو نے جواب دیا۔

"خوب جنرل ٹابو۔ کیا آپ ہمیں کچھ ذاتی باتیں بتائیں گے۔" ایک رپورٹر نے پوچھا۔

"آ پھنسے ہیں کیوں نہ بتائیں گے۔" جنرل ٹابو نے کراہتے ہوئے کہا۔

"آپ خود کیا ہیں؟"

"بکواس مت کرو۔" جنرل ٹابو نے بزرگانہ انداز میں کہا۔ چاروں طرف زعفران بکھر رہا تھا۔ جیسے جیسے لوگ اس اجتماع میں موجود تھے وہ اعلیٰ حیثیت کے مالک تھے لیکن جس کے اعزاز میں جمع ہوئے تھے جب وہی پٹڑی سے اترا ہوا تھا تو وہ خود کیسے سنجیدہ رہتے۔ چنانچہ ٹابو کی کسی بات کا کوئی برا نہیں مان رہا تھا۔

"کیوں جنرل.......... کیا آپ بتانا پسند نہیں کریں گے۔" اس رپورٹر نے پوچھا۔

"خود تمہاری آنکھیں نہیں ہیں کیا۔ جو کچھ میں ہوں تمہیں نظر آ رہا ہوں۔ پھر ایسے بے تکے سوالات کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"اوہ.......... میری مراد آپ کے ماضی سے تھی' آپ کی شخصیت سے تھی۔"

"میں نے ماضی کو اپنی زندگی سے خارج کر دیا ہے' خال کا پرستار ہوں اور مستقبل کا دلدادہ.........."

"آپ نے شہر سے اتنی دور رہائش گاہ کیوں بنائی ہے؟"

"میں شہر میں شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"کیا مطلب ہوا............؟"

"کچھ بھی ہوا ہو اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہے۔"

"آپ سائنس داں ہیں؟"

"بڑھئی نظر آرہا ہوں تمہیں؟"

"یہ بھی ممکن ہے جنرل کہ آپ اپنی کوٹھی میں کوئی خطرناک تجربہ کررہے ہوں۔"

"ایٹم بم بنا رہا ہوں۔ تم کو مطلب؟" جنرل غرا کر بولا۔

"سوری جنرل ٹابو............ ایک اہم سوال رہ گیا............" ایک دوسرے صحافی نے پوچھا۔

"پوچھو، پوچھو............ وہ بھی پوچھو۔"

"کیا آپ کا تعلق فوج سے رہ چکا ہے۔"

"ہاں، دوسری جنگِ عظیم میں، مجھے لڑنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ زبردستی............ وہاں مجھے لیفٹیننٹ کا عہدہ دیا گیا۔ چونکہ میں ڈاکٹر بھی تھا اور میں نے فوج میں کچھ کارنامے نمایاں انجام دیئے۔ اس لئے مجھے میجر اور پھر کرنل تک کا اعزاز بھی دیا گیا تھا۔"

"اوہ............ اس کے بعد؟"

"جنگ ہی ختم ہوگئی۔ میں کیا کرتا۔" جنرل نے مایوسی سے کہا۔

"لیکن اس کے بعد آپ جنرل کے عہدے تک کس طرح پہنچے؟"

"جنگ جاری رہتی تو سرکاری طور پر جنرل بن چکا ہوتا۔ اس میں میری غلطی نہیں تھی۔ پھر میں اپنے عہدے کو بڑھنے سے کیوں روکتا۔ چنانچہ اتنے عرصے کے بعد میں جنرل بن چکا ہوں۔" جنرل ٹابو نے جواب دیا اور اس بار قہقہے دیر تک گونج رہے تھے۔

"جنرل آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟ آپ کا نام ہماری سمجھ میں نہیں آتا؟"

"میں اپنی مدد آپ کا قائل ہوں۔ ماں، باپ کی کیا ہے۔ جو دل چاہا کیا۔ سارا کیریئر تباہ کردیا ہے۔ والد صاحب کا نام گلزار بیگ تھا چنانچہ انہوں نے اپنی مہر چھاپنے کے لئے میرا نام چراغ بیگ رکھ دیا۔ اس کی ایسی تیسی۔" جنرل ٹابو نے برا سامنہ بنایا۔

"تو آپ کا اصل نام چراغ بیگ ہے؟"

"جنرل ٹابو............" جنرل ٹابو غصے سے کھڑا ہوگیا۔

"اوہ ٹھیک ہے، لیکن آپ نے اپنا نام ٹابو ہی کیوں رکھا؟"

"پوری زندگی میں صرف ایک ہی دوست بنایا تھا اور تھا بھی دوست............ ایک افریقی نوجوان جس کا نام ٹابو تھا اور اس نے میرے لئے جان دے دی۔ اسی کی یاد میں، میں نے اپنا نام ٹابو رکھا ہے۔" جنرل پھر ڈھیلا پڑ چکا تھا۔

"جنرل۔ کیا اخباری رپورٹر آپ کی کوٹھی کا معائنہ کرسکتے ہیں۔" ایک رپورٹر نے پوچھا۔

"آکر دیکھیں............ کیا حشر ہوتا ہے۔"

"آپ نے شادی نہیں کی جنرل............؟" ایک اور رپورٹر نے پوچھا۔ جنرل اسے غور سے دیکھنے لگا۔ پھر مغموم سے انداز میں بولا۔

"نزدیک آؤ دوست............ تم نے دکھ بھرا سوال کیا ہے۔" اور رپورٹر مسکراتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ وہ جنرل ٹابو کے قریب پہنچ گیا تھا اور اچانک جنرل ٹابو اس پر برس پڑا۔ اس نے رپورٹر کا چشمہ دور پھینک دیا اور اس کا گریبان پکڑ کر جھٹکے دیتے ہوئے بولا۔ "بتاؤں تجھے شادی کی، یا نہیں کی............ ابھی بتاؤں تجھے............" ایک ہنگامہ برپا ہوگیا............ کان پھاڑ دینے والے قہقہے گونج رہے تھے۔ جنرل ٹابو ایک لڑاکے مرغے کی طرح اچھل اچھل کر رپورٹر کی مرمت کررہا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس نے ابھی تک ہاتھ زوردار نہیں مارا تھا۔ بہت سے لوگ ان کے درمیان آگئے لیکن بے چارہ رپورٹر متحیر رہ گیا تھا اور اس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی تھی اور حلیہ کافی بگڑ گیا تھا۔

"تم لوگ میری نسلوں کی چھان بین کیوں کررہے ہو۔ میں نے تو کوئی جرم نہیں کیا۔ بس میں جانا چاہتا ہوں۔" اور پھر لوگ کوشش کے باوجود اس خبطی سائنس دان کو نہیں روک سکے اور وہ اپنی کار میں بیٹھ کر واپس چلا گیا۔

لیکن دوسرے روز کے اخبار اس ملاقات کی دلچسپ تفصیل سے بھرے ہوئے تھے اور لوگ حیران رہ گئے تھے۔ انہیں اپنے محسن کے بارے میں معلومات حاصل کرکے خوشی بھی ہوئی تھی اور اس کا انٹرویو پڑھ کر وہ ہنس بھی رہے تھے۔

پھر بہت سے لوگوں نے شہر سے دور اس عمارت کے چکر بھی لگائے۔ چند لوگوں نے عمارت کے قریب جانے کی کوشش بھی کی لیکن جنرل ٹابو کی بات غلط نہیں تھی۔ الیکٹرک شاک نے انہیں اتنی دور پھینکا کہ مزا ہی آگیا۔ اس کے بعد اس عمارت سے لوگوں کی توجہ ہٹ گئی۔ جنرل ٹابو کو بھی سکون ہوگیا تھا۔ ورنہ اس کی انسانی ہمدردی نے اس کا جینا دوبھر کردیا تھا۔ شروع شروع میں اخباری رپورٹر بھی اس طرف گئے لیکن کوٹھی کے اندر کسی کی رسائی نہیں ہوئی اور اب کوئی اس طرف نہیں جاتا تھا۔ ہاں کبھی کبھار جھیل کے خوب صورت منظر سے لطف اندوز ہونے کے لئے کوئی پارٹی آجاتی تھی لیکن ان میں عموماً مقامی لوگ ہی ہوتے تھے اور وہ اس عمارت کے قریب نہیں جاتے تھے۔

☆------☆------☆

نوشاب کی آنکھوں میں تازگی رچ گئی۔ یہ اس کا پسندیدہ منظر تھا۔ تاحدِ نگاہ سرسوں کے کھیت لہلہا رہے تھے۔ ان پر پھدکتی ہوئی چڑیوں کی آواز مسلسل گونج رہی تھی اور یہ آواز ماحول کی خاموشی میں ایک لافانی گیت محسوس ہوتی تھی اور صبح کا یہ گیت نوشاب کو بے حس پسند تھا۔ وہ سحرخیزی کی عادی تھی۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھتی تھی اور اس وقت جب گھر کے ملازمین تک خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے ہوتے وہ نماز وغیرہ سے فارغ ہوکر اپنی خواب گاہ کی اس کھڑکی میں آکھڑی ہوتی جہاں سے سرسوں کے لہلہاتے کھیت تاحدِ نگاہ پھیلے نظر آتے تھے اور چڑیاں صبح کا گیت گارہی ہوتی تھیں۔ یہ منظر اسے دل وجان سے عزیز تھا۔ وہ صبح کا نور آنکھوں میں سمیٹ کر پورا دن ہنسی خوشی گزارتی تھی۔

فیروزالدین کے دو ہی بچے تھے۔ منور جو تقریباً دس سال قبل ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ملک سے باہر گیا ہوا تھا اور نوشاب جس نے مقامی یونیورسٹی سے اسلامیات میں ایم اے کیا تھا۔ یہ کوٹھی بھی نوشاب ہی کے دم سے آباد تھی اور اس پر سیٹھ فیروزالدین کی آبائی حویلی تھی۔ وہ اسی عمارت میں پیدا ہوئے تھے لیکن وقت کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فیروزالدین نے بھی چولا بدل لیا تھا۔ پہلے وہ عموماً شیروانی پہنتے تھے' ترکی ٹوپی پہنتے تھے لیکن بدلتے ہوئے زمانے نے ان کا لباس بدل دیا۔ اب وہ عمدہ تراش کے سوٹوں میں ملبوس نظر آتے تھے۔ وجیہہ آدمی تھے۔ ہر لباس بدن پر سجتا

تھا اس لئے یہ تبدیلی انوکھی نہ لگی.......... بیگم فیروز بھی زیادہ تر ساڑھی میں نظر آتیں۔ اس سے قبل غراروں اور چوڑی دار پاجاموں کا دور تھا' برقعے میں ملبوس رہتی تھیں لیکن اب برقع اتر گیا تھا اور وہ فیروزالدین کے ساتھ کار میں بغیر برقعہ آتی جاتی تھیں۔ فیروزالدین نے کاروبار بھی بڑھا لیا تھا۔ چلن کے آدمی تھے' فضول خرچیوں سے پرہیز کرتے اور کسی کے لئے کچھ کرنے کے قائل نہیں تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ انسان کو اپنی مدد آپ کرنی چاہئے۔ کسی کی اعانت سے زندگی گزاری تو کیا گزاری۔ اس سلسلے میں بخل کی حد تک پہنچ گئے تھے اور عزیز واقارب میں ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ جس قدر دولت بڑھ رہی تھی دل گھٹ رہا تھا لیکن صرف دوسروں کے لئے' اپنے گھر اور اپنے بچوں کی بہتری کے لئے دنیا کا ہر کام کرنے پر تیار رہتے تھے۔

منور کی تعلیم ختم ہونے کو تھی۔ ڈاکٹری کا مستقبل فیروزالدین کی نگاہ میں تھا اور جانتے تھے کہ ہونہار بیٹا دولت کے ڈھیر لگادے گا۔ چنانچہ اس کے شایانِ شان تیاریوں میں مصروف تھے۔ گھروالوں کو خبر بھی نہیں تھی۔ انہوں نے ایک بارونق علاقے میں کلینک کے لئے ایک شاندار پلاٹ لیا اور اس پر پرائیویٹ اسپتال کی عظیم الشان عمارت تیار کرانا شروع کردی تھی تاکہ بیٹے کی آمد پر اسپتال تیار ہوجائے اور وہ اسے پہلے تحفے کے طور پر اس عمارت کی چابی پیش کرسکیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک اور عمدہ علاقے میں ایک شاندار کوٹھی خریدی تھی اور اسے مغربی طرز پر آراستہ کرایا تھا تاکہ ولایت کی جدید آب وہوا کا عادی منور واپس آکر اس پرانے طرز کی حویلی میں گھٹن نہ محسوس کرے۔

پریشان تھے تو نوشاب سے۔ جس کے اندر نہ جانے کہاں سے صدیوں پرانی روح حلول کرگئی تھی۔ فیروزالدین کی جدید زندگی کو اس نے قبول نہیں کیا تھا۔ حالانکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی۔ روشن خیال تھی لیکن جدید لباسوں کو' جدید طرزِ رہائش کو اس نے قبول نہیں کیا تھا۔ دقت یہ تھی کہ فیروزالدین اسے قائل نہیں کرسکتے تھے۔ کسی بھی بحث میں عملیت اور ذہانت کے دریا بہا دیتی تھی اور میاں بیوی ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ جاتے تھے۔

چنانچہ بیگم فیروزالدین اسے ان پارٹیوں میں لے جانے میں ہمیشہ ناکام رہتیں

جہاں مخلوط محفلیں ہوتیں۔ ان کی خواہش تھی کہ بڑے بڑے لوگوں کی محفلوں میں نوشاب بھی شریک ہو۔ لوگ اسے دیکھیں اور دیکھتے رہ جائیں اور پھر اس کی تقدیر کے ستارے چمک اٹھیں۔ کوئی شایانِ شان رشتہ ملے اور وہ نوشاب کی شادی کر دیں۔

لیکن ناکام رہی تھیں۔ نوشاب کو محفلوں سے چڑ نہیں تھی وہ زندگی کی دلچسپیوں سے دور نہیں تھی لیکن ان محفلوں میں شریک ہوتی جہاں صنف کی ترتیب رکھی جاتی۔ مرد الگ عورتیں الگ۔ چنانچہ ایسی محفلوں میں جہاں بیگم فیروز قیمتی اور جدید ساڑھی میں جگمگاتی نظر آتیں' نوشاب کسی غرارہ سوٹ یا چوڑی دار پائجامے میں نظر آتی تھی اور یہ لباس اس پر سجتے بھی خوب تھے۔ بھرا بھرا متناسب جسم' بڑی بڑی پاکیزہ آنکھیں جوانی کے خمار سے جھکی ہوئی لیکن اقدار کے تحفظ کی ضامن۔ چہرے کے نقوش بھی پاکیزگی کی مثال تھے جو نگاہ پڑتی ہٹنا مشکل ہو جاتی۔

پھر منور کی وطن واپسی کا وقت آگیا۔ فیروز الدین کی خواہش تھی کہ نئی کوٹھی میں اس کا استقبال کیا جائے۔ چنانچہ وہ بیوی اور بیٹی کو بڑے فخر سے اس کوٹھی میں لے گئے۔ ابھی تک انہوں نے کوٹھی کا راز بھی سب سے چھپایا تھا۔ اچانک سب کو یہ خوب صورت کوٹھی دکھا کر متحیر کرنا چاہتے تھے۔

بیگم فیروز الدین تو اسے دیکھ کر نہال ہو گئیں۔ وہ کوٹھی کے ایک ایک حصے کو دیکھ کر قربان ہو رہی تھیں لیکن نوشاب کے چہرے کے تاثرات درست نہیں تھے۔ چند لمحات کے بعد ہی فیروز الدین صاحب کو اس بات کا احساس ہو گیا اور انہوں نے تعجب سے نوشاب کے چہرے کو دیکھا۔

"میرا خیال ہے ہماری بیٹی کو یہاں کوئی کمی محسوس ہوئی ہے۔ اس کے چہرے پر پسندیدگی کے آثار نہیں ہیں۔" فیروز الدین نے کہا۔

"ہاں' ابو میاں آپ کا خیال درست ہے۔" نوشاب نے جواب دیا۔

"ہم یہاں کوئی کمی نہیں چھوڑنا چاہتے اور پھر ہم اپنی بیٹی کی ہر خواہش پوری کرنے کے لئے تیار ہیں۔"

"تو ابو میاں میں اسی حویلی میں رہنا چاہتی ہوں۔" نوشاب نے کہا۔

"ایں.........؟" فیروز الدین تعجب سے منہ پھاڑ کر رہ گئے۔

"ہاں ابو میاں' یہ کوٹھی بے حد خوبصورت ہے لیکن اس کی دیواروں میں وہ

خوشبو نہیں ہے جو ہمارے اپنے بدن سے آتی ہے۔ اس میں وہ سکون نہیں ہے جو اُس حویلی میں ہے۔ اس میں ساری چیزیں مصنوعی ہیں۔ مجھے بتائیے ابو میاں' کیا یہاں سرسوں کے مہکتے ہوئے کھیت موجود ہیں جن کی خوشبو ہمارے پہلے سانس کے ساتھ رگ و پے میں اتر جاتی ہے۔ کیا یہاں وہ رنگ ہیں جو پورے دن کی تازگی بن جاتے ہیں۔ اس جیسی کوئی چیز تو یہاں نہیں ہے ابو میاں۔"

"تم تو ہمیشہ کی منطقی ہو نوشی۔" بیگم فیروز نے کہا۔

"آپ حکم دیں تو میں خاموش ہو جاؤں امی جان۔"

"لیکن بیٹے ہر انسان خوب سے خوب تر کی جانب جاتا ہے' وہ عمارت کتنی پرانی ہے اور پھر اس کی تعمیر بھی جدید نہیں ہے۔"

"درست.......... لیکن میں اسے خوب تر سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

"لیکن بیٹے' بھیا کا بھی تو خیال کرو' جس ماحول سے آ رہا ہے وہ کیا ہے' کیا وہ اس قدیم ماحول میں گھٹن نہیں محسوس کرے گا۔"

"نامی بھیا کو تھوڑا بہت میں جانتی ہوں ابو جان' وہ اس ماحول سے واپسی پر اس لئے خوش ہوں گے کہ اپنی قدیم زندگی میں جا رہے ہیں اور وہ وہیں آکر خوش ہوں گے۔"

"سوچ لو نوشاب!"

"سوچ لیا ابو جان۔"

"اعتماد سے کہہ رہی ہو؟"

"ہاں۔"

"تب پھر اس کوٹھی میں منتقل ہونے کا مسئلہ اس وقت تک چھوڑے دیتے ہیں جب تک منور واپس نہ آئے یہ فیصلہ اس پر چھوڑ دیں گے کہ وہ کہاں رہنا پسند کرتا ہے۔"

"منظور۔" نوشاب نے کہا۔

"نوشاب تم کیسی انسان ہو؟ لوگ تو نئی چیز دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سماتے تم ہو کہ پرانی چیزوں سے چپٹے رہنا چاہتی ہو۔"

"معاف کیجئے گا امی جان' یہ بات تو بہت دور تک پہنچتی ہے۔" نوشاب مسکراتی

ہوئی بولی۔

"کیا مطلب؟"

"میں کسی قیمت پر ابو جان کے لئے نئی امی قبول نہیں کروں گی۔" نوشاب نے کہا اور فیروز الدین ہنس پڑے۔

"اس سے جیتنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے بیگم۔"

"زبان کچھ زیادہ ہی چلنے لگی ہے۔" بیگم صاحبہ ناراض ہو کر بولیں۔

"چلو ٹھیک ہے میں نے تو انہی کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا۔ بات نامی کے آنے پر ٹل گئی ہے تو اب اسے بھی آجانے دو اگر اس نے یہاں رہنا قبول کیا تو محترمہ نوشاب کو اعتراض نہ ہوگا۔"

"بے شک ابو جان۔"

"اور اس وقت تک بھری پری کوٹھی خالی پڑے رہے گی۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"امی جان کیسی سنگدلی کی بات کر رہی ہیں' آپ یکدم آپ اتنی بدل گئیں۔ آپ کو اس بھری پری حویلی کے خالی رہنے کا احساس نہیں ہے جس میں ہم نہ جانے کب سے رہ رہے ہیں جس میں ہمارے اجداد نے زندگی گزاری ہے ان کی یادیں اس عمارت کے درودیوار کی ایک ایک اینٹ سے وابستہ ہیں۔ آپ نے ساری یادیں فراموش کر دیں۔"

"میں یادوں کے سہارے زندگی گزارنا پسند نہیں کرتی۔ یادیں کیا دیتی ہیں' نہ ہی میں ماضی کا آنچل پکڑے کھڑے رہنا پسند کرتی ہوں۔ وقت کی کچھ طلب ہوتی ہے تم جانو اور تمہارے ابو جان' مجھے یقین ہے میرا نامی اتنا قدامت پسند نہیں ہوگا۔"

"بس تو ٹھیک ہے مجھے اپنے بھیا پر بڑا اعتماد ہے اگر انہوں نے اس کوٹھی میں قیام کا فیصلہ کیا تو میں اپنے خیال میں تبدیلی پیدا کرلوں گی۔"

"بات ختم ہوئی' مجھے اعتراض نہیں ہے۔" فیروز الدین نے فیصلہ کر دیا اور تھوڑی دیر تک قیام کے بعد وہ وہاں سے واپس چل پڑے۔ امی جان نوشاب سے شدید اختلاف رکھتی تھیں لیکن نامی یعنی منور کے آنے تک خاموش ہو گئی تھیں۔

دن گزرتے رہے اور آج منور آنے والا تھا۔ امی اور ابو جان رات کو تقریباً تین بجے تک جاگتے رہے تھے۔ منور کی باتیں کرتے رہے تھے۔ پورے دس سال سے

وہ ان سے جدا تھا۔ ابو جان نے بڑے سائنٹفک انداز میں اس کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اس دوران نہ تو وہ خود اس کے پاس گئے تھے نہ اسے آنے کی اجازت دی تھی۔ بس خط وکتابت سے ربط تھا۔ ان کے خیال میں اس طرح تعلیمی سلسلہ یکسوئی کے ساتھ جاری نہیں رہ سکتا تھا۔ نامی کے ذہن میں صرف ایک لگن رہنی چاہئے۔ تعلیم مکمل کرلے تو وطن واپس جائے ورنہ صرف اسے یاد کرتا رہے اور وطن کی یاد اسے تعلیم کی طرف متوجہ رکھے۔

وہاں نامی کے لئے انہوں نے ساری آسائشیں فراہم کردی تھیں۔ انتہائی قیمتی رہائش گاہ جس کے کرائے کی بھاری رقم ادا کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ ایک بھاری رقم ہرماہ اسے ملتی تھی جو اس کے شاہانہ اخراجات کے لئے کافی تھی۔

تین بجے تک وہ اسی کے بارے میں گفتگو کرتے رہے تھے۔ نوشاب بھی ان کے ساتھ شریک تھی لیکن ان کی محبت گہری نیند سو گئی تھی جبکہ نوشاب نے بقیہ رات جاگ کر گزاری تھی۔ نامی کے آنے کی خوشی میں اور اس خوف میں کہ دیر سے سونے کی وجہ سے کہیں فجر کی نماز قضا نہ ہو جائے۔

لیکن صبح کے حسین سحر نے اس کی آنکھوں میں تازگی پھونک دی تھی اور رات کے جاگنے کی کوئی کسل باقی نہ رہی تھی۔ نماز پڑھنے کے بعد اس نے نامی کے لئے دعائیں مانگی تھیں اور کھڑکی میں آکھڑی ہوئی تھی۔

نامی کو ساڑھے گیارہ بجے پہنچنا تھا۔ نہ جانے کب تک وہ کھڑکی میں کھڑی رہی۔ پھر واپس پلٹ آئی۔ سات بجے ملازمہ نے اسے چائے پیش کی۔ ساڑھے نو بجے امی اور ابو جاگ گئے۔ آج وہ اپنے معمول کے خلاف جلدی جاگے تھے۔ جلدی جلدی ناشتا کیا گیا اور پھر تیاریاں ہونے لگیں۔ امی جان نے ایک شاندار ساڑھی کا انتخاب کیا۔ ابو جان نے ایک نفیس تراش کا سوٹ زیب تن کیا اور اچانک ہی امی اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"تم آج بھی.......... آج بھی.........."

"جی امی۔" اس نے سادگی سے پوچھا۔

"ساڑھی باندھ لو' آج تو ساڑھی باندھ لو۔"

"امی.......... برقعے پر ساڑھی اچھی نہیں لگے گی۔"

"برقعہ نہ اوڑھو آج بھائی کے لئے اتنا بھی نہ کرو گی۔"

"یہ میرے اصول کے خلاف ہے امی۔ آج برقعہ نہ اوڑھوں گی تو کبھی نہیں اوڑھوں گی۔"

"تو کہتا کون مردود ہے کہ یہ جھول لپیٹو۔"

"بھیا کہیں گے امی، تو پھر برقعہ بھی نہیں اوڑھوں گی، وعدہ کرتی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور بیگم فیروز دانت پیس کر خاموش ہوگئیں۔

ہلکے گلابی رنگ کا سادہ سا سوٹ پہن کر سیاہ برقعہ اوڑھ کر وہ بھی تیار ہوگئی اور پھر فیروز الدین صاحب کی لمبی قیمتی کار سے باہر نکل آئی۔ ایئرپورٹ کا فاصلہ کافی تھا اس لئے وہ جلدی نکل آئے تھے اور پھر منور کے آنے کی خوشی بھی تھی۔ وقت سے پہلے ہی ایئرپورٹ پہنچ گئے۔ برقعے پر بے شمار نگاہیں پڑی تھیں اور بیگم فیروز کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔ "یہ لڑکی ہمیشہ تماشا بناتی ہے' بھلا یہ برقعے کا دور ہے۔"

نگاہیں فضاؤں میں اپنے پیاروں کی تلاش کر رہی تھیں۔ یقین نہیں آتا تھا کہ آسمان میں ایک سیاہ ہیولا نظر آئے گا اور وہ برسوں کے بچھڑے ہوئے آملیں گے اور پھر ہیولا نظر آگیا۔ چمکدار دن تھا اس لئے اسے دور سے ہی دیکھ لیا گیا تھا۔ پھر وہ رن وے پر اتر گیا اور چھوٹی چھوٹی کارروائیوں کے بعد طیارے نے منہ کھول دیا اور اس کا پیٹ خالی ہونے لگا۔ سیڑھیوں پر نمودار ہونے والی ہر شکل پر منور کا دھوکا ہوتا تھا۔

قیمتی سوٹ میں ملبوس ایک تندرست و توانا نوجوان بے حد اسمارٹ، ان سب کا تصور تھا۔ لوگ اترتے رہے، پھر ایک انتہائی خوب صورت اور تندرست نوجوان سیڑھیوں پر نظر آیا۔ لیکن اس نے کشمشی رنگ کی شیروانی پہنی ہوئی تھی، کھلے پائنچوں والے پائجامے میں ملبوس تھا۔ آنکھوں پر حسین چشمہ لگا ہوا تھا۔ اس لباس میں بے حد پُروقار نظر آرہا تھا۔ فیروز الدین کے منہ سے ایک آواز نکل گئی۔

"بیگم۔"

"ہوں......" بیگم فیروز بھی عجیب سے لہجے میں بولیں۔

"کیا یہ...... کیا یہ اپنا منور نہیں ہے۔"

"وہی لگ رہا ہے۔" بیگم فیروز الدین نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"یہ لندن سے آرہا ہے یا الہ آباد سے۔" فیروز الدین نے عجیب سے لہجے میں

کہا۔

"یہ اس نے حلیہ کیا بنایا ہوا ہے۔" بیگم فیروز الدین نے کہا۔

"وہی امی جان جو تھوڑے دن پہلے ابو جان کا ہوا کرتا تھا۔" نوشاب نے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں لاتعداد چراغ روشن ہوگئے تھے۔ بھائی کو دیکھ کر اس کے چہرے پر پھول ہی پھول کھل گئے تھے۔

بیگم فیروز الدین نے کوئی جواب نہ دیا۔ دونوں میاں بیوی پریشان سے نظر آنے لگے تھے۔ بہرحال وہ وہاں سے آگے چل دیئے۔ منور کو کسٹم وغیرہ میں دقت نہیں ہوئی کیونکہ فیروز الدین نے انتظام کردیئے تھے۔ چمڑے کے ایک معمولی سے سوٹ کیس کے علاوہ منور کے پاس تھا ہی کیا۔ یوں ہی وہ سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے باہر نکلا۔ بیگم فیروز الدین دوڑ کر اس سے لپٹ گئیں۔

"میرا بچہ...... میرا لعل...... میرا چاند...... میرا منور......"

وہ دیوانہ وار اسے چومنے لگیں لیکن منور کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار نظر آرہے تھے۔ وہ ان کے بوسوں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے منہ سے ڈری ڈری آوازیں نکل رہی تھیں۔

"خخ...... خاتون...... آپ...... غغ...... غلط فہمی ہو رہی ہے۔ بس...... سنئے تو سہی۔"

"بیگم......" فیروز الدین سخت لہجے میں بولے۔ اور بیگم فیروز الدین نے بھی شاید نوجوان کے الفاظ سن لئے۔ ان کو جیسے کرنٹ لگا ہو۔ "کیا...... واقعی یہ کوئی اور ہے......؟" انہوں نے سوچا اور پسینہ پسینہ ہوگئیں۔ "لیکن منور......؟" کیا وہ اس کے نقوش کو نہیں پہچان سکتی تھیں۔

"صاحبزادے معاف کیجئے گا، کیا آپ منور فیروز ہیں؟" فیروز الدین نے پوچھا۔

"جی ہاں، لل...... لیکن آپ...... آپ...... ارے...... اوہ...... آپ تو واقعی امی جان ہیں۔ ارے...... مم...... مگر آپ...... آپ غیر مردوں کے درمیان میں اس طرح...... بب برقعہ کیا دھوبی کے ہاں گیا ہوا تھا......؟ اور ابو جان...... یہ...... آپ کو کیا ہو گیا۔"

"آیئے آپ کو برقعہ دکھاؤں۔" فیروز الدین صاحب طنزیہ انداز میں بولے اور

نوشاب کو سامنے کر دیا۔

"یہ.......... کون ہے؟" منور نے پوچھا۔

"بھائی جان!" نوشاب بھی بے اختیار ہو گئی اور منور نے آگے بڑھ کر اسے لپٹا لیا۔

"میری نوشاب، میری بہن۔"

"آؤ چلیں۔" فیروز الدین صاحب کسی قدر بجھ گئے تھے اور سب کار کی طرف بڑھ گئے۔ ڈرائیور نے منور کا سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ فیروز الدین نے تو ڈاکٹر منور کے سلسلے میں بڑے تصورات باندھے تھے لیکن وہ ایسا نہ تھا جیسا وہ سوچ رہے تھے۔ جیسا وہ چاہتے تھے۔

یہ احساس چند لمحات رہا۔ پھر انہوں نے سوچا کہ کیا فرق پڑتا ہے۔ بیٹے کو مرضی کے مطابق چلنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اس کی شخصیت تو شاندار ہے۔ لباس تبدیل بھی کیا جاسکتا ہے اور خیالات، خیالات بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔

کار میں توقع کے برعکس خاموشی سی تھی۔ حالانکہ منور کی آمد کی خوشیاں جس انداز سے منائی جارہی تھیں اس سے تو اندازہ ہوتا تھا جیسے ہفتوں اس کی آمد پر جشن رہے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ گھر پہنچ گئے۔ منور بہت خوش نظر آرہا تھا۔ وہ عمارت کے ایک ایک ملازم سے گلے ملا تھا۔ سب کی خیریت پوچھتا رہا تھا۔ نوشاب اس کے ساتھ تھی اور مسرت سے دیوانی ہوئی جارہی تھی۔ منور اس کی توقع کے مطابق تھا حالانکہ اس نے منور سے ملاقات کئے بغیر ہی اس پر اتنا اعتماد کر لیا تھا لیکن یہ اعتماد کس قدر ٹھوس نکلا تھا۔

دوسری طرف فیروز الدین اپنی بیگم کے نزدیک ست سے بیٹھے تھے۔ "میں دیکھ رہی ہوں، آپ کچھ فکر مند سے ہیں۔" بیگم نے کہا۔

"نہیں.......... کوئی خاص بات نہیں.......... بس منور میری توقع کے برعکس رہا۔" فیروز الدین پھیکی سی مسکراہٹ سے بولے۔

"ایسا کیوں ہوا۔ ہم تو سوچ رہے تھے کہ وہ ملک ملک کی سیر کر کے آیا ہے، نہ جانے اس کی نگاہوں میں اس ملک کی کیا حیثیت ہو گی۔ وہ اتنا جدید اتنا روشن خیال ہو گا کہ لوگ دیکھ کر رشک کریں گے، اس کا لباس، اس کے خیالات جدید ترین ہوں گے،

لیکن یہ شیروانی، یہ پائجامہ، یہ انداز سب کے سب ان خیالات کی نفی ہیں۔"

"ہاں میں بھی حیران ہوں، اس کے پاس صرف ایک سوٹ کیس ہے۔"

"دو چار جوڑے کپڑے ہوں گے اس میں تو.......... یہ اتنی رقم جو اسے بھیجی جاتی تھی اس کا کیا بنتا تھا۔" بیگم فیروز الدین نے کہا۔

"پتا نہیں.......... اس سے گفتگو کریں گے، بظاہر کسی بری عادت کا شکار بھی نہیں معلوم ہو گا۔"

"لگتا تو نہیں ہے۔"

"خیر چھوڑو ان باتوں کو، یہ ہماری اولاد ہے، ہمارا منور ہے۔ اگر اس میں کچھ خامیاں ہیں تو ہم درست کر لیں گے، ہم اس کے بارے میں کیسے اجنبی انداز میں گفتگو کر رہے ہیں۔"

"میرا تو دل بجھ گیا ہے۔" بیگم فیروز الدین نے کہا۔

"اونہہ چھوڑو بھی سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فیروز صاحب بولے اور اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ "آؤ دیکھیں تو سہی کہاں رہ گئے یہ دونوں، اور یہ نوشاب اسے پٹی نہ پڑھادے، آؤ۔" دونوں کمرے کے باہر نکل آئے اور کافی تلاش کے بعد وہ دونوں کوٹھی کے ایک حصے میں نظر آئے۔ ان کے ساتھ ملازم بھی تھے۔ سب ہنس رہے تھے۔

فیروز الدین کو یہاں بھی دھچکا لگا۔ ملازموں سے ایک حد تک نرم رویہ درست ہے حد سے زیادہ اہمیت دینا کسی طور مناسب نہیں ہوتا۔

"اوہ.......... امی.......... امی بھیا تو زعفران زار بن کر آئے ہیں ولایت سے۔ اتنے دلچسپ ہیں کہ بس.......... ہنسا ہنسا کر مار دیا۔" نوشاب بولی۔

"ہاں میں دیکھ رہی ہوں سب ہنس رہے ہیں۔" بیگم فیروز الدین طنزیہ لہجے میں بولی۔

"کیا ہم لوگوں کے پاس بیٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے منور میاں۔ ہم بھی تو شاید تمہارے کچھ ہیں۔" فیروز الدین نے کہا۔

"اوہ بہت قبلہ، حاضر ہوا، دراصل میں سب سے ملاقات کرتا پھرتا رہا ہوں۔ دس سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا۔ یہ در و دیوار بھی مجھے، میرے منتظر محسوس ہوتے

تھے۔ ان میں میری معصوم قلقاریاں جذب ہیں۔ میں کسی کو شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔" منور نے جواب دیا۔

"خوب.......... تو ملازموں کے بعد اب تم درودیوار سے ملاقات کرتے پھر رہے ہو؟ ان اینٹ پتھروں سے؟" فیروز الدین صاحب طنزیہ سے انداز میں بولے۔

"خدارا ان کی تحقیر نہ کریں ورنہ غالب کو اپنے ادب سے خارج کر دیں۔ یہ کیا کہ آپ غالب کے شعروں پر سر دھنتے ہیں اور ان کے کلام سے رُوگردانی کرتے ہیں۔"

"کیا مطلب..........؟"

"غالب کے کہنے سے ہی سہی، لیکن آپ نے تسلیم کیا ہے کہ "سنگ و آہن بے نیاز غم نہیں۔" کیا خیال ہے؟"

"بہت خوب، تو درودیوار کے بعد دروازے کھڑکیوں کی باری آجائے گی۔" فیروز الدین بولے۔

"سب کو ساتھ نمٹا رہا ہوں بس ابھی حاضر ہوا۔" منور نے جواب دیا۔

"نامی بیٹے، یہ سب کیا ہے چلو ہمارے ساتھ بیٹھو ہم سے باتیں کرو، ہم دس سال سے تمہارے منتظر تھے۔" بیگم فیروز نے شکایت بھرے انداز میں کہا۔

"جو حکم، آؤ نوشاب جو امی کا حکم۔" منور نے کہا اور واپس چل پڑا۔ فیروز الدین اور ان کی بیگم ساتھ تھے۔

"سب سے پہلے تو تم تیار ہو لباس تبدیل کرلو، یہ حلیہ کیا بنا رکھا ہے؟" فیروز صاحب بولے۔

"بہتر!" نامی نے سعادت مندی سے کہا اور اپنے سوٹ کیس کی طرف بڑھ گیا۔ پھر وہ باتھ روم چلا گیا تھا۔ فیروز صاحب نوشاب کو گہری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے پوچھا۔

"کیا یہ سب کچھ اس کی شرارت ہے؟"

"کون سی ابو؟" نوشاب نے پوچھا۔

"یہ لباس، یہ اندازِ گفتگو اور یہ ساری حرکتیں۔" فیروز صاحب کے لہجے میں ناخوشگواری تھی۔

"مجھے تو ان میں سے کسی چیز میں شرارت نہیں محسوس ہوئی۔ ہمارے اجداد یہی لباس پہنتے تھے۔ کیا وہ شرارتاً شیروانی اور پائجامہ پہنتے تھے۔ ان کے علاوہ بھیا کا اندازِ گفتگو بھی نہایت شستہ ہے۔ سب سے ملاقات ان کی ذہنی برتری کی علامت ہے۔ آپ کو کہاں شرارت محسوس ہوئی ابو جان؟" نوشاب نے کہا۔

"لیکن میں تو اسے کچھ اور ہی دیکھنا چاہتا تھا۔ بیگم، یوں لگتا ہے جیسے ہم ایک بھیانک غلطی کر بیٹھے ہیں۔" فیروز الدین صاحب بولے۔

"کیا..........؟" بیگم صاحب نے پوچھا۔

"میں نے سوچا تھا کہ منور کو غیر ممالک میں ہر قسم کی آسائشیں مہیا کر دی جائیں اور اس کے بعد اسے تنہا چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ یکسو ہو کر صرف اپنے مشن کی تکمیل کرے۔ وطن کا پیار اور ہماری الفت کچھ عرصہ کے لئے اس کے ذہن سے محو ہو جائیں اور وہ کچھ بن کر لوٹے لیکن اسے اس طرح نظرانداز کر دینا بھی مناسب نہ رہا۔ کم از کم اس کے رجحان کا تو اندازہ کرتے رہنا چاہئے تھا۔ دراصل اس میں میری ایک اور سوچ بھی شامل تھی۔ میں اسے جدید ترین دیکھنا چاہتا تھا۔ باہر جاکر نوجوان آزادی سے زیادہ فائدہ اٹھا کر انگریز عورتوں سے شادی کر لیتے ہیں۔ ان کا رہن سہن اختیار کر لیتے ہیں۔ مجھے یہ پسند تھا اور میں نے تم سے کبھی تذکرہ نہیں کیا لیکن یقین کرو ذہنی طور پر میں اس کے لئے تیار تھا کہ اگر طیارے سے نامی کے ساتھ کوئی انگریز عورت اترے جو اس کی بیوی ہو تو اس کی پذیرائی کروں اور عام روایتوں سے ہٹ کر اسے خوش دلی کے ساتھ بہو تسلیم کرلوں، لیکن.........."

"کمال ہے ابو جان، یعنی آپ وہ چاہتے تھے جس کے لئے غیر ممالک کو برا سمجھا جاتا ہے؟" نوشاب نے تعجب سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"حماقت کی جاتی ہے، انسان کو خوب سے خوب تر کی جانب پرواز کرنا چاہئے۔ پرانی روایات اپنے کمزور اصولوں کی وجہ سے دم توڑ دیتی ہیں۔ انسان کو اس کی فطرت کے خلاف دھکیلو گے تو کبھی کامیاب نہ ہوگے اور اس کے نتیجے میں گھٹن پیدا ہوگی۔ وہ گھٹن جس نے آج ہمارے سارے معاشرے کو لپیٹ میں لے رکھا ہے، جو جرائم ہو رہے ہیں وہ اسی گھٹن کا نتیجہ ہیں۔ یہ گھٹن ختم کر دو، معاشرہ خود بخود درست ہو جائے گا۔"

"اس طرح جس طرح غیر ممالک کا معاشرہ "درست" ہو چکا ہے۔" نوشاب نے طنزیہ کہا۔

"فرسودہ نظری ہے تم اس معاشرے، ان لوگوں کو برا کہتی ہو جن کی کاوش کے نتیجے میں تم طلسماتی زندگی گزار رہی ہو، کیا ان ہی کی ایجادات تمہاری زندگی کے ایک ایک قدم پر تمہاری معاونت نہیں کرتیں اور اس کی وجہ جانتی ہو۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ ذہنی گھٹن سے آزاد ہیں۔ ان پر پابندیوں کے بوجھ نہیں ہیں اور وہ الجھنوں میں وقت کے زیاں اور صلاحیتوں کے قتل سے دور ہیں۔ اس لئے وہ کاوش کرتے ہیں اور ہم بغلیں بجاتے ہیں۔"

"نہیں ابو جان نہیں، ایجادات زندگی کی ضروریات سے تعلق رکھتی ہیں اور اقدار اور پاکیزگی کا تعلق روح سے ہے اور معاف کیجئے انسان فنا ہو جاتا ہے۔ روح اور اقدار زندہ رہتے ہیں۔"

"میں اندر آسکتا ہوں۔" باہر سے نامی کی آواز نے سلسلہ گفتگو منقطع کر دیا۔

اجازت ملنے پر وہ اندر آگیا اور ایک بار پھر وہ ششدر رہ گئے۔ نامی نے ایک رنگین تہمد باندھا ہوا تھا اور گول گلے کا کرتا اس پر سج رہا تھا۔ وہ پُرخلوص انداز میں مسکراتا ہوا اندر آگیا لیکن اب فیروز الدین صاحب کی قوتِ برداشت شاید جواب دے چکی تھی۔

"یہ لباس ہے؟" انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی..........." نامی نے تعجب سے خود کو دیکھا۔

"نامی، ان حرکات کی آڑ میں کیا تم مجھے کوئی احساس دلانا چاہتے ہو؟ کیا وہ رقم جو تمہیں دورانِ تعلیم ملتی تھی ناکافی ہوتی تھی۔ اگر یہ بات تھی تو تم مجھے لکھ دیتے۔ میرا خیال ہے تمہیں مایوسی نہیں ہوتی۔"

"ابو جان، کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟"

"یہ لباس جو تم پہنے ہوئے ہو کیا ہمارے شایانِ شان ہے؟"

"واہ ابو جان، یہ لباس جس قدر عمدہ اور آرام دہ ہے میں بیان نہیں کر سکتا۔ ہر طرح کا آرام، نہ پہننے کے لئے کوئی اہتمام۔ میں تو لندن کے اہم علاقوں میں بھی شام کو یہی لباس پہن کر چہل قدمی کرتا تھا۔ یقین فرمائیں اب لندن کی سڑکوں پر اکثر انگریز لنگی

اور کُرتے میں نظر آتے ہیں۔ خاص طور سے نوجوان طبقہ اور پھر یہ تو ہمارا ثقافتی سرمایہ ہے ابو جان۔ مغرب میں صرف ایک خوبی ہے اسے دنیا کے کسی خطے میں کوئی چیز پسند آتی ہے وہ اسے بڑی خوبی سے اپنا لیتا ہے۔ اپنی طرف سے تھوڑی سی جدت کر کے وہ اسے اپنا کہہ کر روشناس کراتا ہے اور ہم جو خود کو پسماندہ سمجھنے کے مرض میں گرفتار ہیں اپنی ہی چیزوں کو ان کا سمجھ کر خوش ہوتے ہیں اور اس کی تعریفیں کرنے لگتے ہیں۔ انگریز عورت تو عرصہ دراز سے یہ استعمال کرتی ہے جسے اس نے اسکرٹ کا نام دے دیا ہے البتہ کرتے کو آدھا کر کے اس نے اسے بلاؤز کہنا شروع کر دیا لیکن اطمینان رکھیں مجھے یقین ہے کہ ایک دن یہ اسکرٹ لاچے میں بدل جائے گی اور کوئی ڈیزائن ساز کمپنی اسے ویسٹ ٹینٹ موسم گرما کے خاص لباس کے نام سے روشناس کرا دے گی۔"

"تمہارے پاس ڈھنگ کے لباس نہیں ہیں؟" بیگم فیروز نے پوچھا۔

"سب کے سب ڈھنگ کے ہیں، تین شیروانیاں، پانچ کرتے، چار پائجامے۔" منور نے سادگی سے بتایا۔

"اور اس رقم کا تم کیا کرتے رہے ہو جو ہر ماہ تمہیں ملتی تھی؟" فیروز الدین نے پوچھا۔

"اوہ، ابو جان، یہ انسانی راز ہے جسے آپ راز رہنے دیں۔"

"تمہیں یقیناً یہ بات پسند نہیں آئے گی منور کہ ابھی تمہیں ملک واپس آئے چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں ہوئے اور ہم نے تم سے باز پُرس شروع کر دی۔ حسابات لینے لگے، لیکن بیٹے بات یہ نہیں ہے۔ تمہارے لئے یہاں اتنا کچھ موجود ہے کہ تم تصور نہیں کر سکتے۔ جتنا چاہو لٹاؤ جس طرح چاہو زندگی بسر کرو، میں صرف تمہارا مزاج داں بننا چاہتا ہوں۔ زندگی کے دس سال میں نے تم سے دور گزارے ہیں۔ میں ان دس سال کا حساب چاہتا ہوں تاکہ تمہارے بارے میں اندازہ قائم کرنے کے بعد تمہارے بہتر مستقبل کے لئے سوچوں، میری باتوں کو محسوس نہ کرنا۔" فیروز صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

"قطعی نہیں ابو جان۔ اس میں محسوس کرنے کی کیا بات ہے آپ حساب لے سکتے ہیں۔" منور نے جواب دیا۔

"تو بتاؤ ان رقومات کا تم کیا کرتے رہے؟"

"ایک طویل عرصہ تک تو میں انہیں جمع کرتا رہا ابو جان' میرے مختصر اخراجات کے لئے وہ رقم بہت زیادہ تھی۔ میں نے سوچا کوئی بات نہیں ہے۔ جب وطن واپس جاؤں گا تو اسے بھی لے جاؤں گا لیکن پھر اس کا ایک بہترین مصرف نکل آیا۔ میرے وطن کے لوگ' بہتر مستقبل کی تلاش میں سنہری بستیوں کی جانب دوڑتے ہیں ملکی وسائل سے مایوس ہو کر وہ سوچتے ہیں کہ باہر کی دنیا میں دولت ان کی منتظر ہے اور وہ دولت کو بٹورنے کے لئے کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔ چند خوش نصیب ایسے ضرور ہوتے ہیں جن کی آرزوئیں پوری ہو جاتی ہیں لیکن بیشتر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ ان پر عرصۂ حیات تنگ ہو جاتا ہے' نہ کھانے کو روٹی نہ سر چھپانے کی جگہ۔ دربدر رہ رہے ہوتے ہیں۔ پھر ان کی سنہری آرزوئیں' گھروں کی صفائی' ہوٹلوں کے برتنوں کی صفائی' شراب خانوں میں بیروں کی ملازمت تک محدود ہو جاتی ہے اور وہ زندہ لاشوں کی مانند زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہاں گھروں کو بھیجے والے خطوط میں یہی تذکرے ہوتے ہیں کہ ملازمت مل گئی اور زندگی عیش سے گزر رہی ہے۔ آپ نے جو رہائش گاہ میرے لئے مہیا کی تھی ابو جان! اب اس میں تقریباً ایک ہزار افراد رہتے ہیں۔ یہ سب غریب ملازمت پیشہ لوگ ہیں اور ایک مشینی زندگی گزارتے ہیں۔ شفٹوں میں سوتے ہیں۔ ابتدا میں رہنے والوں کو کھانا اور رہائش مفت ملتی ہے۔ پھر جب وہ کہیں ملازمت کرنے لگتے ہیں تو رہائش گاہ کے لئے تھوڑا سا کرایہ ادا کرتے ہیں۔ اس کرائے کی رقم سے دوسرے نئے آنے والوں کی امداد ہوتی ہے اس کے علاوہ ان لوگوں کو تنخواہیں ملتی ہیں جو عمارت کی صفائی اور دیکھ بھال کرتے ہیں۔ دوسروں کے لئے کھانا پکاتے ہیں۔" منور نے کہا۔

نوشاب کی آنکھوں میں فخر و انبساط کے سوتے پھوٹ رہے تھے لیکن فیروز الدین اور بیگم فیروز کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

"تو تم نے اس طرح وہ عمارت بھی تباہ کر دی۔ جانتے ہو میں نے اس کے لئے کتنی کثیر رقم خرچ کی تھی؟" فیروز الدین خود پر قابو نہ رکھ پا رہے تھے۔

"اوہ' نہیں ابو جان! عمارت بالکل ٹھیک ٹھاک ہے بس تھوڑی سی تبدیلیاں کرائی ہیں میں نے اور یہ آپ سوچیں اس سے بہتر مصرف اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"منور......... منور......... یہ سب میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔" فیروز الدین تلملاتے ہوئے بولے۔

"نوشاب' ابو جان کیوں ناراض ہو رہے ہیں' میری سمجھ میں نہیں آیا۔" منور نے معصومیت سے کہا۔

"تم خود کہاں رہتے تھے؟" بیگم فیروز الدین نے پوچھا۔

"وہیں اپنی عمارت میں۔ میرے لئے سونے کا وقت رات گیارہ بجے سے صبح سات بجے تک تھا۔ اس کے بعد میری جگہ گلبر خان سوتا تھا۔"

"اوہ' اوہ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ میں......... میں......... یہ برداشت نہیں کر سکوں گا۔" فیروز الدین صاحب اپنی جگہ سے اٹھے اور تیز قدموں سے باہر نکل گئے۔ بیگم فیروز بھی ان کے پیچھے ہی اٹھی تھیں۔ بس کمرے میں نوشاب اور منور رہ گئے تھے۔

"نوشاب' کیا یہ دونوں ناراض ہو گئے؟"

"ہاں بھیا' ان کی سوچ کو وہ وسعت نہیں مل سکی جو خدا نے آپ کو نصیب کی ہے۔" نوشاب نے جواب دیا۔

"ہاں میرا خیال ہے ابو جان کو عمارت کا مصرف پسند نہیں آیا۔"

"میں نے کہا نا کہ وہ اس انداز میں نہیں سوچ سکتے۔"

"امی اور ابو جان کافی بدل گئے ہیں' لیکن کوئی بات نہیں۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔ ابھی تو یہاں بھی بہت سی اصلاحات کرنی ہیں۔" منور نے پُرخیال انداز میں کہا اور نوشاب ہنس پڑی۔ "کیوں ہنسنے کی کیا بات ہے؟" منور نے پوچھا۔

"ان کی اصلاحات کریں گے آپ؟ ناممکن ہے ذہن کی جو تشکیل آپ لندن سے لے کر آئے ہیں۔ وہ ابھی یہاں پیدا بھی نہیں ہوئی۔ ان لوگوں کو سدھارنا ناممکن ہے۔"

"میں ہر قسم کی پیدائش کا ماہر ہوں تم فکر مت کرو۔" نامی نے بڑے اعتماد سے کہا اور نوشاب ہنستی رہی۔"

☆======☆======☆

عظیم الشان سائنسی تجربہ گاہ تھی۔ انتہائی حیرت انگیز مشینیں چاروں طرف

بکھری پڑی تھیں۔ بڑے بڑے پائپ چھت سے باہر نکل گئے تھے۔ ایک پوری دیوا
شیشے کی بنی ہوئی تھی۔ دیوار پر انتہائی موٹا شیشہ جس پر دس آدمی لگاتار گن برسائیں
تب بھی نہ ٹوٹے اور اس کے پیچھے کائنات تھی۔ مکمل کائنات جس میں چھوٹے بڑے
لاتعداد ستارے جگمگا رہے تھے۔ یہ سب حرکت میں تھے۔ اپنے اپنے اصول کے
مطابق۔ شیشے کے عقب میں تاریکی تھی۔ چاند اپنی صحیح جگہ چمک رہا تھا اور دوسرے
تمام سیارے جن کے بارے میں زمین کو معلومات حاصل تھیں اپنی اپنی جگہوں پر موجود
تھے۔ شہابِ ثاقب کی لکیریں کبھی کبھی کوندا بن جاتی تھیں ورنہ خاموشی۔ پُراسرار
خاموشی جس میں سانسوں کی آواز تک صاف سنی جاسکے۔

دن کی روشنی میں اس میں سورج چمکتا تھا اور شیشے کے پیچھے کی تاریکی نیلے رنگ
کی چادر اوڑھ لیتی تھی اور رات اسے پھر تاریک کردیتی تھی لیکن اگر اس کائنات میں
کوئی اجنبی شے تھی تو وہ سرخ نقطہ جو تجربہ گاہ کے درمیان گردش کر رہا تھا۔ اس کی
رفتار بہت سست تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی تنہا مسافر راستہ بھول کر منزل کی تلاش میں
بھٹک رہا ہو۔ کبھی کبھی وہ نقطہ کسی سیارے سے ٹکرا جاتا تو ہلکی سی چنگاریاں روشن
ہوتیں اور پھر وہی نقطے کا سفر شروع ہو جاتا تھا۔

نہ جانے یہ کائنات کس نے تشکیل کی تھی۔ اس کے سامنے پہنچ کر انسان یوں
محسوس کرتا جیسے وہ زمین سے دور بکھرے ہوئے سیاروں میں سے کسی ایسے سیارے پر
بیٹھا ہو جو اس بیکراں خلا سے الگ اس کی تصویر کشی کرسکتا ہو۔ یا پھر یہ حقیقی کائنات کا
پرتو تھا۔ کسی ایسے کیمرے سے لی ہوئی ایک تصویر جو نہایت حساس ہو اور صاف کائنات
کا عکس حاصل کرکے اسے شیشے کی دیوار پر منتقل کرلیا ہو۔ یہ عکس کاغذی نہ ہو بلکہ
کائنات کو مختصر کرکے شیشے کی اسکرین تک پہنچ گیا ہو۔ بالکل اسی طرح جیسے ٹیلی ویژن
کیمرے کسی منظر کو براہِ راست ٹیلی کاسٹ کرتے ہیں۔ یہاں آکر انسان کو ذہن پر قابو
پانا مشکل ہو جاتا لیکن شیشے کی دیوار کے سامنے' ایک ایسی مشین کے پیچھے جو ایک سفید
گول میز پر نصب تھی اور جس پر بیشمار ننھے ننھے ڈائل روشن تھے۔ ایک انسانی وجود
موجود تھا۔

گہرے سیاہ بالوں کے درمیان ایک کتابی سفید چہرہ۔ جس کا ایک ایک نقش مثالی
تھا۔ پتلی سی ناک' کشادہ پیشانی' روشن ابھری ہوئی آنکھیں جن کی سیاہی سفیدی بے

داغ تھی۔ کسی قسم کی آرائش سے پاک تراشیدہ ہونٹ۔ ننھی سی ٹھوڑی' لمبی گردن'
کشادہ سینہ' سفید اور سڈول بازو' لمبی لمبی مخروطی انگلیاں' پتلی سی کمر جو سیاہ سلکی
لبادے کی ڈوری کسی ہونے کی وجہ سے نمایاں تھی۔

سفید رنگ کی جدید ترین ساخت کی کرسی پر وہ پشت سے ٹکی بیٹھی تھی۔ اس کی
کھوئی کھوئی نگاہیں شیشے کے پیچھے کائنات میں الجھی ہوئی تھیں۔ ہونٹ ایک دوسرے
میں پیوست تھے' بدن میں کوئی تحریک نہیں تھی اور وہ کسی لاہوتی سنگ تراش کا کوئی
انوکھا شاہکار معلوم ہوتی تھی۔

نہ جانے کتنی دیر سے وہ اسی طرح بے جان بیٹھی ہوئی تھی۔ تب اچانک سامنے
رکھی ہوئی میز سے ایک خوشگوار موسیقی ابھری اور لڑکی کے بدن میں زندگی دوڑ گئی۔
یوں لگتا تھا جیسے وہ سحرزدہ ہو اور موسیقی نے سامری کے طلسم کو پاش پاش کردیا ہو۔

اس نے کرسی کی پشت سے سر اٹھایا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ پھر اس کی انگلی
نے ایک چھوٹا سا نیلا بٹن دبادیا اور پھر چاندی کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔

"یس جنرل!"

"گیتی۔ تمہیں نیند تو نہیں آرہی؟" ایک آواز ابھری۔

"بالکل نہیں جنرل۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"آج کی رات بہت صاف ہے۔ کہکشاں چھپا دینے والے غبار سے پاک ہے اس
لئے میں پوری رات جاگنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میرا ساتھ دے سکو گی؟"

"یقیناً جنرل۔ میں بھی کائنات کی طرح پُرسکون ہوں۔" لڑکی نے کہا۔

"شکریہ گیتی۔ صورتِ حال نوٹ کرتی رہنا۔"

"آپ مطمئن رہیں جنرل۔"

"اوکے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور لڑکی نے گہری سانس لے کر وہی بٹن
دوبارہ دبادیا۔ اس کی نگاہیں سرخ نقطے کا تعاقب کر رہی تھیں جو بدستور سست رفتاری
سے کائنات کا سفر طے کر رہا تھا۔ دیر تک وہ اسی طرح اس پر نگاہیں جمائے رہی پھر
دوبارہ کرسی کی پشت سے ٹک گئی۔ اس نے کرسی کے ہتھے پر لگے ہوئے بٹنوں کی لائن
میں سے ایک بٹن دبادیا اور پھر یونہی بیٹھے بیٹھے بولی۔

"ٹائم۔ میں کافی کی ضرورت محسوس کر رہی ہوں۔ بلیک۔ جلدی۔" دوسری

طرف سے جواب ملے بغیر اس نے بٹن بند کر دیا۔ چند ساعت سوچتی رہی پھر ایک طرف رکھا خوبصورت پرس اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔ پرس کھول کر اس نے ایک سفید رنگ کا چپٹا چوکور بکس نکال لیا۔ بکس کا ڈھکنا بھی کسی میکنزم کے تحت کھلتا تھا لیکن اس حیرت انگیز ماحول میں ایک اور تعجب خیز چیز کا اضافہ ہو گیا۔ سنہری رنگ کا ایک خوفناک سانپ ڈبے میں موجود تھا اس کا منہ گہرا سرخ تھا اور جسامت اچھی خاصی تھی۔ وہ پورے ڈبے میں سمایا ہوا تھا۔

لڑکی نے اس پر انگلی ماری اور بار بار مارتی رہی۔ سانپ جاگ اٹھا اور اس نے پھن اٹھایا۔ بے نظیر سانپ تھا۔ شاید ہی کسی انسانی آنکھ نے اتنا حسین سانپ دیکھا ہو۔ لڑکی نے اسے ڈبے سے نکال لیا۔ سانپ کی لمبائی ڈیڑھ فٹ سے کم نہ ہو گی اور وہ لڑکی کی انگلیوں کی مانند پتلا تھا۔ ڈبے سے نکال کر اس نے سانپ کو سامنے میز پر رکھ دیا اور سانپ کنڈلی مار کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی سفید زبان بار بار باہر نکل رہی تھی۔ لڑکی کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک تھی۔ وہ سانپ کو چھیڑنے لگی اور سانپ اس کی انگلی کے اشارے پر لپکتا رہا۔ یوں لگتا تھا جیسے لڑکی کے لئے وہ کوئی دلچسپ کھیل ہو۔ کافی دیر تک وہ اس سے لطف اندوز ہوتی رہی پھر اس نے پلٹ کر قدموں کی چاپ کی طرف دیکھا اور اس حیرت ناک ماحول میں ایک اور حیرت کا اضافہ ہو گیا۔ یہ سیاہ رنگ کا بڑی نسل کا ایک بندر تھا۔ جس کا قد تین ساڑھے تین فٹ سے زیادہ نہیں ہو گا۔ وہ دونوں پیروں سے چل رہا تھا اور اس کے ہاتھوں میں ایک خوبصورت ٹرے تھی جس میں کافی کی پیالی رکھی ہوئی تھی۔ گرم کافی جس کی سوندھی خوشبو دور تک پھیل رہی تھی۔

"شکریہ نائن۔ رکھ دو اور آرام کرو۔" لڑکی نے کہا۔ بندر نے ادب سے کافی میز کے ایک حصے پر رکھ دی اور پھر واپس پلٹ گیا۔ اس کی تمام حرکات انسانی تھیں اور ان میں نفاست تھی۔ "چلو اب تم بھی آرام کرو۔" لڑکی نے ہاتھ بڑھا کر سانپ کو اٹھا لیا اور اسے دوبارہ ڈبے میں بند کر کے ڈبہ پرس میں رکھ دیا پھر وہ کافی پینے لگی اور اس کی نگاہیں نقطے پر جا ٹکیں جو اپنی مخصوص رفتار سے خلاؤں میں سفر کر رہا تھا۔

لڑکی آہستہ آہستہ کافی کے گھونٹ لیتی رہی اور کافی ختم ہو گئی۔ پیالی رکھ کر اس نے دوبارہ کرسی کی پشت پر سر ٹکایا اور آنکھیں سرخ نقطے پر جمادیں اور ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں کھویا کھویا پن بیدار ہونے لگا۔ یوں لگتا تھا جیسے نقطے کے ساتھ اس

کا ذہن بھی انہی سیاروں کے درمیان سفر کر رہا ہو' اور وقت گزرتا رہا۔ چاند پھیکا پڑنے لگا۔ ستاروں کی جگہیں بدلتی گئیں پھر سورج نمودار ہونے لگا اور سیاہ کائنات کے بدن میں نیلاہٹ دوڑنے لگی۔

تب اچانک شیشہ تاریک ہو گیا۔ سب کچھ چھپ گیا اور شیشے کی دیوار سپاٹ ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ چونک پڑی۔ موسیقی پھر سنائی دی اور اس نے سیدھے ہو کر بٹن دبا دیا۔

"گیتی؟"

"یس جنرل؟"

"رات گزر چکی ہے۔ کام ختم۔ کیا تم تھکن محسوس کر رہی ہو؟"

"ذرہ برابر نہیں جنرل۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"ناشتے کے کمرے میں آجاؤ۔ میں بھی پہنچ رہا ہوں۔ ہلکا سا ناشتہ کر کے سو جاؤ۔ دوپہر کو پیٹ بھر کر کھانا کھائیں گے۔"

"اوکے جنرل۔" لڑکی نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اس کا قد بھی دراز تھا اور سلکی لبادہ اس کے جسمانی نقوش نمایاں کر رہا تھا بلا شبہ وہ حسن میں یکتا تھی۔ پھر اس نے جھک کر پرس اٹھایا اور سبک روی سے چلتی ہوئی اس عظیم الشان تجربے گاہ سے باہر نکل آئی۔

نہایت حسین عمارت تھی۔ تجربے گاہ کا دروازہ ایک راہداری کے اختتام پر تھا۔ راہداری کے فرش میں صورت دیکھی جا سکتی تھی۔ خوبصورت لڑکی حسین چال چلتی ہوئی راہداری کے دوسرے موڑ پر آ گئی اور پھر ایک کمرے کے دروازے پر رک گئی۔

سامنے ہی چار فٹے چند گوریلے فرش کی صفائی کر رہے تھے۔ بڑی نسل کے بندر مستعد ملازموں کی طرح خاموشی سے کام کر رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اس پوری عمارت کا نظام ان گوریلوں کے ہاتھ میں ہو۔ لڑکی اندر داخل ہو گئی۔

یہ خواب گاہ نہایت ہی اعلیٰ درجے کے فرنیچر سے آراستہ تھی۔ دیواروں میں شیشے نصب تھے جن میں رنگین روشنیاں جگمگا رہی تھیں اور شیشوں کے پیچھے حسین ترین مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ ایک اور بڑے سے شیشے کے پیچھے سیاہ' کوڑیالے' سبز اور

سفید سانپ کلبلا رہے تھے۔ یہاں بھی روشنی تھی اور اس میں سانپوں کو صاف دیکھا جاسکتا تھا۔ لڑکی نے پرس سے ڈبہ نکالا۔ سنہرے سانپ کو ہاتھ میں پکڑا اور ایک بٹن دبادیا۔ شیشے میں ایک خانہ کھل گیا اور لڑکی نے اطمینان سے سانپ کو خانے سے اندر ڈال کر بٹن دبادیا۔ خانہ بند ہوگیا تھا۔ پھر وہ اپنے بدن سے سیاہ لبادہ اتارتی ہوئی ایک اور دیوار کے قریب پہنچ گئی۔ دیوار بظاہر سپاٹ تھی لیکن پھر ایک اور بٹن دبانے کے ساتھ ایک چوڑی سِل سلائیڈنگ دروازے کی مانند اپنی جگہ سے ہٹ گئی اور لڑکی اندر داخل ہوگئی۔

یہ باتھ روم تھا۔ جہاں بھاپ کے غسل کا سامان نظر آرہا تھا۔ لڑکی کے چکنے سڈول بدن کے عکس سے درودیوار جگمگانے لگے تھے۔ اس نے ایک ڈائل پر سوئی کو کسی مخصوص ہندسے پر فٹ کیا اور پھر ایک بٹن دبادیا۔ باتھ روم کے چاروں جانب دیواروں سے سفید بھاپ دھوئیں کی شکل میں نکل پڑی اور اس نے لڑکی کے پورے بدن کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک خوبصورت لباس میں ملبوس بوڑھے جنرل ٹابو کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اور چار فٹے بندر نہایت نفاست سے میز پر ناشتے کا سامان چن رہے تھے۔ پھر انہوں نے ناشتہ شروع کردیا۔

جنرل ٹابو کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی۔ اس نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر لڑکی کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ وہ ناشتے میں مصروف رہا اور چند ساعت کے بعد لڑکی نے ہی خاموشی توڑی۔

"آپ کسی گہری سوچ میں ہیں جنرل؟"

"ہاں اور میری سوچ اس کے علاوہ اور کسی سلسلہ میں نہیں ہے۔ کیا تم ناکامی پر یقین رکھتی ہو؟" جنرل نے پوچھا۔

"کامیابی کے ساتھ ناکامی کا وجود تو ہے جنرل۔ جس طرح سیاہی سفیدی۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"لیکن میں ناکام نہیں رہوں گا۔" جنرل نے جواب دیا۔

"کاوشوں کا بدل ضرور ملتا ہے لیکن جنرل۔ آج بھی میرے ذہن میں وہی سوال چبھتا ہے۔"

"کون سا سوال؟"

"کیا سیاروں میں زندگی ہے؟"

"اس کے بے شمار ثبوت مل چکے ہیں۔" جنرل نے جواب دیا۔

"اگر کسی سیارے کا کوئی باشندہ آپ کے قبضے میں آبھی جائے تو آپ کیا کریں گے؟"

"اس کا جواب میں تمہیں بارہا دے چکا ہوں۔" جنرل بھویں سکوڑ کر بولا۔

"لیکن میں ایک بار بھی مطمئن نہیں ہوئی۔"

"نہ ہو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"بہت فرق پڑتا ہے۔" لڑکی نے اطمینان سے کہا۔

"کیا مطلب؟" جنرل نے بھویں سکوڑ کر پوچھا۔

"مطلب بتانا ضروری تو نہیں ہے۔" لڑکی نے بھی اسی بے پروائی سے کہا اور جنرل اسے گھورتا رہا پھر غصیلے انداز میں بولا۔

"دیکھو تم مجھ سے فضول گفتگو مت کرو۔ میرے اعصاب الجھن برداشت کرنے کے عادی نہیں رہے ہیں کیا سمجھیں؟"

"اس وقت میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا جب میرا کوئی سوال نامکمل چھوڑ دیا جائے۔ بعض اوقات تو ایسے موقعوں پر جنون سوار ہوجاتا ہے۔ یوں سمجھیں اچانک آبزرویٹری میں کتیا کے پلے بھونکنے لگیں اور جب آپ حیران ہوکر اس کی چھان بین کریں تو پتہ چلے کہ بہت سے والو فیوز ہوچکے ہیں اور شارپ اسکرین درمیان سے دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔"

"بس.........بس........." جنرل بوکھلائے ہوئے انداز میں دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ایسا ہوگا ہی کیوں، مذاق کو سنجیدگی میں نہیں بدلنا چاہئے۔"

"تب پھر مجھے مطمئن کریں جنرل۔"

"میں پھر وہی دہراؤں گا۔ مجھے دنیا میں بسنے والوں سے نفرت ہے۔ میں ان کے قریب نہیں رہنا چاہتا۔ میں ان سے کوئی رابطہ وضبط نہیں رکھنا چاہتا۔ یہ محبت کا صلہ محبت سے نہیں دیتے۔ پہلے مفاد تلاش کرتے ہیں اور اگر ان کی غرض پوری نہ ہو تو نفرت کرنے لگتے ہیں۔ بس یہ سب اچھے نہیں ہوتے۔ میں ان میں نہیں رہنا چاہتا۔"

"لیکن سیاروں پہ زندگی کی تلاش؟"

"ایک دوست۔ صرف ایک ساتھی' انسان کی زندگی میں بہت ضروری ہے۔ تم دیکھ لینا۔ کسی نہ کسی دن۔ میں کسی سیارے کے انسان کو اپنے مشینی جال میں پھانس کر یہاں لاؤں گا۔ اس سے دوستی کروں گا اور وہ میرا ساتھی ہوگا۔ بس صرف وہ میرا ساتھی ہوگا۔"

"لیکن آپ کو اس دنیا کے لوگوں سے نفرت تو نہیں ہے جنرل؟"

"ہے۔ بہت زیادہ نفرت ہے۔ تم دیکھ لو۔ ان میں سے ایک بھی میرے نزدیک نہیں پھٹک سکتا۔" جنرل نے غصیلے انداز میں کہا۔

"نہیں جنرل۔ شہر میں وباء پھیلی تو آپ بے قرار ہو گئے تھے اور ان کی بیماری کے علاج کا اعلان کراتے پھرتے تھے۔"

"وہ دوسری بات تھی۔ بس اس سے مجھے اپنے پیارے ٹابو کی یاد آتی تھی اور اسی کی یاد نے مجھے اس پر مجبور کیا تھا۔"

"نہیں تسلیم کروں گی۔"

"نہ کرو۔ جہنم میں جاؤ۔" جنرل نے اسی جھلاہٹ کے عالم میں کہا۔

"یہ بات ہے؟" لڑکی ہونٹ بھینچ کر بولی اور جنرل پھر بوکھلا گیا۔

"کک کیا بات ہے؟" اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ پوچھا۔

"بس کچھ نہیں۔ میں جہنم میں جارہی ہوں اور .... اور ...." وہ کھڑی ہوگئی لیکن اس کے ساتھ ہی جنرل بھی جلدی سے کھڑا ہوگیا۔

"ارے۔ بیٹھو بیٹھو۔" اس نے لڑکی کے دونوں شانوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ "تم نے ٹھیک سے ناشتا بھی نہیں کیا۔ کھائے پئے بغیر کہیں نہیں جاتے۔ ہاں تو تم کیا پوچھ رہی تھیں؟"

"جو کچھ میں پوچھ رہی تھی وہ آپ کو بخوبی یاد ہے۔"

"کس طرح یقین کرو گی؟ وہی سب کچھ ہے جو میں نے کہا ہے۔" جنرل نے بے بسی سے کہا۔

"میں بھی تو اسی دنیا کی باشندہ ہوں جنرل۔" اس نے کہا۔

"اپنی بات کیوں کرتی ہو گیتی۔"

"غلط تو نہیں کرتی۔"

"اس طرح تو میں بھی ان کے درمیان پیدا ہوا تھا لیکن انہوں نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ یہی سب کچھ تمہارے ساتھ بھی ہوا گیتی! ہم دونوں تو مظلوم ہیں اور اس یگانگت نے ہمیں یکجا کرلیا ہے۔ بولو کیا تم پھر اس دنیا میں جاکر رہنا پسند کرو گی؟ بولو کیا تم ان کے ساتھ رہو گی؟" جنرل نے کہا اور اس بار گیتی کے چہرے پر تغیر نمودار ہوا۔ اس کی شفاف آنکھوں میں سرخی تیرنے لگی' ہونٹ کپکپانے لگے اور وہ کرسی سے ٹک گئی۔

"نہیں جنرل۔ نہیں۔" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"گیتی۔ اپنی کیفیت کا تصور کرلو۔ میں بھی انہی کیفیات کا شکار ہوں۔ میں ساری دنیا سے نفرت کرتا ہوں لیکن انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔ میں بھی اسی گندگی میں پیدا ہوا ہوں۔" جنرل چند ساعت خاموش رہا پھر بولا۔ "لیکن ہر انسان کو پوری زندگی میں ایک دوست کی خواہش ہوتی ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ ہمیں ضرور مل جائے گا۔ کوششیں جاری رکھو۔ وہ ہمارا مشترکہ دوست ہوگا۔ بڑا ہی لطف رہے گا۔ ہم اس سے خلاؤں کی کہانیاں سنیں گے۔ ہم اس کے بارے میں سب کچھ جان لیں گے اور وہ ہمارا مخلص دوست ہوگا۔"

گیتی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے انداز میں اضمحلال پیدا ہوگیا تھا۔ تب وہ تھکے تھکے انداز میں بولی۔

"آپ نے کہا تھا جنرل ناشتے کے بعد آرام کریں گے۔"

"ہاں۔ پورا دن سوتی رہو۔ کوئی کام نہیں ہے۔ رات کو دیکھیں گے۔ اگر آسمان صاف ہوا تو........."

"میں چلتی ہوں۔ میں جاؤں؟" گیتی نے جیسے اس کی بات نہیں سنی تھی۔

"ہاں جاؤ' آرام کرو۔" جنرل نے مشفقانہ انداز میں کہا لیکن گیتی نے جیسے اس کے یہ الفاظ بھی نہیں سنے تھے۔ وہ دروازے سے باہر نکل گئی۔ اس کے شفاف اور پاکیزہ چہرے پر بے شمار رنگ آرہے تھے۔ آنکھیں پھیل اور سکڑ رہی تھیں' ذہن سائیں سائیں کررہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا۔ جیسے تیز ہوائیں چل رہی ہوں۔ اس کا وجود ہلکا ہوگیا ہو۔ زمین پر قدم جمانے مشکل ہورہے تھے۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے

جما کر پاؤں نہیں رکھے تو وہ ہوا میں اڑ جائے گی۔ ہوا اسے دیواروں پر دے مارے گی۔ وہ زخمی ہو جائے گی۔ لہولہان ہو جائے گی۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار تھے۔ رنگ اب سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھوں سے آگ نکل رہی تھی' کانوں میں جنرل ٹابو کے الفاظ گونج رہے تھے۔ "اپنی بات کیوں کرتی ہو گیتی۔ انہوں نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ کیا یہی سب کچھ تمہارے ساتھ نہیں ہوا گیتی؟ کیا تم پھر اسی دنیا میں جا کر رہنا پسند کرو گی؟ کیا تم ان کے ساتھ رہو گی؟"

اور اس کے حلق سے بھنچی بھنچی چیخیں نکل گئیں۔ اس کی آنکھوں میں دہشت ابھر آئی۔ خواب گاہ کا دروازہ کھولا تو سامنے ہی ایک شکل نظر آئی۔ لمبا تڑنگا۔ سیاہ بھوت نما شخص اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا لیکن لمبے آدمی نے کسی شکاری باز کی مانند جھپٹ کر اسے دبوچ لیا۔ اس کے بدن سے سارا لباس نوچ لیا اور پھر اس نے اسے بستر پر ڈال دیا۔ وہ گردن پٹخ رہی تھی۔ اس کی بے آواز کراہیں نکل رہی تھیں اور سیاہ بھوت اسے بھنبوڑ رہا تھا۔ اس کے انگ انگ میں دکھ بھر رہا تھا۔ اس کے منہ سے بدبو کے بھپکے اٹھ رہے تھے اور گیتی کے بدن کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر گیتی کو ایک طرف اچھال دیا۔ اس بار اسے لپکنے والا ایک کریہہ شکل کا دبلا پتلا آدمی تھا۔ اس کی منحوس ہنسی گیتی کے کانوں میں گونج رہی تھی پھر اس نے ناک سے چشمہ اتارا اور اور گیتی کے عریاں بدن کو ٹٹولنے لگا۔ اس کے ہاتھ کیڑے مکوڑوں کی مانند گیتی کے چکنے بدن پر رینگ رہے تھے اور پھر وہی ناقابلِ برداشت دکھن۔ پھر ایک اور چہرہ.......... ایک اور چہرہ.......... ایک اور چہرہ..........
ہزار چہرے اور وہی دکھن۔ وہی گھناؤنی دکھن۔

نہ جانے کس طرح وہ بستر تک پہنچی۔ نہ جانے کس طرح اس نے اپنے بدن کا لباس نوچ پھینکا۔ اب سکون تھا۔ کوئی شکل نہیں تھی۔ خاموشی تھی۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ بستر کی ٹھنڈک اس کے تپتے بدن کو سکون دے رہی تھی۔

لیکن ایک بے کلی' ایک دکھن سی اعضاء پر سوار تھی۔ نقش و نگار میں وہ پاکیزگی نہیں رہی تھی اور وہ آہستہ آہستہ کراہ رہی تھی پھر وہ کروٹیں بدلنے لگی۔ نرم تکیے کو اس نے بازوؤں میں بھینچ لیا لیکن نرم اور بے جان تکیہ۔ اس نے کروٹیں بدل بدل کر

اسے زور زور سے بھنچا اس کے منہ سے سسکاریاں نکل رہی تھیں' آنکھیں سرخ سے سرخ تر ہوتی جا رہی تھیں' چہرہ کسی اندرونی تمازت سے تپ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی شدید غصہ آگیا۔ ایسا سرد' ایسا بے جان' اس نے تکیئے کو دانتوں سے ادھیڑ پھینکا۔ اس کے چیتھڑے کر دیئے اور نرم پر پورے تکیے سے نکل کر چاروں طرف اڑنے لگے۔ بہت سے پر اس کے ہونٹوں اور چہرے سے چپک گئے تھے وہ ایک وحشت زدہ دیوانی نظر آ رہی تھی۔ بچا ہوا تکیہ اس نے دیوار پر کھینچ مارا۔ تب اس کی نگاہ سانپوں والے شوکیس پر پڑی۔ شوکیس میں سانپ رینگ رہے تھے۔ ان کے لجلجے بدن ایک دوسرے پر پھسل رہے تھے۔

گیتی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک نظر آ رہی تھی۔ تب وہ آہستہ سے اٹھی۔ بستر سے نیچے اتر آئی۔ اس کے انداز میں شوق تھا۔ طلب تھی۔ وہ پیار بھرے انداز میں سانپوں کے شیشے کی جانب بڑھ رہی تھی پھر اس نے بٹن دبا دیا اور خانہ کھل گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اندر ڈال دیئے اور پھر دو تین سانپوں کو مٹھیوں میں جکڑ لیا۔ بڑے عجیب' بڑے سرور انگیز سانپ باہر نکال کر وہ خانہ بند کئے بغیر واپس میز کی طرف پلٹی۔ کسی بات کا خیال نہ تھا۔ کوئی اور احساس نہیں تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سانپوں کے باہر نکلنے کا راستہ بھی اس نے بند نہیں کیا تھا۔ اس کا بدن تو کسی انجانے سرور سے ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ وہ بستر پر واپس پہنچ گئی۔ سانپ اس کی گرفت میں لہریں لے رہے تھے' زبانیں نکال رہے تھے' بستر پر لیٹ کر اس نے سانپوں کو اپنے سینے پر رکھ لیا اور سانپ اس کی گرفت سے آزاد ہو کر پھسلنے لگے۔ اس کے پورے بدن پر گردش کرنے لگے اگر کوئی سانپ اس کے بدن سے نیچے پھسل پڑتا تو وہ اسے اٹھا کر پھر اوپر رکھ لیتی۔ ان کے جسموں کو زور سے مروڑتی تاکہ اس کے بدن پر ان کا دباؤ سختی اختیار کر لے۔ اس کے ذہن کو ٹھنڈک کا احساس ہو رہا تھا ایک ابدی سکون مل رہا تھا اسے' آنکھیں جھکی جا رہی تھیں۔ جذبات ٹھنڈے ہوتے جا رہے تھے اور پھر وہ سو گئی۔ گہری اور پرسکون نیند۔ سانپ اب بھی بستر پر رینگ رہے تھے لیکن اب اسے ان کا ہوش نہیں تھا۔

☆======☆=======☆

منور کو گھر واپس آئے ہوئے ابھی تین روز ہی ہوئے تھے لیکن بیگم فیروزا اور مسٹر

فیروز کے حواس جواب دے گئے تھے۔ اس کی عادات واطوار ایسے حیرت انگیز تھے کہ ان کا ذہن چکرا جاتا تھا۔ شکل و صورت، صحت اور وجاہت میں وہ بے مثال تھا لیکن اس کی حرکات نچلے طبقے کے ایک عام آدمی کی سی تھیں۔ اگر ان حرکات سے کوئی خوش تھا تو صرف نوشاب۔ اس کی نگاہوں میں بھائی ایک آئیڈیل تھا جس پر فخر کیا جاسکتا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ جس طبقے سے ان کا تعلق ہے اس میں گھٹیا ذہنیت کے بگڑے ہوئے نوجوان ہی ملتے ہیں جو والدین کی دولت پر عیش کرتے ہیں اور پوری زندگی اسی دولت پر گزار دیتے ہیں یا پھر اگر باپ کی طرف سے کوئی کاروبار مل جائے تو اس سے سہارا لے کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ خود ان میں آگے بڑھنے کی صلاحیت مفقود ہوتی ہے۔ شاذو نادر ہی ایسے نوجوان نکلتے ہیں جو باپ کی شان کو کچھ اور آگے بڑھا دیتے ہیں۔

منور ڈاکٹر بن کر آیا تھا۔ نوشاب کو یقین تھا کہ وہ ایک کامیاب ڈاکٹر ہوگا لیکن وہ دولت کے انبار نہیں لگائے گا بلکہ اس کی جو سوچ تھی اس میں غریبوں کے لئے ہمدردی اور محبت کا جذبہ تھا۔ اس طرح مظلوم غریبوں کو ایک سہارا مل جائے گا۔ گو ابھی تک اس کی منور سے اس سلسلہ میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی لیکن اسے یقین تھا کہ ایسا نہ ہوگا۔ ویسے اس نے محسوس کیا تھا کہ منور کسی بھی سلسلے میں سنجیدہ نہیں تھا۔ وہ ہر موضوع کو چٹکیوں میں اڑا دیتا تھا۔ خود نوشاب سے بھی وہ کھلا نہیں تھا۔

فیروزالدین ان تین دنوں میں سوچتے رہے تھے۔ وہ بیٹے کی حرکات کا جائزہ لینے پر مجبور ہوگئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ منور ان کی دولت میں بے پناہ اضافہ کردے گا۔ حالانکہ ان کے پاس پہلے ہی بہت کچھ تھا لیکن مزید دولت جمع کرنے کی خواہش دوسرے سرمایہ داروں کی طرح ان کے دل میں بھی تھی۔ وہ اس کے قائل نہیں تھے کہ غریبوں کا درد دل میں بسا کر خود کنگال ہوجائیں۔ وہ تو اس کے قائل تھے کہ محنت کرو ذہانت صرف کرو اور دولت مند بن جاؤ۔ اپنے حالات کے خود ذمے دار ہو۔ غریب ہو چاہے امیر۔ چنانچہ انہوں نے ایسی کوئی خیرانہ کارروائی نہیں کی تھی جس میں گھاٹا ہو۔ ہاں سرکاری حکام کو خوش کرنے کے لئے وہ دل کھول کر خرچ کرتے تھے اور اسے بھی بزنس شمار کرتے تھے۔ منور کو بھی وہ ایک سمجھدار امیرزادہ دیکھنا چاہتے تھے۔ اسے سارے گُر سکھانا چاہتے تھے لیکن یہ منور.........

اس وقت بھی وہ بیگم کے نزدیک خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ بیگم فیروز ان کی پریشانی کی وجہ سمجھتی تھیں لیکن خود بھی مجبور تھیں۔ کیا کرسکتی تھیں۔ بیٹے کو وہ بھی بے پناہ چاہتی تھیں لیکن شوہر کو بھی حق بجانب سمجھتی تھیں۔ کیا نہ کیا تھا فیروزالدین نے اس کے لئے لیکن وہ۔

"سنئے۔" آخر کار انہوں نے فیروزالدین کو مخاطب کیا۔

"ہوں۔"

"آپ پریشان ہیں؟"

"پریشان تو نہیں ہوں لیکن فکر مند ضرور ہوں۔ نوشاب لڑکی ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی وہ اگر کسی قدر قدامت پسند ہے تو یہ کوئی اتنی بری بات نہیں تھی کیونکہ جس گھر میں وہ جائے گی اس کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لے گی یا اس میں ڈھل جائے گی لیکن منور.......... اس کی یہ ذہنیت میرے لئے فکر کا باعث ضرور ہے۔"

"بے شک لیکن کیا وہ ناقابلِ علاج ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"ہم نے اپنی دانست میں اس سے دور رہ کر اس کی بہتری چاہی تھی لیکن ہماری یہ کوشش نقصان دہ رہی لیکن مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اسے پیار محبت سے راہِ راست پر لایا جاسکتا ہے۔ تھوڑے دن ضرور لگ جائیں گے۔ آپ کی پریشانی مجھے بھی ہولاتی ہے لیکن سوچیں، ہمیں اسے راہِ راست پر لانا ہی ہے۔ ہم نے اس سے بڑی امیدیں وابستہ کررکھی ہیں۔ ہم انہیں توڑ نہیں سکتے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن..........."

"لیکن کیا؟"

"مجھے ذہن پر قابو پانا مشکل ہوجاتا ہے۔ میں نے اسے کیا بنانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ کیا بن گیا۔ میں نہیں جانتا تعلیمی معاملات میں اس نے کیا کیا ہے۔ مجھے تو خطرہ ہے کہ وہ کامیاب بھی ہوا ہے یا نہیں۔" فیروزالدین نے کہا۔

"اب جو کچھ ہے وہ تو بھگتنا ہی پڑے گا لیکن اس کے لئے صحیح طریقہ کار اختیار کریں۔ ابھی اسے آئے ہوئے کتنے دن گزرے ہیں ابھی تو کوئی سخت بات کرنا مناسب

بھی نہیں ہو گا۔"

"میں نے کون سی سخت بات کہی ہے اس سے لیکن......... زیادہ عرصہ نہ برداشت کرسکوں گا۔ میں نے بڑی مشکل سے سوسائٹی میں یہ مقام بنایا ہے۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ نامی اس میں چار چاند لگائے گا لیکن اسے دیکھ کر یہ خیال ترک کرنا پڑتا ہے۔"

"مایوسی کفر ہے۔ کوشش کرلیں۔" بیگم فیروز نے کہا۔

"میرا خیال ہے میں اس سے اس کا پروگرام معلوم کروں۔ اس کی مشغولیات کے بارے میں پوچھوں۔ اس سے اس کے رجحانات کا پتا چلے گا۔"

"ہاں ضرور لیکن ذرا نرمی سے۔"

"ٹھیک ہے۔ کسی سے بلواؤ۔" فیروز الدین نے کہا اور بیگم صاحبہ اٹھ گئیں۔ انہوں نے ایک ملازم کو آواز دی اور ملازم اندر آگیا۔

"نامی میاں کہاں ہیں؟"

"نوشی بی بی کے ساتھ پچھلے لان پر ہیں۔"

"بلاؤ۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور ملازم چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں اندر آگئے۔ منور نے اس وقت بھی کرتا پائجامہ پہنا ہوا تھا۔ کڑھے ہوئے کرتے اور سیدھے پائجامے میں وہ بہت خوبصورت نظر آرہا تھا۔ یہ لباس اسے نوشاب نے بنا کر دیا تھا۔ وہ خود ہی کپڑا خرید کر لائی تھی اور اسے راتوں رات سیا تھا۔

"بھئی نوشاب۔ منور پر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔ ہمارے لئے بھی تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دیا کرو۔" فیروز الدین مسکرا کر بولے۔

"حق کی بات رہنے دیں ابو جان۔ ہاں تھوڑی بہت دیر کے لئے ادھار دے سکتی ہوں۔ جلدی واپس کر دیں۔" نوشاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یوں لگتا ہے جیسے تم دونوں نے ایک دوسرے کو ہم سے چھین لیا ہو۔ اب تم بھی زیادہ تر نامی کے ساتھ رہتی ہو۔"

"اس کی وجہ ہے۔" نوشاب نے کہا۔

"کیا وجہ ہے؟"

"آپ اور امی جان' نامی بھیا کو سمجھ نہیں سکے ہیں۔ آپ ان سے لندن اور

یورپ کی باتیں کرتے ہیں جبکہ انہیں اپنے دیس کی کہانیوں اور روایات سے عشق ہے اور یہ معمولی بات نہیں ہے کہ انسان ایک طویل عرصہ غیروں کے درمیان گزار کر بھی خود کو نہ بھولے۔"

"ہاں ہاں۔ سمجھدار تو صرف تم ہو۔ میں کہتا ہوں اس کے ذہن کو خراب نہ کرو۔ یورپ اور امریکا کی تقلید ہمیں ترقی کے راستوں پر لے جاتی ہے۔ ورنہ........."

"نہیں ابو جان قیامت تک نہیں مانوں گی۔ ان کی تقلید ہمیں گھٹن کے سوا کچھ نہ دے گی۔ بہت جلد آنکھوں سے نقاب اٹھ جائیں گے۔ نقلی ہیرے آخر کار اپنی تاب کھو بیٹھتے ہیں اور پھر اندر سے جو کچھ نکلتا ہے بہت بدنما ہوتا ہے۔"

"بھئی یہ کیا۔ آپ نے بلایا تھا منور کو اور بحث کرنے لگے ان صاحبزادی سے جنہوں نے اسلامیات میں ایم اے کیا ہے۔"

"آؤ۔ ہاں تم سے بحث بعد میں کروں گا۔ ذرا نامی سے باتیں کرنے دو۔ نامی بیٹے۔ تمہارے آنے کی خوشی میں' میں کچھ تقریبات کرنا چاہتا ہوں۔ میرے بیشتر اقارب اور دوست تم سے ملاقات کرنے کے خواہش مند ہیں۔ تم بھی جس دن سے آئے ہو باہر نہیں نکلے۔ طبیعت نہیں گھبراتی؟"

"نہیں ابو جان۔ ابھی تو اپنے گھر کو دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد باہر کی دنیا دیکھوں گا اور پھر یہ نوشاب۔ بڑی کلاسیکی لڑکی ہے۔ مشرق کا آئیڈیل۔ اس سے ہی دل نہیں بھرا۔" منور نے جواب دیا۔

"تم دونوں کی محبت قابلِ رشک ہے۔ بہرحال میں پرسوں اپنے دوستوں کو مدعو کر رہا ہوں۔ ایک خوبصورت ڈنر دوں گا۔ تمہارے لئے بھی چند ہدایات ہیں۔"

"جی ابو جان!"

"کل درزی تمہارا ناپ لینے آئے گا۔ دو چار سوٹ سلوانے ہیں تاکہ پرسوں پہن سکو۔ لباس کے معاملے میں تم بے حد لاپروا ہو۔"

"جی۔"

"اس کے علاوہ بھی تم سے چند باتیں کرنا تھیں۔"

"حاضر ہوں ابو جان۔"

"تمہاری تعلیم کی کیا پوزیشن رہی؟"

"آپ کی توقع کے مطابق ابو جان۔" نامی نے جواب دیا۔

"بہت خوب۔ مجھے یقین تھا۔ میری خواہش ہے بیٹے کہ تمہیں ملک کا نامی گرامی ڈاکٹر دیکھوں۔ تمہارا نام سن کر لوگوں کی آنکھوں میں تحسین کے جذبات ابھر آئیں۔"

"لیکن میں کچھ اور تصور لے کر آیا تھا ابو جان۔" منور نے کہا۔

"کیا؟"

"مجھے اپنے وطن کی ثقافت سے پیار ہے۔ ڈاکٹری بلاشک ایک مقدس پیشہ ہے لیکن میں ذہنی طور سے زراعت کی طرف متوجہ ہوں۔ میں ہل کندھے پر رکھ کر کھیتی باڑی کرنا چاہتا ہوں۔"

"نامی بیٹے! اگر تم سنجیدہ مذاق کے قائل ہو تو ہمارے جذبات کا مضحکہ تو نہ اڑاؤ۔ بھلا ڈاکٹری اور زراعت کا کیا تعلق ہے؟" فیروز الدین نے بمشکل خود پر قابو پا کر کہا۔

"تعلق نکل سکتا ہے ابو جان!"

"لندن میں تمہارے مشاغل کیا تھے؟"

"مختلف تعلیمی مشاغل کے علاوہ تفریحی مشاغل میں صرف قوالی کو پسند کرتا تھا۔" منور نے سنجیدگی سے کہا۔

"قوالی!" فیروز الدین صاحب نے دانت پیس کر اپنی بیگم کی طرف دیکھا۔

"جی ابو جان۔ میں اور میرے ساتھی ہر جمعرات کو باقاعدہ قوالی کا بندوبست کرتے تھے۔ ابتدا میں تو بڑی مشکلات پیش آئیں۔ قوال ہی دستیاب نہ ہوتے تھے چنانچہ ہم نے چند انگریز گویوں کی خدمات حاصل کیں اور انگریزی میں قوالیاں سنتے رہے پھر ایسے چند لوگ ہاتھ لگ گئے جنہیں لندن میں بھی کوئی کام نہیں مل سکا تھا۔ ہم نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ قوالیاں سیکھ لیں۔ ذہین لوگ تھے۔ بہت جلد گائیکی پر قابو پالیا اور بس پھر کیا تھا۔ ہر ہفتہ قوالیاں۔ ہم نے ان کا ہفتہ باندھ دیا تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس کے بعد ان کا کام چل نکلا۔ وہ اور جگہوں پر بھی جانے لگے۔ کئی بار چیخنے چلانے پر پولیس نے ان کا چالان بھی کیا۔ تو پھر ہم نے گوشۂ آزاد یعنی ہائیڈ پارک میں ان کے فن کے مظاہرے کے لئے معقول بندوبست کر دیا۔"

"اس کے علاوہ؟" فیروز الدین کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"بس لندن کے اور مشاغل سے مجھے دلچسپی نہیں رہی۔"

"وہاں کے کلب وغیرہ؟"

"کبھی نہیں گیا۔"

"بہت خوب۔ بیگم۔ بیگم اب بتاؤ؟" فیروز الدین پھاڑ کھانے والے انداز میں بولے اور بیگم جلدی سے کھڑی ہو گئیں۔

"ٹھیک ہے منور بیٹے۔ بس اب آرام کرو۔ نوشاب' بھائی کو لے جاؤ۔"

"آیئے نامی بھیا۔" نوشاب نے کہا اور نامی اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ نوشاب قہقہے لگا رہی تھی۔ "سچ بھیا۔ آپ انگریزی میں قوالیاں سنتے تھے؟"

"ہاں۔ اس میں جھوٹ کی کیا بات ہے۔ جو کچھ ہم ان گوّیوں کو لکھ کر دیتے تھے اور جو طرز بتاتے تھے وہ الاپ دیتے تھے۔"

"اوہ۔ گویا کلام بھی آپ لوگوں کا ہوتا تھا؟" نوشاب نے ہنس کر کہا۔

"ہاں۔ بڑے باکمال لوگ رہتے ہیں اس عمارت میں۔"

"اور یہ زراعت کی کیا بات تھی بھیا؟"

"میں الجھا ہوا ہوں نوشی۔ دل چاہتا ہے ہل چلاؤں۔ میں کامیاب ڈاکٹر کبھی نہیں بن سکتا اور پھر ہمارے یہاں ڈاکٹر بن جانے کا تصور کیا ہے۔ یہی نا کہ دولت سمیٹی جائے!"

"ہاں۔ آمدنی تو ہوتی ہی ہے۔"

"ابو جان کے پاس سب کچھ ہے۔ مزید دولت کما کر وہ کیا کریں گے!"

"انہوں نے تو بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں آپ سے۔ کلینک کی عمارت بھی تعمیر ہو چکی ہے اور آپ کے لئے ایک جدید ترین کوٹھی بھی خرید لی گئی ہے۔ وہ تو میں نے روک لیا ورنہ ہم اس میں شفٹ ہو گئے ہوتے۔" نوشاب نے پوری تفصیل سنائی۔

"مشکل ہے نوشی۔ میرے لئے سخت مشکل ہے۔ میرا خیال ہے میں ابو جان کے معیار پر پورا نہیں اتر سکوں گا۔"

"واہ۔ اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ بھیا وہی ہو گا جو آپ چاہیں گے۔ ہمارا اور

ہے بھی کون۔ ہاں تقریب کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔"

"نوشی!" منور عجیب سے لہجے میں بولا۔

"جی بھیا!"

"مجھے بڑی مایوسی ہوئی ہے۔ میں تو سوچتا تھا مشرق اپنی روایات میں زندہ ہوگا لیکن یہاں کے رنگ ہی غلط ہیں۔ ہم لندن میں بیٹھ کر مشرق کی روایات کو گردان رہے تھے اور مشرق مغرب کے پیچھے اندھا دھند دوڑ رہا ہے۔ سو ہوگا یوں کہ مشرق روایات اور کلچر لندن کے کسی گندے سے علاقے میں زندہ رہ جائے گا اور خود مشرق کے لوگ اسے عجائبات کی حیثیت سے دیکھنے جایا کریں گے۔"

"ہاں بھیا۔ مجھے بھی بہت دکھ ہے لیکن آپ کہنا کیا چاہتے تھے؟"

"تقریب کے لئے سوٹ سلیں گے۔ حالانکہ میں اپنے وطن میں شیروانی پہننے کے خواب دیکھتا تھا۔ ان آنکھوں کو دیکھنا چاہتا تھا جن میں اس لباس کے لئے اجنبیت نہ ہو۔"

"آپ فکر کیوں کرتے ہیں بھیا۔ میں آپ کے لئے اپنی پسند کی شیروانی سلواؤں گی۔ ابو جان جو کچھ کرتے ہیں انہیں کرنے دیں۔"

"تقریب میں کون لوگ شامل ہوں گے؟"

"شہر کے معززین۔ بڑے بڑے بزنس مین وغیرہ۔"

"اوہ، لیکن میں کچھ اور لوگوں کو بھی مدعو کرنا چاہتا ہوں۔ کارڈ تو چھپیں گے؟"

"میرا خیال ہے چھپ گئے ہوں گے۔"

"تب کچھ کارڈ مجھے بھی فراہم کردینا۔"

"ضرور۔ میں ابو جان سے لے لوں گی کہہ دوں گی نامی بھیا اپنے کچھ دوستوں کو مدعو کرنا چاہتے ہیں۔" نوشاب نے جواب دیا۔

☆======☆=======☆

فیروزالدین صاحب کی ذہنی کیفیت عجیب تھی۔ انہوں نے شدید محنت کرکے اپنے آبائی وقار میں چار چاند لگائے تھے۔ دولت جمع کرنے کے جو طریقے بھی قابلِ عمل ہوئے انہوں نے اختیار کئے تھے اور اس طرح دولت مندوں میں اپنا ایک نمایاں مقام بنایا تھا۔ منور کو ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم بھی انہوں نے اسی امید پر دلائی تھی کہ منور ایک

اعلیٰ ڈاکٹر بن کر دولت کے ڈھیر لگادے اور ان کے وقار میں مزید اضافہ ہو لیکن بیٹے کے ڈھنگ دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔ ذہن جھلاہٹ کا شکار ہوتا تھا لیکن خود کو سنبھال لیتے تھے اور سوچتے تھے کہ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔

آج کی تقریب کا انتظام بھی انہوں نے اعلیٰ پیمانے پر کیا تھا۔ شہر کے تقریباً تمام معززین اس ڈنر میں شریک تھے۔ انہوں نے منور کو بھی کارڈ دیئے تھے اور اسے خوشی سے اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنے دوستوں کو مدعو کرلے۔

اس وقت فیروز الدین صاحب کی حویلی جگمگا رہی تھی۔ لان پر میزیں لگائی گئی تھیں۔ ایک طرف مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا دوسری جانب کھانے کی میزیں لگائی گئی تھیں۔ ڈنر کا وقت نو بجے کا تھا۔ تقریباً تمام مہمان پہنچ چکے تھے۔

تب منور محفل میں آگیا لیکن اسے دیکھ کر فیروز الدین اور بیگم فیروز ششدر رہ گئے تھے۔ منور ایک خوبصورت کپڑے کی شیروانی میں ملبوس تھا۔ اس نے چوڑی دار پائجامہ اور سلیم شاہی جوتا پہنا ہوا تھا۔

درحقیقت وہ مشرقی شہزادہ معلوم ہو رہا تھا۔ فیروز صاحب نے گھبرا کر مدعوئین کی شکلیں دیکھیں۔ ان نگاہوں میں تحسین کے جذبات پاکر انہیں قدرے تعجب ہوا۔ نوشاب تو ایسی فضول محفلوں میں شریک ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس کی چند سہیلیاں اس کے ساتھ اندر رہی تھیں۔ بہت سے لوگوں نے اٹھ کر منور سے ملاقات کی۔

"بہت خوب۔ فیروز الدین صاحب، عموماً ولایت سے پلٹنے والے حلئے بگاڑ کر آتے ہیں اور بعض تو والدین کے لئے شرم کا باعث بن جاتے ہیں لیکن آپ کے صاحبزادے جس لباس اور جس انداز میں نظر آتے ہیں اس کے لئے میری طرف سے مبارکباد قبول کریں۔ بے شک یہ شریف خون کی تاثیر ہے۔" ایک بہت ہی معزز شخص نے کہا۔

"فیروز الدین کے دونوں بچے بے مثال ہیں ان کی صاحبزادی نے اسلامیات میں ایم۔ اے کیا ہے اور پردے کی پابند ہیں۔ وہ اس محفل میں بھی شریک نہیں۔" ایک دوسرے صاحب بولے۔

"یہ صرف والدین کی تربیت اور اچھے خون کی نشانی ہے۔" تیسرے صاحب نے کہا اور نہ جانے کیوں فیروز الدین صاحب کو ٹائی کی گرہ تنگ ہوتی محسوس ہوگئی۔ بہرحال انہوں نے منور کو اس نافرمانی کے لئے معاف کردیا جو اس نے سوٹ نہ پہن کر

کی تھی۔ وہ اپنے تمام دوستوں سے اس کا تعارف کراتے رہے اور کافی خوش ہوئے۔

پھر انہوں نے اپنے جذبات کا اظہار ایک تقریر کی شکل میں کیا اور انکشاف کیا کہ منور کلینک کا جلدی افتتاح ہوگا۔ اس تقریر کے دوران انہوں نے نئی کوٹھی اور کلینک کی عمارت کی چابی منور کو عطا کی۔ یہ دونوں عمارتیں بیٹے کے نام سے خریدی گئی تھیں۔ لوگوں نے ڈاکٹر منور کو مبارکباد دی تھی پھر کھانے کا وقت قریب آگیا۔

فیروزالدین صاحب کے دل سے شیروانی کی کدورت دھل گئی تھی۔ اس لئے وہ بہت خوش نظر آرہے تھے۔ "منور بیٹے! تم نے بھی تو اپنے چند دوستوں کو مدعو کیا تھا؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ وہ بے چارے ایسی تقاریب سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ انہیں نظرانداز کیا جاتا ہے۔ اس لئے میں نے انہیں صرف کھانے کے وقت آنے کے لئے کہا تھا۔" منور نے جواب دیا۔

"میں سمجھا نہیں۔" فیروزالدین نے کہا اور اچانک ان کی نگاہ سامنے اٹھ گئی۔ بیمار بچوں کا ہجوم تھا جو سول لباس پہنے ہوئے تھے ان کے آگے چند حضرات تھے جو اندر آرہے تھے۔ "ارے.......... ارے.......... یہ کون لوگ ہیں۔ کہاں سے آگئے؟" فیروزالدین صاحب پریشانی سے بولے۔

"میرے مہمان ابو جان' آیئے' ان سے ملاؤں۔" منور نے کہا اور فیروزالدین صاحب کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ گو کھانے کی کمی نہیں تھی اور فوری بندوبست ہو سکتا تھا لیکن ان معززین میں ان لوگوں کی کیا گنجائش تھی۔

ان کی آواز بند ہوگئی۔ اعضاء جواب دے گئے اور وہ سُن کھڑے رہ گئے۔ انتہائی نفاست سے سجی میزیں تباہ ہونے لگیں۔ باوردی بیروں کے ہاتھوں سے ڈشیں جھپٹی جارہی تھیں اور پھر کھانے کی فراہمی کا انتظام بھی ان حضرات نے خود سنبھال لیا اور خوب لوٹ مار شوروغل ہونے لگا۔ بیرے بے چارے سہمے ہوئے ایک طرف کھڑے ہونے لگے۔ شہر کے معززین بھی دبک گئے تھے اور تعجب خیز نگاہوں سے یہ ہنگامہ دیکھ رہے تھے۔ مختلف آوازیں ابھر رہی تھیں۔

"ابے بوٹی لاؤ بھوتنی کے۔"

"اوئے چاول دے چاول۔"

"واللہ۔ کبابوں کا تو جواب نہیں۔"

"مولوی صاحب یہ جمن حرامی پن کررہا ہے۔"

"ابے ناک تو صاف کرلے' کھائے جارہا ہے اسے۔" اس کے ساتھ ہی برتنوں کے چھناکوں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ کئی ڈشیں ٹوٹ چکی تھیں' میزوں پر سالن کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور ایک طرف کھڑا منور اپنے نزدیک کھڑے ایک انجان شخص سے کہہ رہا تھا۔

"بخدا۔ کیا کلاسیکی منظر ہے۔ یہ میرے وطن کے بے بس ہیں۔ کاش میں روزانہ ان کے لئے ایسے دسترخوان لگوا سکتا۔"

"بہت خوب۔ تب تو آپ ایک یتیم خانہ خود کھول لیں۔" جلے بھنے شخص نے کہا۔

"ایں۔ ہاں اچھا آئیڈیا ہے۔ یہ یتیم خانہ کیسے کھولا جاتا ہے؟" منور نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"یہ آپ انہی سے پوچھیں۔" وہ بولا اور منور کچھ سوچتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

فیروزالدین صاحب کو چکر آرہے تھے۔ جو کچھ ہوا تھا اچانک ہوا تھا۔ ہانپتے کانپتے بیگم کے پاس پہنچے۔

"تباہ کردیا اس نے۔ زندہ درگور کردیا۔ ساری عزت خاک میں مل گئی۔ اب بتاؤ کیا کروں خودکشی کرلوں۔ کیا کروں؟"

"جو کچھ ہوا ہے اس کے بارے میں تو بعد میں سوچیں گے۔ اللہ کے واسطے منتظم سے پوچھیں کھانا کتنا ہے۔ مہمانوں کے لئے دوسرے لان پر بندوبست کردیں۔ آپ بیٹھیں۔ میں سب کچھ کرتی ہوں۔"

اور درحقیقت بیگم فیروزالدین نے بہت کچھ کر دکھایا۔ انہوں نے عقبی لان میں مہمانوں کے لئے بہترین بندوبست کردیا۔ کھانا ضرورت سے کہیں زیادہ تھا اور بھی بندوبست احتیاطاً کرلیا گیا لیکن مہمانوں کی شکلیں بگڑی ہوئی تھیں۔ بہتوں نے تو کھانے سے انکار کردیا تھا۔ چند نے طنز بھی کیا تھا کہ اگر خیرات کا کھانا تھا تو صرف یتیم خانے کو ہی دعوت دے دی ہوتی۔ دوسروں کو ذلیل کرنا مقصود تھا۔"

تقریب ختم ہوگئی لیکن اس کے بعد گھر کی فضا ماتمی ہوگئی تھی۔ فیروز صاحب نے تو

کھانا ہی نہیں کھایا تھا وہ خاموش تھے اور یہ فضا رات بھر جاری رہی۔ نوشاب نے بھی کوئی بات نہیں کی تھی۔ منور اطمینان سے اپنے کمرے میں سو گیا تھا۔

لیکن دوسری صبح کافی خطرناک تھی۔ ناشتے کے کمرے میں حساب کتاب کا بندوبست کیا گیا تھا۔ منور اطمینان سے ناشتے کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ نوشاب کو اس سے ملاقات کرنے سے روک دیا گیا تھا۔ بیگم فیروز اب پھر صبح سے فیروز صاحب کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ بات نہ بگاڑیں لیکن فیروز صاحب نے پُراسرار خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔

پھر جب منور بیٹھ گیا تو فیروز صاحب سرد لہجے میں بولے۔ "اس کل والی حرکت پر تم سے جواب طلب کرتا ہوں۔"

"مجھ سے ابو جان؟" منور تعجب سے بولا۔

"ہاں۔"

"لیکن کون سی حرکت؟"

"یتیم خانوں کو گھر پر بلانے کا مشورہ کس نے دیا تھا؟"

"کسی نے نہیں۔"

"تب پھر انہیں کیوں بلایا گیا؟"

"میں نے آپ سے اجازت لی تھی ابو جان۔"

"تو وہ تمہارے دوست تھے؟"

"آپ کا کیا خیال تھا ابو جان۔ کیا دس سال غیر ممالک میں گزارنے کے بعد بھی یہاں میرے دوست ہو سکتے تھے۔ میں دوستوں کی تلاش میں نکلا اور مجھے ان کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔ ولایت میں یہ سب کچھ نہیں ہے ابو جان۔ وہاں ہر ذی روح کے ذہنی اور جسمانی تحفظ کا معقول بندوبست ہے۔ وہاں کسی کی انا اس طرح مجروح نہیں ہوتی۔ لاوارث بچے وہاں بھی ہوتے ہیں لیکن ان کی دیکھ بھال کرنے والے ادارے بہت محتاط ہوتے ہیں۔ انہیں اچھا شہری بنانے کے لئے دن رات کوشاں رہتے ہیں لیکن میرے وطن کے یہ لاوارث اور معصوم بچے۔ افسوس۔"

"تم نے دیکھا انہوں نے کیا تباہی مچائی؟"

"ہاں لیکن اس میں ان کا کیا قصور تھا؟"

"پھر کس کا قصور تھا؟" فیروز صاحب دھاڑے۔

"آپ کا۔ آپ جیسے دوسرے حضرات کا۔ جو تقاریب میں صرف انہیں بلاتے ہیں جن کے دسترخوان خود انواع واقسام کے کھانوں سے بھرے پڑے ہوتے ہیں۔ جن کے معدے خراب ہو چکے ہوتے ہیں۔ اگر آپ لوگ ابتدا سے ان لاوارثوں کو مدعو کرتے تو انہیں آدابِ محفل بھی آجاتے اور یہ کچھ نہ ہوتا جو ہوا۔"

"منور۔ کیا تم پاگل ہو کر لندن سے واپس آئے ہو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میری حیثیت دو کوڑی کی ہو جائے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں؟" فیروزالدین آپے سے باہر ہو گئے۔

"ہر انسان کی حیثیت دو کوڑی سے زیادہ نہیں ہوتی ابو جان۔ تعین آپ لوگوں نے کیا ہے۔ عزت تو اس وقت بھی نہیں ہوتی جب آپ چمچماتی کار میں گھر سے باہر نکلتے ہیں اور راستے میں سڑکوں پر بدن کا بوجھ گھسیٹ کر بھیک مانگتے لوگ آپ کی کار کے پاس آکر ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ آپ نفرت سے منہ پھیر لیتے ہیں ابو جان۔ یہ حق آپ کو کس نے دیا ہے کہ آپ ان سے نفرت کریں۔ آپ کی دولت میں ان کا حصہ کیوں نہیں ہے۔ بتایئے کیا کریں گے اس بے پناہ دولت کا؟ اگر آپ زیادہ کماتے ہیں تو کم کمانے والوں کا حصہ کیوں نہیں ہے؟"

"کیا انگلینڈ میں کوئی فقیر نہیں ہوتا؟"

"ہوتا ہے لیکن وہ انگلینڈ ہے۔ میرا وطن نہیں۔ میں اپنے وطن میں یہ گندگی کیوں برداشت کروں۔"

"خوب۔ تو تم اپنے وطن سے غربت کا خاتمہ کرنے آئے ہو؟"

"بساط بھر ابو جان، لیکن کاش میں یہاں بسنے والے ہر انسان کو زندگی گزارنے کا بھرپور حق دلوا سکتا۔" منور نے کہا۔

"تو لندن میں تم کسی کمیونسٹ جماعت سے منسلک رہے ہو؟"

"مجھے کمیونزم سے نفرت ہے۔ مجھے ہر ازم سے نفرت ہے۔ ان کے اصول ان کے اپنے مفادات کے لئے لچک رکھتے ہیں۔ میں تو اسلام کی بات کرتا ہوں۔ یہ نوشاب بیٹھی ہے۔ پوچھیں اس سے اسلام کی باتیں اور مماثلت کریں اپنے اصولوں کی۔ یہ کون سا ازم ہے ابو جان جس میں بھوکے لوگ فٹ پاتھوں پر دم توڑ دیتے ہیں۔

لاتعداد انسان سردی اور بارش میں سڑکوں اور گلیوں میں سڑتے رہتے ہیں اور بے شمار لوگوں کی خواب گاہیں اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ وہ اس میں نظر بھی نہیں آتے۔ براہ کرم آپ مجھے یہ بتادیں کہ آپ کون سے مذہب کی پیروی کرتے ہیں؟"

"سن لیا تم نے.......... سن لیا تم نے؟" فیروالدین دیوانگی میں کھڑے ہو گئے۔

"یہ ہے میرا ہونہار' یہ ہے ہمارا ڈاکٹر منور۔ دولت کے انبار لگا لو بیگم۔ بیٹا ڈاکٹر بن کر آیا ہے۔" وہ اس طرح پیچھے ہٹے کہ کرسی الٹ گئی اور پھر وہ پاؤں پٹختے ہوئے باہر نکل گئے۔

بیگم فیروز نڈھال سی بیٹھی تھیں۔

"کیا میں ناشتا شروع کروں امی؟" منور نے پوچھا۔

"ضرور کرو بیٹے۔" انہوں نے گہری سانس لے کر کہا اور خود بھی کرسی سے اٹھ گئیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس نے کیا کہا۔

"ابو جان کی فکر نہ کریں امی۔ میں ڈاکٹر ہوں اور مجھے ان کا مرض اچھی طرح معلوم ہے۔" منور نے اطمینان سے کہا اور ناشتا کرنے لگا۔ نوشاب اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

☆======☆=======☆

پھر نہ جانے کیا ہوا۔ منور ایک دم سدھر گیا۔ اس نے سوٹ پہننے شروع کر دیئے۔ ٹائی بھی باندھتا تھا اور لباس کے استعمال کا سلیقہ اسے خوب آتا تھا۔ فیروزالدین نے تو اس سے بات کرنا ہی چھوڑ دیا تھا لیکن بیٹے کی بدلی ہوئی حالت کو وہ بغور دیکھ رہے تھے۔ بیگم فیروز بدستور منور کو اس کے مستقبل کی طرف متوجہ کرتی رہی تھیں پھر ایک دن منور نے ان سے ایک بڑی رقم طلب کی اور بیگم فیروزالدین چونک پڑیں۔

"کیا کرو گے اس رقم کا؟" انہوں نے پوچھا۔

"کیا آپ مجھے میرے مستقبل کے آغاز کی نصیحت نہیں کرتیں؟"

"ہاں۔ ہاں تو کیا تم۔ کیا تم کلینک کا افتتاح کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔ میں اس عمارت کا افتتاح کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایک عملی انسان کی حیثیت اختیار کرنے کا خواہش مند ہوں۔" منور نے جواب دیا اور بیگم فیروز خوشی سے پھولی نہیں سمائیں۔ جو کچھ منور نے طلب کیا تھا وہ تو وہ خود بھی دے سکتی تھیں۔ فیروزالدین صاحب سے کچھ کہنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ چنانچہ انہوں نے رقم مہیا کر دی۔ ابھی فیروز صاحب سے اس سلسلے میں کوئی بات کرنا مناسب نہیں ہے۔ انہیں یہ خوشی اچانک مہیا کی جائے۔

منور جو کچھ طلب کرتا رہا وہ دیتی رہیں۔ اب وہ زیادہ تر گھر سے باہر رہتا تھا۔ نوشاب سے بھی اس کی ملاقاتیں کم رہتی تھیں۔ بیگم فیروز منتظر رہتی تھیں کہ کب منور اپنا کام مکمل ہونے کی اطلاع دیتا ہے اور کب وہ فیروزالدین صاحب کو اس بارے میں خوشخبری سنائیں۔

لیکن کافی دن گزر گئے اور منور نے کوئی اطلاع نہیں دی۔ تب انہیں تشویش ہوئی۔ اب تو منور راتوں کو بھی گھر سے باہر رہ جایا کرتا تھا۔ چنانچہ پہلے انہوں نے

نوشاب سے گفتگو کی۔

"نوشاب۔ منور کے بارے میں کوئی اطلاع ہے؟"

"میں نہیں سمجھی امی جان؟"

"جو کچھ کررہا ہے اس کی تفصیل تمہیں تو معلوم ہوگی؟"

"اوہ۔ آپ یقین کریں امی جان تفصیل تو مجھے نہیں معلوم لیکن نامی بھیا جو کچھ بھی کریں گے وہ غلط نہ ہوگا۔"

"کہہ رہا تھا کہ کلینک کا افتتاح کررہا ہے۔ ابھی تک تو کچھ کیا نہیں۔"

"کیا واقعی؟" نوشاب نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں کیوں؟"

"مجھ سے تو انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی بات نہیں کی۔"

"نہ جانے کیا کررہا ہے۔ میرا تو اس پر سے بھروسہ بھی اٹھ گیا۔" بیگم فیروز پریشانی سے بولیں۔ "اتنی بڑی بڑی رقمیں دے چکی ہوں کہ اگر غلط خرچ کردیں تو تمہارے ابو جان ساری زندگی مجھے معاف نہیں کریں گے۔"

"اوہ۔" نوشاب بھی تشویش میں مبتلا ہوگئی۔ "آپ بے فکر رہیں امی جان۔ نامی بھیا میرے اوپر بہت اعتماد کرتے ہیں۔ میں ان سے پوچھوں گی۔" اس نے کہا لیکن بیگم فیروز صبر کا دامن اچانک ہاتھ سے چھوڑ بیٹھی تھیں۔ اسی رات انہوں نے فیروزالدین صاحب کو پوری تفصیل بتادی اور وہ بیگم فیروز کا منہ دیکھتے رہ گئے پھر گردن ہلا کر بولے۔

"میں بھی اس کے اندر نمایاں تبدیلیاں دیکھ رہا ہوں۔ اگر اس نے کلینک کا کام شروع کرلیا ہے تو پھر مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں رہے گی۔ میں خود اس کی مدد کروں گا۔ بے وقوف مجھ سے تو بات ہی نہیں کرتا۔ میں کل ہی جاکر عمارت کا جائزہ لوں گا۔" فیروزالدین صاحب نے کہا۔

دوسرے دن وہ سارے کام چھوڑ کر پہلے اس عمارت کی طرف گئے جو انہوں نے منور کے کلینک کے لئے تعمیر کرائی تھی لیکن عمارت کے دروازے پر "یتیم خانہ منور" کا بڑا سا بورڈ ان کا منہ چڑا رہا تھا۔ فیروزالدین صاحب کا پورا بدن کانپنے لگا۔ ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ اتنی شاندار عمارت' اور یتیم خانہ یہ.......... یہ تو

ان کے نزدیک دولت کی کان تھی۔ یہ تو کرنسی ڈیپارٹمنٹ تھا۔ کار میں بیٹھے بیٹھے وہ دیوانوں کی طرح اس بورڈ کو گھورتے رہے اور پھر اتر کر عمارت کی طرف چل پڑے۔ خوبصورت استقبالیہ ہال شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔ دو تین خوش فکرے اچھے لباس میں وہاں موجود تھے۔ انہوں نے پُراخلاق انداز میں ان کا استقبال کیا۔

"فرمایئے جناب؟" ایک نے پوچھا۔

"میں ابھی یتیم خانے کے بارے میں معلومات چاہتا ہوں۔" انہوں نے بمشکل خود پر قابو پاکر کہا۔

"ضرور' ضرور۔ لیکن معاف کیجئے گا ہم عطیات قبول نہیں کرتے۔ سختی سے ممانعت ہے۔ تاہم آپ کو اس کی سیر کرائی جاسکتی ہے۔ تشریف لایئے۔" ان میں سے ایک اٹھ گیا اور پھر اس نے فیروزالدین صاحب کو یتیم خانے کی سیر کرائی۔ اندر تیس چالیس بچے موجود تھے لیکن وہ کسی طور یتیم نہیں معلوم ہوتے تھے۔ ان کے لباس عمدہ تھے' چہرے شگفتہ تھے۔ یتیم خانے کا منتظم فیروزالدین صاحب کو پورے یتیم خانے کی سیر کراتا پھرا۔ عظیم الشان آپریشن ہال' درسگاہ بن گیا تھا۔ یہاں ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی اور اس کے لئے اساتذہ موجود تھے۔ منتظم نے انہیں بتایا کہ یہاں بچوں کے ساتھ ان کے لئے مستقبل کے شعبوں کا تعین بھی کیا جاتا ہے۔ اس کا کام دوسری جگہوں پر ہورہا ہے۔ ان کے لئے انجینئرنگ' میڈیکل کالج بھی تعمیر کئے جائیں گے۔ ذومی کالج بھی زیرِ غور ہے۔ ہمارے سربراہوں کا خیال ہے کہ پورے ملک میں ایسے یتیم خانوں کا جال بچھا دیا جائے اور ان بچوں کو جو لاوارث ہوتے ہیں اور کسی قسم کی تربیت سے محروم ہونے کے باعث بڑے ہوکر معاشرے کا بوجھ بن جاتے ہیں ملک کا بہترین شہری بنایا جاسکے۔ وہ ہر قسم کی ذہنی کجی سے آزاد ہوں۔"

فیروزالدین صاحب نے پورے یتیم خانے کا معائنہ کیا اور پھر خاموشی سے یہاں سے نکل آئے۔ ان کا دل خون ہوگیا تھا۔ تقریب والے دن انہوں نے یہ دونوں عمارتیں منور کے حوالے کردی تھیں جس سے اس نے یہ فائدہ اٹھایا تھا اور دوسری عمارت کا خیال آتے ہی ان کے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ "آہ۔ تو کیا دوسری عمارت بھی۔" اور انہوں نے ڈرائیور سے نئی کوٹھی چلنے کے لئے کہا۔

لیکن اب نئی کوٹھی' نئی کوٹھی کہاں تھی۔ اس پر دارالامان منور لکھا ہوا تھا اور

اندر کافی آبادی تھی۔ معلومات حاصل کرنے کی کوشش حماقت تھی۔ ہاتھ پاؤں بے جان ہوگئے تھے۔ ڈوبتی آواز میں انہوں نے ڈرائیور سے واپس کوٹھی چلنے کے لئے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد گھر پہنچ گئے۔

بیگم فیروز ان کے اچانک آجانے سے پریشان ہوگئی تھیں اور پھر ان کی کیفیت دیکھ کر وہ اور گھبرا گئیں۔

"کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟"

لیکن فیروز صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سیدھے اپنی خواب گاہ کی طرف چل پڑے تھے اور پھر وہ لیٹ گئے۔

"کچھ بتائیے تو سہی' خیریت ہے نا؟"

"ہاں کوئی خاص بات نہیں ہے۔" وہ ٹوٹے لہجے میں بولے۔

"پھر بھی کچھ تو؟"

"بس بعض اوقات انسان بڑی بے بسی محسوس کرتا ہے۔ ہم حالات کو اپنا تابع نہیں کرسکتے۔ یہ رشتے انسان کی زندگی' یہ سب سے بڑا بوجھ ہوتے ہیں۔ کاش انسان کی نمود انسان کے ذریعہ نہ ہوتی۔ کاش ان محبتوں کا وجود نہ ہوتا۔ کتنے آزاد ہوتے ہم سب۔"

"کچھ تو بتاؤ اللہ کے واسطے؟" بیگم فیروز نے پریشانی سے کہا۔

"منور نے کلینک کو یتیم خانہ بنادیا ہے اور کوٹھی کو دارالامان۔" انہوں نے جواب دیا۔

"ہائے۔ کب؟"

"بیکار باتیں مت کرو۔ اب یہ بتاؤ کہ بیٹے سے مایوس ہونے کے بعد ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ خودکشی یا پھر اس سے کنارہ کشی؟"

"مجھے تفصیل تو بتاؤ۔" بیگم فیروز عاجزی سے بولیں اور فیروز الدین نے انہیں تفصیل سنادی۔ بیگم صاحب بھی ساکت رہ گئیں تھیں۔

"اب جواب دو۔"

"میں کیا بتاؤں۔"

"کیا اس کے لئے اب بھی اس گھر میں گنجائش ہے؟" فیروز صاحب بولے اور

س وقت ایک ملازم نے آکر اطلاع دی۔

"صاحب! یوسف چناوالا' سیٹھ آئے ہیں۔ میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔"

"ارے اوہ۔ اچھا۔" فیروز الدین صاحب بولے۔ یوسف چنا والا کوئی معمولی شخصیت نہیں تھی۔ سیٹھ فیروز الدین پر ان کے بڑے احسانات تھے اس لئے اس غم کے موقع پر بھی وہ اسے نظرانداز نہیں کرسکتے تھے۔

"سوچو بیگم۔ میں سیٹھ سے مل لوں۔"

زنانی سی شکل کے لیکن بہت بڑے سیٹھ یوسف نے بڑی سردمہری سے فیروز صاحب سے ملاقات کی۔ جس پر انہیں حیرت بھی ہوئی تھی۔

"خیریت سیٹھ صاحب' مجھے بلالیا ہوتا؟"

"پتا مجھ پر پڑی ہے۔ اس لئے میں ہی آگیا ہوں۔" یوسف سیٹھ کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔

"اوہ۔ براہ کرم جلدی بتائیں۔ خیریت تو ہے؟"

"فیروز الدین۔ میں تمہاری بڑی عزت کرتا ہوں۔ پرانی دوستی ہی مجھے اس طرف لے آئی ہے۔ ورنہ پولیس کو میرا ایک فون کافی ہوتا۔"

"بات تو بتائیں سیٹھ صاحب۔ مجھے اختلاج ہونے لگا ہے۔"

"آپ کا بیٹا منور فیروز کہاں ہے؟"

"گھر میں نہیں ہے۔ کیوں؟"

"رات کو میرے گھر میں چوری ہوگئی ہے۔ ڈاکہ پڑا ہے اور ڈاکو کی صورت میں نے اچھی طرح دیکھی ہے۔ کیونکہ میں نے اس کی لندن سے واپسی کی تقریب میں اسے دیکھا تھا اور بڑا اچھا اثر لیا تھا۔ فیروز۔ کیا تم نے اسے ڈاکٹر کی تعلیم کے بجائے جرائم کی تربیت کے لئے لندن بھیجا تھا؟"

"سیٹھ صاحب!" فیروز الدین تلملا گئے۔

"اتنی بڑی بات کسی شبہہ پر نہیں کہہ سکتا تھا فیروز الدین۔ میری نگاہ بھی کمزور نہیں ہے۔ آپ کے صاحبزادے میرے پاس پہنچے تھے۔ غیر ممالک کے اصلاحی اداروں کے گن گاتے ہوئے انہوں نے اپنے ملک میں ایسے ادارے کھولنے کی تمنا کا اظہار کیا

اور مجھ سے بولے کہ میں نے آپ کے نام' ایک کروڑ کی رقم لکھی ہے جس کی پہلی قسط دس لاکھ بنتی ہے۔ وہ ادا کردی جائے۔ میں نے بڑے تعجب کی نگاہ سے دیکھا تھا صاحب زادے کو لیکن ان کے انداز میں سرکشی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ ہر قیمت پر یہ اصلاحات کرنا چاہتے ہیں اور ہمیں ان سے تعاون کرنا ہوگا۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا تھا۔ بہرحال میں ہزار پانچ سو تو دے سکتا تھا لیکن دس لاکھ۔ نوبت تلخ کلامی تک پہنچ گئی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں فیروزالدین کی بہت عزت کرتا ہوں ورنہ سب ٹھیک کرادیتا۔ وہ مسکراتا ہوا چلا گیا۔ غلطی مجھ سے یہ ہوئی کہ میں نے اسی وقت تمہیں اطلاع نہیں دی اور یہ سب بھول گیا لیکن پچھلی رات وہ میری خواب گاہ میں آیا۔ چابی لی اور میری تجوری سے دس لاکھ روپے نکال کر لے گیا۔ میں جاگ گیا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا کہ وہ پہلی قسط لے جارہا ہے۔ ضرورت پڑنے پر دوسری قسط کے لئے تکلیف دے گا۔"

"میں اسے شوٹ بھی کرسکتا تھا لیکن تمہارا خیال آگیا فیروزالدین۔ ابھی تک میں نے پولیس کو بھی اطلاع نہیں دی ہے مجھے مشورہ دو۔ کیا کروں؟"

فیروزالدین کا پورا بدن غصے کی شدت سے کانپ رہا تھا۔ سیٹھ یوسف کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ وہ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ اندر گئے اور دس لاکھ روپے کا چیک لکھ کر لے آئے۔ انہوں نے وہ چیک یوسف سیٹھ کو پیش کیا اور بولے۔

"سیٹھ صاحب۔ گردش مختلف شکلوں میں آتی ہے۔ میری تباہی لندن سے چل کر یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ بہرحال آپ کا شکریہ کہ آپ نے اتنا تعاون کیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ کون کب تک تعاون کرتا ہے۔"

"لیکن یہ صاحب زادے کو ہوا کیا ہے۔ وہ تو ڈاکٹر بن کر آیا تھا؟"

"ہوتا ہے سیٹھ صاحب۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔" فیروزالدین دردبھرے لہجے میں بولے۔

"میں تمہارے لئے افسردہ ہوں۔ ہاں اگر وہ دوسری قسط وصول کرنے آئے تو........"

"جب تک ممکن ہوسکا آپ کو چیک دیتا رہوں گا اور جب ادائیگی کے قابل نہ

رہوں تو آپ صرف ایک احسان کردیں۔"

"کیا؟"

"پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے اسے گولی ماردیں۔" فیروز خان نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گئے۔

☆======☆=======☆

"تو وہ آپ سے دس لاکھ وصول کرلیے گئے۔" منور نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "خیر کوئی بات نہیں ابوجان' آپ کا حساب برابر ہوگیا۔ میں نے آپ کی حیثیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ سے پچاس لاکھ لینے کا بجٹ رکھا تھا۔ پندرہ لاکھ کی دونوں عمارتیں' پچیس لاکھ میں امی سے لے چکا ہوں۔ دس لاکھ یہ ہوگئے۔ آپ کا حساب بے باق۔ سیٹھ یوسف صاحب کو اب پچاس لاکھ روپے جرمانہ بھی دینا ہوگا۔ یعنی ڈیڑھ کروڑ اور صرف تین قسطوں میں۔ یہ رقم انہیں ادا ہی کرنا ہوگی۔"

"تو اب تم ڈاکے ڈالوگے؟" فیروزالدین صاحب تحمل سے بولے۔

"آپ لوگ اسے جو کچھ بھی کہیں۔ میں نے بس یہ لائن اختیار کرلی ہے۔ اصل میں ڈاکٹری سے مجھے شروع سے ہی شغف نہیں تھا۔ میں تو فلاحی کام کرنے کا شوقین ہوں۔ میرے ملک کے لوگ اس انداز میں نہیں سوچتے اس لئے مجھے دوسرا رخ اختیار کرنا پڑا ہے۔"

"میں اپنے خون میں اس گندگی پر سخت حیران ہوں منور۔ میں نہیں جانتا یہ کون سے گناہ کی پاداش ہے لیکن بہرحال میں نے تجھے صبر کرلیا ہے۔ صرف چند گھنٹوں کے اندر یہ عمارت چھوڑ دے اور آج کے بعد کبھی ادھر کا رخ نہ کرنا۔ ہاں مگر پوری زندگی کے تصورات کی تباہی کا ایک صلہ دے سکتا ہے تو دے دے۔ ان راتوں کا صلہ جو تیرے لئے جاگ کر گزاری گئیں۔ اپنے نام کے ساتھ فیروز کا نام مت لگانا۔ میں تجھے عاق کرتا ہوں۔"

بیگم فیروز اور نوشاب کا دل حلق میں آگیا تھا لیکن منور کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"ہر مشن قربانیاں چاہتا ہے۔ میں جانتا ہوں مجھے بھی بہت سی قربانیاں دینی ہوں گی۔ میں خود بھی یہ بتا کر آپ لوگوں کو پریشانیوں میں نہیں ڈالنا چاہتا ابوجان۔ ہاں مجھے

یہاں آکر نوشاب سے ملنے کی اجازت ضرور دے دیں۔ نوشاب کو میں بہت چاہتا ہوں اور پھر کبھی کبھی ملاقات رہے تو کیا حرج ہے۔" اس نے کہا۔

"نکل جا۔ اسی وقت نکل جا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تیرا کھیل اپنے ہاتھوں سے ختم کردوں۔" فیروزالدین حلق پھاڑ کر دھاڑے۔

"اوہ واقعی۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اچھا نوشاب۔ خدا حافظ۔ یار اب ہمارا رشتہ ایسا بھی نہیں ہے کہ اس آسانی سے ٹوٹ جائے۔ میں آتا جاتا رہوں گا۔" منور اٹھ کر باہر نکل گیا۔ نوشاب دل مسوس کر رہ گئی تھی لیکن فیروزالدین صاحب کی جو حالت تھی اس کے پیش نگاہ اس کی مجال نہ ہوئی کہ وہ منور کو الوداع کہنے تک چلی جاتی۔

پورا گھر سوگ میں ڈوب گیا تھا۔ نوشاب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ دل بیگم فیروز کا بھی رو رہا تھا لیکن شوہر کی اطاعت بھی فرض تھی اس لئے انہوں نے آنسو نہ بہنے دیئے۔ فیروز صاحب تھوڑی دیر تک تو سلگتے رہے پھر اٹھ کر باہر نکل گئے۔ ماں، بیٹیاں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔

☆======☆========☆

جس نے سنا دنگ رہ گیا۔ اس ہونہار نوجوان کو دیکھ کر سب نے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ بہت سے لوگوں نے تو سوچا تھا کہ جب وہ اپنی پریکٹس شروع کرکے مکمل ڈاکٹر بن جائے گا تو وہ اس کے ساتھ اپنی بیٹیوں کا رشتہ کرنے کی کوشش کریں گے لیکن اس خوبصورت اور شریف نظر آنے والے نوجوان نے تو وہ گل کھلائے تھے کہ سب ششدر رہ گئے تھے۔

پولیس کے افسران نے فیروزالدین صاحب سے رابطہ کیا تھا۔

"میں اسے عاق کرچکا ہوں اور یہ خبر اخبارات میں آچکی ہے۔"

"لیکن آپ اس کی نشان دہی تو کرسکتے ہیں؟"

"اگر اس کے سلسلہ میں میرے پاس آنے کی کوشش کی گئی تو............ تو میں قیامت برپا کردوں گا۔ میں براہ راست ہوم سیکرٹری سے گفتگو کروں گا۔ میری طرف سے اجازت ہے جہاں نظر آئے گولی ماردو، پھانسی پر لٹکادو میں پوچھوں گا بھی نہیں لیکن بس آئندہ مجھ سے کوئی رابطہ نہ قائم کیا جائے۔" انہوں نے کہا۔

درحقیقت وہ ہوم سیکرٹری تک پہنچ گئے۔ خود بھی معمولی حیثیت کے انسان نہیں

تھے۔ شہر کے بلکہ ملک کے بڑے سرمایہ داروں میں شمار ہوتے تھے اس لئے ان کی بات پر توجہ دی گئی۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ ہم اخبارات دیکھ چکے ہیں لیکن آپ اس کی ذہنیت کی نشاندہی کرسکتے ہیں؟" ہوم سیکرٹری نے پوچھا۔

"تھوڑی سی غلطی میری بھی ہے۔" فیروزالدین صاحب نے رندھی آواز میں کہا۔

"کیا؟"

"میں نے دس سال کے لئے اسے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ میرا مقصد تھا کہ وہ ایک خود اعتماد نوجوان بنے اور اپنی توجہ تعلیمی مشاغل کی طرف مبذول رکھے لیکن افسوس۔ یہ میری حماقت تھی۔ میں نے اس کی سوسائٹی کو نظرانداز کردیا تھا۔ نہ جانے کن لوگوں میں اٹھا بیٹھا۔ ویسے اس کی کارروائیوں سے تو آپ واقف ہوں گے۔"

"ہاں اور شرمندگی ہوتی ہے۔ اس کے عزائم برے نہیں ہیں۔ وہ جو کچھ کررہا ہے اس کے بارے میں ابھی ہم سالوں نہیں سوچ سکتے تھے۔ اس نے نہایت تعلیم یافتہ لوگوں کا سہارا لیا ہے اور ان لوگوں نے اداروں کو قانونی طور پر محفوظ کردیا ہے۔ اس تھوڑے عرصہ میں اس نے ایک صنعت بھی قائم کردی ہے جس میں تقریباً دو ہزار افراد روزگار حاصل کرچکے ہیں اور پھر اس صنعت کی ساری آمدنی اداروں کے نام وقف ہے۔ حکومت کیا کرسکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اداروں کے فاضل اخراجات حکومت کے علم میں نہ آسکیں اور وہ انہیں پورا کرتا رہے۔ اب ایک نئی اسکیم حکومت کے علم میں آئی ہے؟"

"کیا؟" فیروزالدین نے بے اختیار پوچھا۔

"شہر کے گداگروں کے لئے ایک عمارت تعمیر کی جارہی ہے۔ اسکیم بے حد شاندار ہے۔ گداگروں کے لئے سارے انتظامات کئے جارہے ہیں اور ان سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ گداگری چھوڑ کر اس عمارت میں آئیں اور باعزت زندگی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ میں بذات خود وہاں جاکر اس عمارت کو دیکھ چکا ہوں اور اس کے منتظمین سے بھی ملاقات کرچکا ہوں۔ وہاں پر ہر چیز ٹھوس بنیادوں پر ہے۔ کہیں لچک نہیں چھوڑی گئی ہے۔ گداگروں کے لئے مختلف شعبے قائم کئے گئے ہیں اور یہاں ان

سے تھوڑی سی محنت بھی لی جائے گی۔ ان کی بیماریوں کے علاج کے لئے ایک اسپتال بھی اسی عمارت میں تعمیر ہو گا جس میں صرف ڈاکٹر باہر کے ہوں گے اندر کے سارے انتظامات گداگر امداد باہمی کے طور پر خود سنبھالیں گے۔ منتظمین نے بتایا کہ اس تعمیر کے مکمل ہونے کے بعد حکومت سے اپیل کی جائے گی کہ وہ گداگری کو جرم قرار دے دے اور اگر کوئی بھیک مانگنے والا نظر آئے تو اسے جیل میں بند کرنے کے بجائے ادارے کے سپرد کردے۔ اس کے علاوہ ادارے کو اختیار دے کہ وہ خود بھی گداگروں پر سختی کر سکے۔ یہ بہت بڑا کام ہے فیروزالدین صاحب! بلاشبہ اس کام کا بیڑا اٹھانے والے کی پوجا کی جاسکتی ہے لیکن بدبختی ہے ہم سب کی کہ ہم اسے گرفتار کرکے جیل میں ڈال دینا چاہتے ہیں کیونکہ دولت کی فراہمی کے لئے اس نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ مجرمانہ ہے۔ وہ بے حد چالاک ہے۔ اس طرح کام کرتا ہے کہ ابھی تک اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جاسکا لیکن وہ لوگ جو کروڑوں گنوا چکے ہیں حکومت کی جان کو آئے ہوئے ہیں کہ اسے گرفتار کرکے سزا دی جائے اور ہمیں ان کی سننا پڑ رہی ہے۔"

فیروزالدین کافی دیر خاموش رہے پھر بولے۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ......... کہ اس کے سلسلہ میں مجھے پریشان نہ کیا جائے۔"

"فیروزالدین صاحب۔ اگر وہ گرفتار ہو گیا تو......... آپ کا ردعمل کیا ہو گا؟"

"میں اس پر صبر کر چکا ہوں۔"

"گھر سے جانے کے بعد اس نے کبھی آپ سے رابطہ قائم نہیں کیا؟"

"کبھی نہیں۔ میں نے اسے اس کی اجازت نہیں دی تھی۔"

"اس کی والدہ تو اس کے لئے بے چین ہوں گی؟"

"یہ ذاتی معاملات ہیں۔"

"معاف کیجئے گا۔ بہرحال آپ سے ایک درخواست ہے۔"

"فرمائیے۔"

"اگر کبھی کوئی ایسا موقع ہاتھ آئے کہ وہ گرفتار ہو سکے تو آپ بھی حکومت کی مدد کریں گے اور پولیس کو اطلاع دے دیں گے۔"

"جی میں وعدہ کرتا ہوں۔" فیروزالدین نے کہا۔ "لیکن میری درخواست؟"

"پولیس آئندہ آپ سے نہیں ملے گی۔"

"شکریہ۔" فیروزالدین اپنی جگہ سے اٹھ گئے اور پھر وہ باہر نکل آئے۔ بڑی متضاد کیفیتوں کا شکار تھے۔ جو کچھ سنا تھا۔ ایک آواز کہہ رہی تھی کہ وہ مجرم تو نہیں ہے۔ وہ تو ایک دردمند انسان ہے لیکن وہ اس آواز کو دبا رہے تھے۔ یہ دردمندی اس دور کے لئے بے سود ہے۔ اس دور میں تو اپنی زندگی کو بہتر بنالیا جائے یہی بڑا کارنامہ ہے۔ منور نے ان کے سارے تصورات چکنا چور کردیئے ہیں اگر ان کے خصوصی تعلقات اور حیثیت نہ ہوتی تو اس کی وجہ سے وہ بھی مصیبت کا شکار ہو گئے ہوتے۔

گھر آنے کے بعد وہ سست رفتاری سے اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ گئے۔ آج کل اس عمارت میں اداسیاں بکھری ہوئی تھیں۔ نوشاب عموماً اپنے کمرے میں رہتی تھی اور بیگم فیروز اپنے کمرے میں' فیروز صاحب کسی کو کیا بتاتے وہ بھی اپنے کمرے میں جاکر لباس تبدیل کرنے کے بعد لیٹ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اگر پولیس کے ہاتھ آگیا تو اس کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جائے گا۔

لیکن منور ان سے بھی تو مخلص نہیں تھا۔ اس نے تو کئی بار ان کی عزت لینے کی کوشش کی تھی۔ ہرگز نہیں۔ میں اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ وہ ایک مجرم ہے' ڈاکو ہے۔ اب وہ لوٹی جانے والی رقم کو کہاں خرچ کرتا ہے یہ اس کی مرضی ہے۔ اس کی گردن پھنسنے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ڈاکو ہے اور بڑی بڑی رقومات وصول کرچکا ہے۔

فیروزالدین صاحب سخت تلملاہٹ کا شکار تھے۔ ٹھیک ہے منور ان کی اولاد ہے لیکن وہ ایک مجرم ہے' کتنی پُرسکون زندگی تھی ان کی اور اب اس زندگی میں زہر ہی زہر گھل گیا ہے۔ اگر وہ میرے ہاتھ لگ گیا تو......... تو لعنت ہے مجھ پر اگر میں اس سے کوئی رعایت کروں۔ انہوں نے دانت پیسے اس شام وہ گھر والوں پر بھی برس پڑے۔

"یہ سوگ کس سلسلہ میں منایا جارہا ہے۔ چہرے کیوں بگڑے ہوئے ہیں۔ میں نے غلط کیا ہے لیکن وہ جو کچھ کرتا پھر رہا ہے اسے کون روک سکتا تھا۔ تم؟ یا تم؟" انہوں نے باری باری نوشاب اور بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی کچھ کہہ رہا ہے کیا؟" بیگم نے دبی زبان سے کہا۔

"کیا کہے گا کوئی، لیکن اب کسی کا پیار، کسی کی ممتا اسے نہیں بچاسکتی۔ صاحبزادے اس وقت ملک کے سب سے بڑے ڈاکو ہیں۔ بڑا نام پیدا کررہے ہیں۔ مبارک باد بیگم۔" فیرز صاحب طنزیہ انداز میں بولے اور بیگم فیروز الدین رونے لگیں۔ نوشاب خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھ کر واپس اپنی خواب گاہ میں چلے گئے۔ سب کے ذہن منتشر تھے۔

پھر رات ہوگئی۔ فیروز صاحب شدید بے چینی کا شکار تھے۔ نیند ہی نہیں آرہی تھی۔ کافی دیر تک وہ کروٹیں بدلتے رہے اور پھر سونے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اپنی خواب گاہ سے نکل آئے۔ انہوں نے سوچا کہ عقبی پارک میں چہل قدمی کریں ممکن ہے کچھ ذہنی سکون نصیب ہو۔

باہر جانے کے لئے نوشاب کے کمرے کے سامنے سے بھی گزرنا ہوتا تھا لیکن اندر آہستہ آہستہ باتیں کرنے کی آوازیں سن کر وہ چونک پڑے۔

ایک لمحے کے لئے بیٹی کے تقدس پر میل آیا لیکن دوسرے لمحے یہ تصور ایک سنسنی خیز خیال میں بدل گیا۔ کہیں۔ کہیں منور نہ ہو۔ دوسرے لمحے وہ دبے قدموں اس کمرے کے عقب کی طرف رینگ گئے۔ یہاں سے وہ کھڑکی کے ذریعے اندر کا منظر دیکھ سکتے تھے۔ دھڑکتے دل سے انہوں نے اندر جھانکا۔

ہلکا رنگین بلب روشن تھا۔ نوشاب مسہری پر پاؤں لٹکائے بیٹھی رو رہی تھی اور اس سے تھوڑے فاصلے پر ایک صوفے پر منور بیٹھا ہوا تھا۔ فیروز صاحب کے ذہن میں دھماکے ہونے لگے۔

ڈاکٹر منور۔ ان کا بیٹا۔ ان کا مستقبل۔ شہر کا نامی گرامی ڈاکو۔ ڈاکو منور۔ ان کے بدن میں چنگاریاں دوڑنے لگیں۔ منور نے ابھی ڈاکے ڈالے ہیں۔ اس کوشش میں کوئی اس کے ہاتھوں ہلاک نہیں ہوا لیکن وہ دن دور نہیں جب وہ قاتل بھی بن جائے گا تو پھر اس کے لئے بچنے کا کوئی چارہ نہ رہے گا۔ ممکن ہے اسے سزا ہوجائے اور جیل سے باہر آنے کے بعد وہ سدھر جائے اس لئے اسے اسی مرحلے پر روک لینا مناسب ہے۔ اگر وہ قاتل بن گیا تو پھر کوئی اس کی زندگی نہیں بچاسکے گا۔ ہاں۔ اس وقت فیروز صاحب کی دشمنی ہی اس کے لئے بہتر ہوگی۔ ان کی دشمنی ہی بہتر ہوگی۔

وہ وہاں سے ہٹ آئے۔ تیزی سے اپنے کمرے میں پہنچے اور پولیس کو فون کرنے لگے۔ ساری صورتِ حال بتا کر انہوں نے پولیس کو فوراً پہنچنے کے لئے کہا اور پھر ٹیلی فون رکھ کر دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ ان کے دل میں دکھن ہورہی تھی۔ آج وہ اپنے بیٹے کو گرفتار کرا رہے تھے۔ ایک ڈرامائی مثال پیش کررہے تھے لیکن اس وقت بھی وہ اس کے ساتھ بھلائی کررہے تھے۔

پولیس نے پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ فیروز صاحب اس کے منتظر تھے۔ وہ خود ہی رہنمائی کرنے لگے اور نوشاب کے کمرے کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا لیکن آہٹ ملتے ہی منور نے روشندان کی طرف چھلانگ لگائی چھت پر پہنچا۔ وہاں سے دوسرے کمرے کی چھتوں پر دوڑتا ہوا کوٹھی کے عقبی حصے کے پارک میں اتر گیا۔ چہار دیواری کے باہر ایک کار موجود تھی جسے اسٹارٹ کرکے وہ ہوا ہوگیا۔

پولیس نے اس کی یہ کارروائی دیکھی تھی اس کا پیچھا کیا تھا لیکن کار کے بارے میں اسے اندازہ نہیں تھا۔ منور کے تعاقب کے لئے تھوڑی سی تاخیر ہوگئی کیونکہ انہیں ایک فاصلہ طے کرنے کے بعد اپنی جیپ تک پہنچنا پڑا تھا۔

بہرحال بہت جلد وہ اس کے پیچھے لگ گئے لیکن کار بہت دور جاچکی تھی اور اس کی رفتار بے حد تیز تھی۔ پولیس والے جیپ کی رفتار بڑھاتے رہے۔ ان کی نگاہیں کار کی سرخ روشنیوں پر جمی ہوئی تھیں لیکن فاصلہ کم نہیں ہوتا نظر آرہا تھا۔

☆======☆======☆

منور کو یقین تھا کہ پولیس کو اطلاع فیروز صاحب نے ہی دی ہوگی لیکن اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ اس راستے پر نکلنے کے بعد تو پولیس سے اچھی خاصی یاد اللہ ہوجاتی ہے۔ کوئی اطلاع دے یا نہ دے پولیس تو بو سونگھتی ہی پھرے گی۔ مجرموں کا پولیس والوں سے زیادہ کوئی رشتے دار نہیں ہوتا بیچارے ہر اس جگہ پہنچ جاتے ہیں جہاں ملاقات کی امید ہوتی ہے لیکن بہرحال اس کے لئے پہلا موقع تھا کہ پولیس اس سے اتنی قریب پہنچی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ پولیس اس کا نشان پالے۔ اسے بھٹکانا ضروری تھا۔ چنانچہ اس نے رفتار اور بڑھا دی۔ شہر کے اندر برق رفتاری کسی حادثے کا سبب بن سکتی تھی۔ اس لئے وہ شہر سے باہر دوڑ پڑا اور ذرا سی دیر میں پولیس جیپ کا فاصلہ بہت زیادہ بڑھ گیا لیکن بہرحال وہ پیچھے لگی ہوئی تھی۔

منور کی آنکھوں میں ایک شوخ چمک تھی۔ اس کے انداز میں خوف کا شائبہ بھی نہیں تھا لیکن بہرحال وہ پولیس کی گرفت میں بھی نہیں آنا چاہتا تھا۔ نہ جانے وہ شہر سے کتنی دور نکل آئے۔ تب ایک عمدہ موڑ پر منور نے کار کی رفتار ہلکی کردی۔ سامنے ہی درخت نظر آرہے تھے۔ اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر ایک فیصلہ کرلیا۔ کار کی رفتار بالکل ہلکی کرکے اس نے اسے سیکنڈ گیئر میں ڈال دیا کلچ دبائے رکھا تھا اور پھر نیچے بچھی ہوئی سیٹ سرکا کر ایکسیلیٹر میں پھنسائی اس طرح ریس بہت تیز ہوگئی تھی۔ آخری کام نہایت پھرتی اور مہارت سے کرنا تھا۔ دروازہ کھول کر اس نے اپنے بدن کو باہر کھسکایا صرف کلچ پر پاؤں کو ایسے رہنے دیا تھا اور پھر اچانک اس نے کلچ پر سے پاؤں ہٹالیا۔ کار نے جمپ لگائی تھی۔ ایکسیلیٹر سیٹ میں پھنسے ہونے کی وجہ سے کام کررہا تھا۔ چنانچہ کار پوری قوت سے ایک تناور درخت سے ٹکرائی۔

منور نیچے گرا تھا لیکن پوری طرح محفوظ تھا۔ اس نے ایک طرف دوڑ لگادی۔ اب وہ کار سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ پیروں میں موٹے کریپ سول کے جوتے تھے جو اسے دوڑنے میں مدد دے رہے تھے۔ وہ ایک جھیل کے کنارے پہنچ گیا۔ نہ جانے وہ شہر سے کتنی دور اور کون سے علاقے میں تھا۔ یہ مشکل ابھی درپیش تھی کیونکہ دس سال ملک سے باہر گزارنے کی وجہ سے وہ ان علاقوں سے ناواقف تھا۔ یہاں تک کہ اس نے چاروں طرف دیکھا اور اچانک ہی اس کی نگاہ تاریکی میں ڈوبی اس عمارت پر پڑگئی۔ عظیم الشان عمارت۔

شہر سے دور کیا وہ اس کی پوشیدہ پناہ گاہ نہیں بن سکتی؟ اس نے سوچا۔ کوئی رہائشی عمارت تو ہو نہیں سکتی۔ جو کچھ بھی ہے دیکھا جائے۔ اسے یوں بھی کسی عمدہ جگہ کی تلاش تھی۔ ایسی جگہ کی جو دوسروں کی نگاہوں سے دور ہو۔ وہ عمارت کی طرف چل پڑا۔ ایک دیوار دور تک کھنچی ہوئی تھی۔ زیادہ اونچی نہیں تھی اس لئے منور کے لئے دروازہ ہی تھی یوں بھی اسے دروازے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ دیوار کے نزدیک پہنچ گیا۔ پھر اس نے دیوار پر ہاتھ رکھا اور اچانک اس کے پورے بدن کو ایک زبردست جھٹکا لگا۔

منور گر پڑا تھا۔ اس نے حیرت سے اس دیوار کو دیکھا۔ نیچے گرنے کے بعد ہی وہ تحریر اسے نظر آئی تھی۔ تاریکی کے باوجود وہ تھوڑی بہت نظر آرہی تھی۔

"عمارت میں داخلے کی کوشش آپ کے لئے خطرناک ثابت ہوگی۔ دیواروں میں کرنٹ ہے اگر خلاف ورزی کی کوشش میں آپ کو نقصان پہنچا تو اس کے ذمے دار آپ خود ہوں گے۔"

"بہت خوب۔" وہ اٹھ کر ہاتھ جھاڑتا ہوا بولا۔ "ٹھیک ہے بھائی ہم خود ذمے دار ہوں گے لیکن معاملہ کیا ہے۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ دور تک چلا گیا۔ یہ تحریر اسے جگہ جگہ نظر آئی تھی۔ وہ اس دیوار کو بغور دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ایک جگہ کا انتخاب کرلیا۔ یہاں دیوار تک آنے کے لئے تھوڑی سی دوڑ لگانے کا موقع بھی مل سکتا تھا۔

پھر اس نے سنبھل کر موٹے کریپ سول جوتے کو دیوار سے لگا کر دیکھا۔ ربر نے کرنٹ اس کے پاؤں تک نہیں پہنچنے دیا تھا۔ تب اس نے گردن ہلائی پھر وہ تیار ہوگیا۔ دیوار سے کافی دور پہنچ کر اس نے دیوار کی طرف دوڑ لگائی۔ اس کے قریب پہنچ کر اچھلا اور دیوار سے ایک فٹ اونچا جمپ لیا۔ وزن سنبھالنے کے لئے اس نے صرف ایک لمحے کے لئے دیوار کے اوپر جوتے ٹکائے اور دوسرے لمحے نیچے گر گیا۔ جوتوں نے اس کی بھرپور مدد کی تھی۔

عمارت کو اندر سے دیکھ کر اس نے تعریفی انداز میں سر ہلایا تھا۔ عمارت کے مکین نے یہ عمارت شہر سے اتنی دور بنائی تھی ظاہر ہے چوروں اور ڈاکوؤں کے خطرے کو بھی پیشِ نظر رکھنا پڑا ہوگا اسی لئے دیواروں میں کرنٹ ہونا تو ضروری ہے لیکن اگر دیواریں تھوڑی سی اونچی اور ہوتیں تو عمارت زیادہ محفوظ ہوجاتی۔ بہرحال اس موٹی آسامی سے موٹا چندہ وصول کرنے کے لئے میں اسے دیواریں اونچی کرانے کا مشورہ ضرور دوں گا۔ اس نے سوچا اور آگے بڑھ گیا۔ پہلے اس عمارت کا جائزہ لینا چاہئے اور عمارت کے سامنے کے رخ سے داخلے کی کوشش اسے قطعی پسند نہیں تھی۔ بے مقصد خطرات مول لینا حماقت کی نشانی ہے۔ چنانچہ وہ کوٹھی کے عقبی حصے کی طرف چل پڑا۔ باقی عمارت محفوظ تھی۔ مکین دیواروں میں کرنٹ چھوڑ کر مطمئن ہوگیا تھا۔ چنانچہ وہ اندر داخل ہوگیا۔ روشن راہداریاں سنسان پڑی تھیں لیکن ایک راہداری کے دوسری طرف گھومتے ہوئے اسے رک جانا پڑا۔ قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ اس نے جھانک کر دیکھا اور اس کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ ان ہونی

تھی۔ دو گوریلے اطمینان سے راہداری کے دوسرے سرے کی طرف جا رہے تھے۔ انداز چہل قدمی کا سا تھا لیکن گوریلے.......... بلا شبہ وہ گوریلے ہی تھے۔ سیاہ رنگ کے بال ان کے پورے بدن پر نظر آ رہے تھے۔ قد بھی ساڑھے تین یا چار فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔

پُراسرار عمارت تھی۔ گوریلوں کی آزادانہ چہل قدمی اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ بہرحال وہ دوسری راہداری میں گھوم گئے اور منور بھی اس طرف بڑھ گیا۔ گوریلے اس دوسری راہداری کے اختتام پر ایک دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے پھر وہ پلٹے اور منور چونک پڑا۔ اس وقت وہ ان کے بالکل سامنے تھا اور وہ اسے دیکھ سکتے تھے۔ اس نے واپس چھلانگ لگائی اور گوریلوں نے اسے دیکھ لیا۔ دوسرے لمحے ان کے منہ سے ہلکی ہلکی آوازیں نکلیں اور پھر منور ان کے تیز تیز چلنے کی آوازیں سننے لگا۔ وہ اسی طرف آ رہے تھے۔ اب کیا کیا جائے؟ اس نے سوچا اور وہ راہداریوں میں دوڑنے لگا راہداریوں کا جال سا پھیلا ہوا تھا۔

ایک راہداری کی دیوار کے نزدیک کھڑا ہو کر وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اسے پشت پر سرسراہٹ محسوس ہوئی اور وہ چونک کر پلٹا۔ دیوار سرک رہی تھی اور اس میں ایک دروازہ نمودار ہو گیا۔ یہ خود کار دروازہ تھا جو انسانی سائے سے کھل جاتا ہے۔ منور نے اسے تائید غیبی سمجھا اور دوسرے لمحے وہ غڑاپ سے اندر تھا۔

دیوار برابر ہو گئی لیکن اندر کے مناظر منور کے لئے ایک حیرت انگیز تھے۔ اپنے پسندیدہ اور غریب ملک میں وہ ایسی جدید ترین سائنسی لیبارٹری کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یقیناً یہ کسی سائنس دان کی تجربہ گاہ اور رہائش گاہ تھی لیکن بندر.......... اور اس کے ساتھ ہی وہ اچھل پڑا۔ اگر انہوں نے اسے دیکھ لیا ہے تو وہ یہاں تک ضرور آئیں گے۔

کوئی چھپنے کی جگہ۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ دیو ہیکل مشینیں چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں وہ آگے بڑھ گیا اور پھر اچانک اسے دیوار سرکنے کی سرسراہٹ سنائی دی۔ وہ کسی قدر بوکھلا گیا۔ بندر آ گئے تھے۔ اس نے ایک دیو ہیکل مشین کو ٹٹولا اور اس کا فریج کے دروازے جیسا ڈھکن کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اس نے ڈھکن بند کر کے سانس روک لیا۔ تھوڑی دیر گزارنا پڑے گی لیکن بندر۔ کیا وہ بھی کوئی سائنسی

شاہکار تھے۔ ممکن ہے لیکن اس نے اپنے وطن کے کسی ایسے سائنس دان کا کوئی تذکرہ پہلے نہیں سنا تھا۔

بہرحال کوئی بھی ہو۔ بڑی شے معلوم ہوتی ہے اور اگر اسے اس کی لیبارٹری تباہ کرنے کی دھمکی دی جائے تو کافی بڑی رقم حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ نہ جانے وہ کمبخت گوریلوں کی اولادیں گئی یا نہیں۔ سانس روکے رکھنا اب مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے ایک دم سانس چھوڑ دیا لیکن اسے محسوس ہوا کہ اندر آکسیجن موجود ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے باہر کی فضا ہو۔ اس کے علاوہ یہ فریج نما مشین فریج کی طرح تنگ نہیں تھی بلکہ اندر سے کافی کشادہ تھی۔ وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ واہ' یہ تو عمدہ جگہ ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی کہ تھوڑی سی درز پیدا کر کے جھانکا تو جائے۔ وہ ہیں یا واپس چلے گئے لیکن دروازہ.......... دروازہ تو ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے چونک کر آنکھیں پھاڑ دیں اور پھر اس کے بدن میں ہلکی سی سنسنی دوڑ گئی۔ دروازہ صرف باہر سے کھلتا تھا۔ اندر سے اسے کھولنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

☆======☆======☆

آسمان صاف تھا اور سرخ نقطہ سیاہ کائنات کے تنہا مسافر کی مانند بھٹک رہا تھا۔ گیتی کی نگاہوں میں خاموشی تھی وہ اس خاموش کہکشاں کو تک رہی تھی۔ ذہن میں عجیب خیالات آ رہے تھے۔ کیا یہ نقطہ اس کی ذلت کا عکس نہیں ہے۔ زمین کی کثیف فضاء میں بھٹکنے والی۔ جس کی زندگی صرف ایک محور پر بھٹک رہی ہے کوئی تبدیلی نہیں کوئی نیا پن نہیں۔ اس نے تھکے تھکے انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔

لیکن ذہن یکسو ہوا تو وہ آواز اس کے کانوں میں ابھر آئی۔ سامنے کی گول میز پر ایک بلب اسپارک کر رہا تھا اور ٹک ٹک کی باریک آوازیں ابھر رہی تھیں۔ وہ اچھل پڑی۔ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس بلب کی طرف دیکھنے لگی۔ اس آواز کو سننے لگی اور پھر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے کرسی سے کھڑی ہو کر اس چھوٹے ریفریجریٹر نما بکس کو دیکھا جس کا تعلق کہکشاں میں سیاروں کی چھان بین کرنے والے سرخ نقطے سے تھا اور پھر جلدی سے مشین پر لگے ہوئے بٹن کو دبا دیا۔

"جنرل۔ جنرل!" اس کی آواز جوش سے کپکپا رہی تھی۔ دوسری طرف سے جنرل ٹابو کی آواز سنائی دی۔

"کیا بات ہے۔ گیتی۔ خیریت' تمہاری آواز میں کچھ تبدیلی محسوس ہو رہی ہے؟"

"جنرل۔ جلدی آئیں۔ براہ کرم جلدی آئیں۔ ریسیور پر اشارے موصول ہو رہے ہیں۔"

"سچ!" جنرل کی آواز چیخ کے انداز میں ابھری تھی۔

"ہری اپ جنرل۔ ہری اپ۔" گیتی نے کہا اور اس کے بعد دوسری طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔ ہاں چند ساعت کے بعد تجربے گاہ کا دروازہ کھلا اور جنرل ٹابو بے حال دوڑتا ہوا اس کے نزدیک پہنچ گیا!

"کیا۔ کیا تم سچ کہہ رہی ہو گیتی!" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ جنرل دیکھو۔" اس نے بلب کی طرف اشارہ کیا اور جنرل گول مشین کو دیکھنے لگا۔ دونوں کے چہرے انگارے کی طرح دہک رہے تھے۔

"اوہ' کاش' کاش یہ اشارے حقیقی ہوں۔ آؤ۔ میرے ساتھ آؤ گیتی۔ کہیں مجھے شادیِ مرگ نہ ہو جائے۔ آؤ گیتی پلیز۔" جنرل ٹابو کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ گیتی سہارا دے کر اسے ریسیور کے نزدیک لے گئی۔

"کھولو۔ گیتی اسے کھولو۔ اس میں میری پوری زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہے۔ اگر.......... اگر یہ اشارے جھوٹے ہوئے تو.......... تو میں برداشت نہیں کر سکتا گیتی۔ میری کیا کیفیت ہو گی۔ اسے کھولو گیتی۔ اسے کھولو۔" جنرل کی آواز بیٹھی جا رہی تھی۔

گیتی نے دھڑکتے دل کے ساتھ فریج نما مشین کا ڈھکن کھولا۔ اور۔ وہ اندر موجود تھا۔ عجیب سے انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ خلائی انسان۔ جنرل ٹابو کا بدن بری طرح کپکپا رہا تھا۔ گیتی بھی سحرزدہ سے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اور وہ سہمے ہوئے انداز میں ان دونوں کو!

"آہ۔ اوہ گیتی ہم کامیاب ہو گئے۔ ہم کامیاب ہو گئے۔" جنرل ٹابو نے بمشکل کہا۔

"ہاں۔ ہاں جنرل.......... یہ.......... یہ.........."

"وہی ہے بالکل وہی ہے۔ کیا تمہیں کوئی شک ہے۔ گیتی میری صدیوں کی آرزو پوری ہو گئی ہے اب میں دنیا کا' اس دنیا کا سب سے بڑا محقق ہوں' کون ہے جو میری ہم عصری کا دعویٰ کر سکے؟ میں نے اربوں روپے خرچ کر کے بڑے بڑے تحقیقاتی مراکز قائم کرنے والوں کو نیچا کر دکھایا ہے۔ ہاں گیتی اب وہ میری برابری کے دعوے نہیں کر سکتے۔"

"جنرل۔ جنرل۔ اس کی طرف توجہ دیں۔ کہیں وہ ہمارے لئے خطرناک نہ ہو۔"

"کچھ بھی ہو جائے۔ اب تو کچھ بھی ہو جائے گیتی۔ تم میری کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔"

"جنرل پلیز۔ خود کو سنبھالیں۔" حسین لڑکی نے مدقوق سے بوڑھے کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا اور بوڑھا بے ہوش ہو جانے والے انداز میں لہرانے لگا۔

منور نے سہمی ہوئی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔ اس کے خیال میں صورتِ حال کافی خراب ہو گئی تھی۔ پیچھے پولیس تھی اور یہاں وہ مشینی قید خانے میں پھنس گیا تھا۔ اس قید خانے سے نکلنے کی اس نے ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا تھا اور اب دروازہ کھلا تھا تو یہ دونوں سامنے تھے۔ اس نے بغور ان دونوں کو دیکھا۔ لڑکی کی سحرانگیز شخصیت سے وہ کافی متاثر ہوا لیکن بوڑھے کی شخصیت کافی مضحکہ خیز تھی۔ وہ منور کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لڑکی بھی حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"گیتی مجھے سہارا دو گیتی۔ میرے پاؤں لڑکھڑا رہے ہیں۔ آہ میں اپنی اس عظیم کامیابی پر شادیِ مرگ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔"

"خود کو سنبھالو جنرل۔ ابھی تو ہمیں اسے ہینڈل کرنا ہے لیکن تعجب ہے کیا سیاروں کا رہن سہن بھی زمین کے انسانوں جیسا ہے۔ اس کا لباس' اس کی شکل وصورت' اس میں اور زمین کے بسنے والوں میں ذرا بھی تو فرق نہیں ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"آہ گیتی۔ میری برسوں کی محنت بار آور ہوئی ہے۔ وہ جو کچھ ہے اس پر بعد میں

غور کریں گے۔ پہلے اسے یہاں سے نکالو۔ نہ جانے وہ ہماری زبان سمجھتا بھی ہے یا نہیں۔"

منور کا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔ یا تو وہ دونوں پاگل تھے یا کسی غلط فہمی کا شکار۔ ان کی باتوں سے ایک اندازہ ضرور ہوتا تھا وہ یہ کہ وہ دونوں اسے کسی سیارے کا باشندہ سمجھ رہے تھے۔ یہ وسیع تجربے گاہ۔ کیا وہ لوگ کسی خاص تجربے میں مصروف تھے اور اسے دیکھ کر وہ یہی سوچ رہے ہیں کہ یہ ان کے تجربے کی کامیابی ہے۔
اگر ایسا ہے تو کیوں نہ اس وقت ان کی غلط فہمی سے فائدہ اٹھایا جائے۔ وقتی طور پر تو وہ محفوظ ہو جائے گا۔ اور منور نے فیصلہ کیا کہ ایسا ہی کرے گا۔ نفع نقصان بعد میں دیکھا جائے گا۔ چنانچہ وہ تیار ہو گیا تب خوبصورت لڑکی جھکی اور اس نے حسین آواز میں کہا۔

"سیاروں کے مہمان۔ باہر آؤ۔ ہم تمہیں اپنی زمین پر خوش آمدید کہتے ہیں۔"
لیکن منور نے اپنے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی جیسے اس کے الفاظ سنے ہی نہ ہوں۔ تب اس نے دوبارہ لڑکی کی آواز سنی۔ "آہ جنرل۔ وہ ہماری زبان نہیں سمجھ سکا۔"

"نہیں سمجھ سکتا۔" جنرل کی آواز سے مسرت ٹپک رہی تھی۔ "کیسے سمجھ سکتا ہے۔ جبکہ اس زمین کے رہنے والے بھی مختلف زبانیں بولتے اور سمجھتے ہیں تو وہ تو اس زمین سے دور کی مخلوق ہے۔"
"پھر کیا کریں جنرل؟"
"تم کیا سمجھتی ہو۔ یہ خیال جنرل ٹابو کے ذہن سے دور ہو گا۔ میں نے اس کے لئے بھی تیاریاں کی ہیں۔ تم رکو۔ میں بھی آتا ہوں۔" بوڑھا واپس مڑ گیا۔ لڑکی اس مشین سے تھوڑی دور ہٹ گئی۔ وہ اس طرح مستعد نظر آ رہی تھی جیسے اس کی ذرا سی حرکت پر دروازے کی طرف چھلانگ لگا دے گی۔ گویا وہ اس سے خوفزدہ تھی۔
وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص واپس آ گیا جسے لڑکی جنرل کہہ کر مخاطب کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک عجیب چوکور بکس تھا۔ جسے اس نے ایک فولڈنگ اسٹینڈ پر نصب کر لیا اور پھر بکس کا بٹن آن کر دیا۔ روشنی کی ایک کرن منور کی پیشانی سے ٹکرائی اور منور کو ایک عجیب سی ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ اسے اپنا ذہن کھلتا

ہوا سا محسوس ہوا تھا اور پھر بوڑھے کی آواز سنائی دی۔
"خلا کے مہمان کرۂ زمین کا جنرل ٹابو تمہیں خوش آمدید کہتا ہے۔"
"زمین۔" منور کے منہ سے نکلا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس چوکور بکس کے ذریعے اس سے گفتگو کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ چنانچہ اب اس نے بھی خاموش رہنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔
"ہاں۔ ہاں۔ وہ کرۂ زمین جس کے بارے میں ممکن ہے تمہاری معلومات محدود ہوں لیکن دیکھ لو ہم تمہاری طرح ہیں۔ بالکل تمہارے جیسے۔"
"آہ۔ تو گویا میں اپنے سلارو پر نہیں ہوں۔" منور نے سسکی لے کر کہا۔
"سلارو.......... سلارو.......... تو کیا تم سلارو کے باشندے ہو؟" بوڑھے کی آواز خوشی سے لرز رہی تھی۔
"ہاں۔ میرا چھوٹا سا سیارہ 'سلارو' ہی کہلاتا ہے۔"
"میرے عظیم مہمان۔ اس مشین سے باہر آؤ اور ذرا بھی فکر مت کرو۔ تم اپنے دوستوں کے درمیان ہو۔ تمہیں یہاں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ہم لوگ تمہیں بے پناہ عزت و تکریم دیں گے۔" بوڑھے نے کہا۔
"مجھے دھوکہ تو نہیں دیا جا رہا؟"
"ہرگز نہیں میرے دوست! تم تو ہماری آرزوؤں کے چراغ ہو۔ آؤ باہر نکل آؤ۔ آ جاؤ۔" بوڑھا پچکارنے والے انداز میں بولا اور منور سہما سہما سا باہر نکل آیا۔ وہ بڑی خوبصورت اداکاری کر رہا تھا۔ پھر اس نے حیرت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور اس کے منہ سے آواز نکلی۔
"یہ تمہاری چونگ ہے؟"
"چونگ؟" بوڑھے نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اور منور چند ساعت اسے کھوئی کھوئی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ دفعتاً بوڑھے کو ہی خیال آیا اور اس نے جلدی سے چوکور بکس کی ڈائریکشن بدل دی اور شعاع پھر منور پر پڑنے لگی۔ "ہاں لیبارٹری۔ تجربے گاہ!" منور بولا۔
"ہاں۔ یہ میری تجربہ گاہ ہے۔"
"اوہ۔ جنرل کیا یہ شعاع ذہنوں سے آشنائی کرتی ہے؟" گیتی نے درمیان میں

دخل دیا۔

"کرلوں گا۔ میں سب ٹھیک کرلوں گا۔ تمہیں اس کی تھیوری پھر بتادوں گا۔" بوڑھے نے کہا اور پھر ایک دوسرے آلے کو منور کے بدن کے گرد گھمانے لگا۔ پھر مسرت آمیز لہجے میں چیخا۔ "سب کچھ انسانی خصوصیات کے مطابق۔ اس کے اندر الیکٹرون بھی نہیں ہیں۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں دوسرے کمرے میں لے چلوں۔"

"جنرل ٹابو۔ میرا خیال ہے پہلے آپ انہیں پوری طرح چیک کرلیں۔ قرنطینہ کا بندوبست تو آپ کے پاس۔" گیتی نے کہا۔

"گدھے کی اولاد ہے جنرل ٹابو۔ کیوں؟ ان باتوں کو نہیں سوچ سکتا۔ کیوں؟" بوڑھے نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا لیکن لڑکی نے دونوں شانے ہلادیئے۔ اس نے ٹابو کی بات کا ذرا بھی برا نہیں منایا تھا۔

منور نے دل ہی دل میں ان عجیب وغریب لوگوں کے بارے میں سوچ لیا تھا۔ عمارت کو دیکھ کر اس نے ان کی بے اندازہ دولت کا بخوبی اندازہ کرلیا تھا لیکن وہ کون ہیں اور ان کی ذہنی حالت کیا ہے اس کا فوری اندازہ مشکل تھا لیکن اسے کوئی الجھن بھی نہیں تھی۔ وہ جو کچھ بھی ہیں دلچسپ بھی ہیں اور دلکش بھی اور ان کا قرب یقینی طور پر منافع بخش ہوگا۔ چنانچہ وہ سب کچھ انہی کی مرضی کے مطابق کرنا چاہتا تھا۔

جنرل ٹابو اسے لے کر لیبارٹری کے دوسرے حصے میں پہنچ گیا۔ یہاں اسے شیشے کے ایک کیبن میں بند کردیا گیا۔ وہ دونوں باہر ہی رہ گئے تھے کیبن میں آکسیجن کا معقول بندوبست تھا ایک آرام دہ نشست پر منور آرام سے بیٹھ گیا اور پھر جنرل ٹابو اس سے دور ایک مشین کے پاس چلا گیا۔ منور اس کیبن کے اندر سے بھی ان کی آوازیں بخوبی سن رہا تھا۔

وہ دونوں اسی کے بارے میں گفتگو کررہے تھے۔ بوڑھا بند مشین کا جائزہ لے رہا تھا اور اس کی حسرت بھری آوازیں ابھر رہی تھیں۔ "باکس ٹھیک۔ درجہ حرارت زمین کے انسان کے مطابق۔ سانسوں کی رفتار یکساں' بدن ہر قسم کی شعاعوں سے پاک۔ سو فیصد انسان مکمل انسان۔ اس کی حرکات و سکنات بھی انسانوں کی مانند ہیں۔"

"سلارو کا مہمان ہماری معلومات میں بے پناہ اضافہ کرے گا۔ ہم دنیا کے ایک عظیم تجربے سے دوچار ہوئے ہیں گیتی۔" جنرل نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں جنرل لیکن۔ کیا فائدہ؟" گیتی بولی۔

"کیا مطلب ہے یعنی کیا مطلب؟" جنرل آنکھیں نکال کر بولا۔

"یہ تجربہ اس چہاردیواری میں محفوظ رہے گا۔ سلارو کے اس باشندے کی کہانی ہم دونوں کے علاوہ اور کون جان سکے گا جنرل!" گیتی بولی۔

"کسے جنوانا چاہتی ہو؟" جنرل نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"دنیا آپ کے اس عظیم کارنامے کے بارے میں کیا جان سکے گی جنرل!""

"پھر تم نے اس دنیا کی بات کی۔ مکروفریب کی اس دنیا کو اپنے کارنامے بتانے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ ہم اپنے لئے زندہ ہیں گیتی۔ سمجھیں۔ ہر ایک کے لئے نہیں۔"

"سمجھ گئی جنرل۔"

"اگر سلارو کی فضا ہماری اس زمین کے درمیان ہے تو ممکن ہے ہم وہیں جاکر آباد ہوجائیں کیا رکھا ہے اس دنیا میں۔"

"ضرور جنرل۔ ضرور۔" گیتی بیزاری سے بولی اور پھر چونک کر کہنے لگی۔ "لیکن کیا ہم اس سے صرف مشینی ذریعہ سے ہی بات کرسکیں گے جنرل؟"

"اوہ۔ نہیں گیتی میری جان۔ میں شعاعی ذریعہ سے اسے اپنی زبان سکھا دوں گا۔ فی الحال میں اس کے ذہن میں شعاعی ذخیرہ کردوں گا۔ یہ ذخیرہ بارہ گھنٹے تک چل سکتا ہے اور یہ اس کے ذہن کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس طرح ہم اسے بولنے کے قابل بناتے رہیں گے۔"

"یہ عمدہ ترکیب ہے۔ اس طرح تو ایک دن وہ ہماری زبان بھی سمجھ جائے گا۔"

"سو فیصدی۔ اوہ میں کتنا خوش ہوں۔ میں کتنا مسرور ہوں گیتی۔ تم اندازہ نہیں لگاسکتیں۔ میری برسوں کی آرزو پوری ہوئی ہے۔ آؤ وہ باکس ٹھیک ٹھاک ہے۔ اب اسے نکال لیں اور اس کی ضروریات کے بارے میں معلوم کریں۔"

"آیئے۔" گیتی بولی اور وہ دونوں واپس پلٹ آئے۔

"ویسے آپ نے کچھ اور محسوس کیا جنرل۔"

"کیا؟" جنرل نے پوچھا۔

"اس کے خدوخال میں آفاقیت ہے۔ زمین کے لوگوں میں حسن بہت ہے لیکن اس حسن میں یہ پاکیزگی نہیں ہوتی۔ اس کے حلیم چہرے میں بلا کی معصومیت ہے۔"

"ہاں۔ تمہارا اندازہ درست ہے۔" بوڑھے نے کہا اور پھر منور کے قریب پہنچ گیا۔ "آؤ میرے دوست میرے پیارے ساتھی۔ ہم تمہاری خدمت کرنے کے خواہش مند ہیں آؤ۔ آجاؤ۔" اس نے دروازہ کھول لیا اور منور باہر نکل آیا۔ اس نے اپنا چہرہ' بالکل سپاٹ رکھا تھا۔

بوڑھا اس بار اسے ایک حسین خواب گاہ میں لے گیا تھا جس کا ماحول بے حد حسین تھا۔ خواب گاہ کی ایک خوبصورت نشست پر اس سے بیٹھنے کی درخواست کی گئی۔ چوکور بکس اس کے سامنے رکھ دیا اور اس بار اس نے کوئی اور عمل کیا تھا چنانچہ چوکور بکس سے اس بار روشنی کی تین شعاعیں بیک وقت نکلیں اور ایک چکر کی شکل اختیار کر گئیں۔

منور کو بڑا سرور محسوس ہو رہا تھا یہ شعاعیں ذہنی بوجھ کو دور کر دیتی تھیں اور بڑے سکون کا احساس ہوتا تھا۔ پانچ منٹ تک یہ عمل جاری رہا پھر بوڑھے نے مشین بند کر دی اور مسکراتا ہوا بولا۔

"اب تم کئی گھنٹے تک کسی پریشانی کے بغیر مجھ سے گفتگو کر سکتے ہو۔"

"ہاں۔ تمہارے الفاظ بہ آسانی میری سمجھ میں آرہے ہیں۔"

"اور تمہاری زبان لکھنؤ کے کسی اہلِ زبان کی مانند ہے کیوں گیتی کیا خیال ہے؟"

"بالکل جنرل۔"

"کیا تم کسی قسم کی تھکن محسوس کر رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"خوراک کی ضرورت؟"

"نہیں۔ ہاں پینے کو کچھ مل جائے تو۔"

"گیتی۔ کچھ انتظام کرو۔"

"شراب جنرل؟" گیتی نے پوچھا اور منور کے اوسان خطا ہونے لگے۔

"نہیں۔ ابھی ہم اسے الکحل نہیں دے سکتے۔ تم عمدہ سی کافی بنوالو۔" جنرل نے

جواب دیا اور گیتی اٹھ کر ایک دیوار کے قریب پہنچ گئی۔ پھر اس نے دیوار میں لگا ایک بٹن دبایا اور بولی۔

"نائن۔ کافی بنا کر لے آؤ۔ بہت عمدہ ہونی چاہئے۔" اور پھر وہ بٹن آف کر کے واپس آگئی۔

"اگر تم آرام کی ضرورت نہیں محسوس کر رہے ہو تو ہم تم سے تمہارے بارے میں سوالات کریں گے۔ تمہارے ذہن میں بھی اگر کوئی سوال پیدا ہو تو بے تکلف پوچھو۔"

"ہاں ہاں۔ ضرور۔" منور نے پُراخلاق لہجے میں کہا اور پھر جنرل سے سوال کر دیا۔

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمہاری زمین کا طرزِ زندگی کیا ہے؟ تمہارا مقصدِ حیات کیا ہے؟ تم لوگ کیوں زندہ رہتے ہو اور تمہاری زندگی میں خوشی اور غم کا کیا تاثر ہے؟"

"ہماری دنیا کا نظام انسانیت کے زرّیں اصولوں پر مبنی ہے لیکن یہاں کے بسنے والے انسانیت سے بہت دور جا چکے ہیں اور ہر شخص ضرورت محسوس کر رہا ہے ایک انقلاب کی' ایسا انقلاب جو انسان کے اس ذہنی ناسور کو ختم کر دے جس کی بنیاد پر وہ ایک دوسرے سے نفرت کا شکار ہو گیا ہے۔ یہاں کے لوگ ایک دوسرے سے بے انتہا نفرت کرتے ہیں۔ انسان قتل کرنے کے لئے ہتھیار ایجاد کئے جاتے ہیں ایک انسان ہر قیمت پر دوسرے انسان پر برتری حاصل کرنے کا خواہش مند رہتا ہے۔ میرے دوست تم جہاں سے بھی آئے ہو میں نہیں جانتا کہ تمہارا نظام حیات کیا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اس دنیا سے بہتر ہوگا۔ یہ دنیا رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ چنانچہ میں تمہاری تلاش میں سرگرداں تھا میں چاہتا تھا کہ میں خود کسی اجنبی سیارے پر چلا جاؤں تاکہ دنیا کے ان لوگوں سے نجات مل جائے۔"

"تم میری تلاش میں سرگرداں تھے؟" منور نے تعجب کا اظہار کیا۔

"واہ۔ اب تم پوری طرح ہموار ہو رہے ہو۔ تمہارے چہرے سے تمہارے تاثرات کا پتا چلتا ہے۔ ہاں میں تمہاری تلاش میں سرگرداں تھا۔ کیا تمہارے سیارے میں سائنس کا وجود ہے؟"

"ہاں میرے سیارے پر تحقیقِ کائنات کے شعبے ہیں۔" منور نے جواب دیا۔

"تب ٹھیک ہے۔ تم سائنس سے واقف ہو گے۔ تو یوں سمجھو میں بھی سائنس دان ہوں اور اپنی زمین پر سائنسی تجربات کرتا رہتا ہوں لیکن مجھے زمین کے بسنے والوں سے اختلاف ہے۔ یہاں صاحبِ اقتدار اپنے مفاد کی بات سوچتے ہیں کوئی کسی کے لئے کچھ نہیں کرتا اور کچھ کرنے کے کسی جذبے کی پذیرائی بھی نہیں ہوتی۔ اگر تم کسی کو کچھ دو گے تو دوسرے تمہارا برا حال کردیں گے تمہارے خلاف سازشیں ہوں گی اور آخر کار تمہارے اس جذبے کو فنا کردیا جائے گا۔ اس لئے میں نے اس دنیا کے لئے کچھ کرنے کا تصور ہی چھوڑ دیا اور صرف اپنے لئے سوچا۔ میں کسی دوسرے سیارے کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کا شوق رکھتا ہوں اور میں نے انتہائی کوشش کرکے آخر کار خلا میں ایک ایسا سیارہ پہنچا دیا جو کسی سیارے کے باشندے کو تلاش کرلے۔ اس سیارے کے ذریعے خلائی باشندے کی گرفتاری بھی عمل میں آسکتی تھی۔ میں اس سے ربط و ضبط قائم کرکے اس کے سیارے کے بارے میں معلومات چاہتا تھا تاکہ وہاں آباد ہوجاؤں اور کچھ کرنے کی حسرت پوری کرسکوں۔ میرے دوست' میرے سیارے کی محافظ شعاعوں نے تمہیں قید کرکے اس ریسیور میں منتقل کردیا لیکن تم میری نیت کے بارے میں جان لو۔ اس میں کوئی کھوٹ نہیں تھی۔"

منور نے متحرانہ انداز میں یہ کہانی سنی۔ اس کے ذہن میں پھلجھڑیاں پھوٹ رہی تھیں اور پھر وہ ایک فیصلہ کرنے میں کامیاب ہوگیا اور طویل سانس لے کر بولا۔

"سلارو کی زمین تمہیں خوش آمدید کہے گی دوست' لیکن تم وہاں تک کس طرح پہنچو گے؟"

"تم سے تفصیلات معلوم کرکے میں وہاں جانے کی تیاریاں کروں گا۔"

"تب میں تمہارے ساتھ ہر ممکن تعاون کے لئے تیار ہوں۔" منور نے کہا اور جنرل کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ دیر تک وہ اپنی مسرت کا اظہار کرتا رہا پھر بولا۔

"ہاں اب تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"پوچھو۔" منور سنجیدگی سے بولا۔

"تمہارے سیارے کی آبادی کتنی ہے؟"

"میں تمہاری زمین کے اعداد و شمار نہیں جانتا۔ ہمارے اندازے کے مطابق تقریباً دس لاکھ افراد وہاں آباد ہیں۔"

"خوب۔ زمین کی آبادی اربوں ہے۔ کیا تم مکانات بنا کر رہتے ہو؟"

"ہاں۔" منور نے جواب دیا۔

"کیا ان مکانوں کی ساخت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے یہ مکان؟"

"نہیں۔ ہماری زمین میں قدرتی سوراخ ہیں۔ جو سامنے سے تنگ اور اندر سے کشادہ ہوتے ہیں ہم انہی میں رہتے ہیں۔"

"واہ۔ غاروں کی زندگی۔ معصومیت کا دور۔" بوڑھے جنرل نے کہا۔ پھر بولا۔

"کیا تمہارے ہاں نظامِ حکومت ہے؟"

"ہاں۔ ہمارا ایک محافظ ہوتا ہے اور باقی اس کے ساتھی جو سیارے پر بسنے والوں کی ضرورت کے لئے کام کرتے ہیں۔"

"ایک ہی بات ہوئی۔ یہ حکمران محافظ ہی ہوتا ہے لیکن افسوس زمین کے حکمران محافظ کی بجائے خود کو انسانی زندگیوں کا مالک سمجھتے ہیں۔ اچھا تمہارے سیارے کی فضا کیسی ہے؟"

"بس تمہاری زمین کی مانند۔ وہاں کی ہوا میں ذرا بھی گھٹن نہیں محسوس ہوتی۔"

"گویا وہاں آکسیجن موجود ہے!" جنرل خوش ہو کر بولا۔

"میں سائنسی امور کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"یقیناً یقیناً وہاں آکسیجن ہوگی۔ اچھا تمہارا طرزِ حیات کیا ہے۔ کیا تم کھیتی باڑی کرتے ہو' کیا تمہارے ہاں جانور کی اقسام موجود ہیں؟"

"صرف بھینس پائی جاتی ہے۔ کیا یہاں دوسرے جانور بھی ہوتے ہیں؟" منور نے سوال کیا؟

"صرف بھینس؟" جنرل حیرت سے بولا۔

"ہاں بھینس یہ ضرورت کے کام آتی ہے۔ سنا ہے صدیوں قبل یہاں دوسرے جانور بھی ہوتے تھے لیکن انہیں آہستہ آہستہ ختم کردیا گیا صرف بھینس کی افزائشِ نسل کی گئی۔ یہ دودھ دیتی ہے اس سے گوشت حاصل ہوتا ہے اور یہ سواری کے کام بھی آتی ہے۔"

"سواری کے کام بھی آتی ہے؟" جنرل حیرت سے بولا۔

"ہاں سواری کے لئے بھینس بہترین جانور ہے تین چار افراد آسانی اس کی پشت پر سفر کرسکتے ہیں شادی بیاہ میں بارات اس پر جاتی ہے ہر مشکل میں کام آتی ہے۔"

"لیکن بھینس تو بے حد سست رفتار سواری ہے۔ دس لاکھ کی آبادی کتنے رقبے میں پھیلی ہوئی ہے کیا بھینسوں کے قافلے چلتے ہیں؟"

"اوہ۔ نہیں جنرل۔ میلوں کا سفر لحات میں طے ہوجاتا ہے اس کے لئے خصوصی اٹامک جنریٹر تیار کئے گئے ہیں بس لمبے سفر کے لئے ایک جنریٹر بھینس کی دم میں باندھ دیا جاتا ہے اور بھینس ایک ہزار میل فی گھنٹے کی رفتار سے سفر کرتی ہے۔"

"خدا کی پناہ۔ کیا کلاسیکل آئیڈیا ہے۔ ناقابل یقین۔ کیوں گیتی۔ کتنی سادہ کتنی زندہ' زندگی ہوگی جنرل!" پُرجوش انداز میں بولا لیکن گیتی عجیب انداز میں سر کھجا رہی تھی۔ تب پروفیسر نے پہلو بدل کر کہا۔ "ہاں یہ تو بتاؤ تمہارے سیارے پر دوسرے سیارے کے لوگوں کی آمدورفت ہے؟"

"نہیں۔ ہمارے ہاں کے قانون میں کسی غیر سیارے کے باشندے کی آمد کی گنجائش نہیں ہے۔" منور سنجیدگی سے بولا اور جنرل ٹابو کا چہرہ اتر گیا۔

"تو کیا تمہارے سیارے پر کوئی غیر سیارے کا باشندہ نہیں ہے؟"

"آجاتے ہیں لیکن ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جاتا ہے کہ وہ زندگی بھر پچھتاتے رہتے ہیں۔"

"مثلاً؟"

"نوواردوں کو ایک ماہ تک مرغیوں کے پنجرے میں قید رکھا جاتا ہے اور جب وہ مرغیوں کی عادات و خصائل سے واقف ہوجاتا ہے تو ایک مخصوص آپریشن کے بعد اسے مرغی بنادیا جاتا ہے اور پھر اس پر لازم ہے کہ چھ ماہ تک انڈے دے۔ یہ انڈے عام مرغیوں کے انڈوں سے دس گناہ بڑے سائز کے ہوتے ہیں جب وہ ایک سو اسی انڈے پورے کرلیتا ہے تو اسے بھینس پلانٹ بھیج دیا جاتا ہے اور سائنسی ذرائع سے اس کے اندر بھینس کی خصوصیات پیدا کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد جب تک زندہ رہتا ہے دودھ دیتا ہے اور سواری کے کام آتا ہے۔"

"بکواس بند کر' میں کہتا ہوں بکواس بند کر۔" جنرل غصے سے اٹھ گیا۔ گیتی تعجب خیز نگاہوں سے اس نوجوان کو دیکھ رہی تھی جس کے بارے میں وہ تذبذب کا شکار

ہوگئی تھی۔ نہ جانے کیوں......... نہ جانے کیوں' اسے لگ رہا تھا جیسے' جیسے وہ اجنبی نہ ہو۔ وہ اسی سیارے سے تعلق رکھتا ہو اور اس کا ہم نسل ہی ہو' لیکن وہ خلا میں کہاں سے پہنچ گیا اور جنرل کے سائنسی جال میں کس طرح پھنس گیا؟ اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

وہ معصومیت سے جنرل کو دیکھ رہا تھا اور جنرل کھاجانے والی نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ "شاید تم نے مجھے خاموش ہونے کے لئے کہا ہے۔"

"میں کہتا ہوں خاموش ہوجاؤ ورنہ ایک دوں گا الٹے ہاتھ کا۔" جنرل دودھ اور انڈے دینے کے تصور سے بھڑک گیا تھا۔

"جنرل پلیز۔ اس میں اس کا کیا قصور۔" گیتی نے کہا۔

"اب تو اسے ہی مرنا رہ گیا تھا وہاں۔ کوئی اور نہیں آسکتا تھا زمین تک۔ گویا میں انڈے دینے کے لئے جاؤں گا اس کے سیارے پر اور ساری زندگی انہیں دودھ پلاتا رہوں گا!"

"یہ اس کے سیارے کا قانون ہے۔"

"کیا ساری کائنات کے قانون ایسے ہی الٹے سیدھے ہیں۔ سارا موڈ چوپٹ کردیا اس نے۔ میں نے تو نہ جانے کیا کیا سوچا تھا۔"

"میں یہ کہتی ہوں جنرل اس میں اس بے چارے کا کیا قصور ہے جو کچھ اس کے سیارے کا قانون ہے اس نے بتادیا۔"

"میں نہیں مانتا اس قانون کو۔" جنرل آنکھیں نکال کر بولا۔

"نہ مانیں۔ بلکہ میرا خیال ہے وہاں جاکر اس قانون سے بغاوت کردیں۔ ویسے ان امکانات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ ممکن ہے وہ ہاتھیوں کو انڈے دینے پر مجبور کردیتے ہوں۔"

"گیتی۔ گیتی پلیز۔ میرا مذاق نہ اڑاؤ۔ میری ساری محنت اکارت گئی ہے۔" جنرل ڈھیلے لہجے میں بولا۔

"صرف آپ کی سوچ ہے جنرل۔ ورنہ آپ کی محنت تو اکارت نہیں گئی ہے۔ بات صرف وہاں کے قانون کی ہے۔ ویسے اب میرا خیال ہے اس کے آرام کا بندوبست کریں۔ بے چارہ آپ کا مہمان ہے اور آپ خود بھی آرام کریں۔"

جنرل ابھی تک پریشان نگاہوں سے گیتی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "یہ سب کچھ تم کرو گیتی۔ میں اپنے کمرے میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" اور پھر وہ باہر نکل گیا۔ گیتی اسے جاتے دیکھتی رہی۔ پھر جب وہ باہر نکل گیا تو وہ منور کی طرف پلٹی۔

"سمجھ میں نہیں آتا تمہیں کیا سمجھوں۔ اپنے خدوخال سے تو تم مجھے بلی کے ایک معصوم بچے کی مانند نظر آتے ہو۔ بہرحال آؤ' میں تمہیں تمہاری آرام گاہ میں پہنچادوں۔" اس کے اشارے پر منور اٹھ گیا۔

گیتی اسے جس آرام گاہ میں لائی وہ شیشے کا ایک کمرہ تھا۔ اس میں بیڈ وغیرہ موجود تھا چاروں طرف ایسی دیواریں تھیں جن سے آرپار دیکھا جاسکتا تھا۔ بہرحال اس نے تعرض نہیں کیا اور گیتی کے ساتھ اندر چلا گیا۔

اندر کا ماحول پُرسکون تھا۔ آکسیجن وغیرہ کا مکمل انتظام تھا اور ضروریات کی دوسری چیزیں بھی موجود تھیں۔ منور بے چارگی سے بیٹھ گیا۔

"آرام کرو۔ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور اب صبح تم سے ملاقات ہوگی۔" گیتی نے کہا اور پھر اس پر آخری نگاہ ڈال کر باہر نکل گئی۔ چند ساعت کے بعد چار گوریلے کمرے کی چاروں دیواروں کے ساتھ آگئے۔ یہ غالباً پہرے دار تھے۔ منور کا دماغ درست ہوگیا تھا۔ پولیس سے بچنے کے لئے وہ جس جنجال میں آپھنسا تھا شہر سے دور اس عمارت کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا اور پولیس سے بچنے کے لئے جب وہ یہاں تک پہنچا تو اس عمارت کو دیکھ کر اس کی باچھیں خوشی سے کھل گئی تھیں' اس نے سوچا تھا کہ یہ تائید غیبی ہے لیکن یہاں آنے کے بعد جن حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا وہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہے تھے' یہ اندازہ تو اسے ہوگیا تھا کہ بوڑھا آدمی جسے جنرل کے نام سے مخاطب کیا جاتا ہے' کوئی خبطی سائنس دان تھا اور کسی سیارے کے باشندے سے ملاقات کا خواہش مند اور یقینی طور پر اس نے کسی ایسے باشندے کو گرفتار کرنے کے لئے خلا میں کوئی جال بچھایا تھا۔ لڑکی اور بوڑھے کی گفتگو سے منور نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ سمجھ رہے ہیں کہ کسی سیارے کا باشندہ ان کے جال میں پھنس کر ان کے ریسیور میں پہنچ گیا ہے جسے منور نے وقتی طور پر اپنے چھپنے کے لئے پسند کیا تھا۔

بڑا عجیب اتفاق تھا۔ ان بے چاروں کا بھی کوئی قصور نہیں تھا' قصور اگر تھا تو منور کی تقدیر کا۔

لیکن اب اسے سنجیدگی سے اس مسئلہ پر سوچنا تھا' خبطی سائنس دان جو کچھ نظر آرہا ہے' اس سے تو اس کی مالی حالت کا اندازہ ہوتا ہے' گویا اس کے پاس بے اندازہ دولت ہے اور اگر اس دولت میں منور کا ایک حصہ بھی ہوجائے تو کیا حرج ہے' لیکن اس کے لئے اسے خبطی سائنس دان سے ایک لمبا کھیل کھیلنا پڑے گا' جو کچھ بوڑھا سوچ رہا ہے اسے وہی بن جانا ہوگا۔ اب یہ سوچنا تھا کہ کسی سیارے کا باشندہ بننے میں اسے کیا فائدہ اور کیا نقصانات ہوسکتے ہیں۔

بوڑھے سائنس دان کی خواہش تھی کہ وہ زمین کو چھوڑ کر کسی سیارے میں آباد ہوجائے اور اسی لئے وہ سیارے کے کسی باشندے کو تلاش کرکے اس سے وہاں کے حالات معلوم کرنے کا خواہش مند تھا' اور اس کے ذریعے اس سیارے تک رسائی کا خواہش مند بھی۔

منور نے یہ بات محسوس کرلی تھی' ظاہر ہے وہ اسے سیارے تک نہیں لے جاسکتا تھا' اس لئے اس نے دودھ اور انڈوں کا چکر چلادیا تھا اور بلاشبہ بوڑھے کے حواس درست ہوگئے تھے' وہ جس طرح چڑچڑایا ہوا تھا منور کو سوچ کر ہنسی آرہی تھی۔ خاصا کریک معلوم ہوتا تھا لیکن لڑکی............! ممکن ہے وہ اس کی بیٹی ہو' وہ خاصی چالاک لگتی تھی' منور نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ لڑکی اسے ٹٹولنے والی نگاہوں سے دیکھ رہی ہے گویا اندازہ کرنا چاہتی ہے کہ کہیں وہ کوئی فراڈ تو نہیں ہے۔

شیشے کے اس قید خانے یا رہائش گاہ میں منور اپنے آرام دہ بستر پر لیٹ گیا اور آئندہ کے بارے میں سوچنے لگا۔

اگر یہ سائنس دان اس کا مستقل دوست بن جائے تو اس کے بڑے فوائد حاصل ہوسکتے ہیں' مالی طور پر وہ ایک مضبوط انسان ہے اور منور کی کافی مدد کرسکتا ہے' لیکن اگر نہ بھی ہو تو بہرصورت منور ایک اجنبی کی حیثیت سے اس کے ساتھ رہ سکتا ہے اور یہیں سے اپنا کام جاری رکھ سکتا ہے۔ گویا چھپنے کے لئے یہ بہترین جگہ ہے۔ ویسے بھی منور نے اس عمارت کی دیواروں میں کرنٹ کا اندازہ کرلیا تھا اور اسے یہ احساس بھی ہوگیا تھا کہ عام لوگ یہاں باآسانی نہیں پہنچ سکتے۔ اب یہ تو ظاہری بات ہے کہ مقامی

حکومت اس عمارت سے ناواقف نہیں ہوگی' گویا بوڑھے کی اپنی حیثیت بھی ہے اور اس حیثیت کے مطابق حکومت اسے پریشان نہیں کرتی' اس لحاظ سے بھی پوشیدہ رہنے کے لئے یہ بہترین جگہ ہے۔

لیکن ایک غلطی ہوگئی تھی' سیارے کے بارے میں معلومات حاصل کرکے بوڑھا کسی حد تک بددل ہوگیا تھا۔ فوری طور پر یہ ضروری نہیں تھا کہ منور اسے سیارے کے بارے میں مایوس کردے' اس طرح کم ازکم اسے امید رہتی اور بوڑھے کا سلوک اس کے ساتھ بہت اچھا رہتا۔

منور نے یہی سوچ کر یہ جلد بازی کی تھی کہ کہیں بوڑھا اس سے سیارے میں جانے کی خواہش کا اظہار نہ کردے' ایک مشکل تو حل ہوگئی تھی یعنی یہ کہ بوڑھا شاید ہی اب اس سیارے کی طرف رخ کرنے کا ارادہ کرے' لیکن منور سے اس کی دلچسپی یقینی طور پر کم ہوگئی تھی' اور وہ اس بات پر افسوس کررہا تھا کہ سلاردھی کا باشندہ کیوں اس کے شعاعی جال میں پھنسا۔

اب اس بات کو برابر کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے' منور نے سوچا۔ بہرصورت جو ہونا تھا وہ تو ہوچکا لیکن بوڑھے کو قابو میں رکھنا ضروری تھا' کچھ نہ کچھ کیا ہی جائے گا منور نے سوچا اور سونے کی کوشش کرنے لگا' بے فکر انسان تھا تھوڑی ہی دیر کے بعد نیند آگئی۔

دوسری صبح جب جاگا تو سب سے پہلے نگاہ ایک گوریلے پر ہی پڑی جو اسی کی جانب رخ کئے اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا' لاحول ولا قوۃ منور نے جلدی سے آنکھیں بند کرلیں چند ساعت اسی طرح رہا پھر اٹھ گیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس قید خانے سے باہر نکلنے پر پابندی تو نہیں ہے۔ چنانچہ وہ دروازے تک پہنچ گیا اور اب اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو چاروں طرف سے گوریلے سمٹ کر اس کے سامنے آگئے اور منور دروازے سے باہر نکل آیا۔ گوریلے اس طرح کھڑے تھے جیسے اس کی پیشوائی کررہے ہوں' ان کے انداز میں کوئی جارحیت نہیں تھی' جس پر منور نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی' دوسرے لمحے اس کے ذہن میں ایک خیال جاگ اٹھا۔ وہ پوری طرح ہوشیار رہنا چاہتا تھا چنانچہ دوسرے لمحے اس کے منہ سے ایک آواز نکلی۔ یہ آواز بے معنی اور بے ہنگم تھی۔ گوریلے اپنا سینہ پیٹنے لگے اور منور جلدی سے آگے

بڑھ گیا اور گوریلے اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے' سب سے پہلے گیتی ہی سے ملاقات ہوئی تھی جو اس جانب آرہی تھی اور پھر وہ مسکراتی ہوئی منور کے سامنے پہنچ گئی۔

"صبح بخیر۔" گیتی نے پُرسحر مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ارنچوں گویا پاتک۔" منور نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"میں نہیں سمجھی۔" گیتی تعجب سے اس کی صورت دیکھتے ہوئے بولی۔

"تیاتوں۔ تیاتوں۔ پٹاخ چوں' تیا تاک۔" منور پھر بولا اور اس کا ہاتھ پکڑلیا گیتی متحیرانہ انداز میں اسے دیکھنے لگی' چند ساعت وہ احمقوں کی طرح اس کی شکل گھورتی رہی اور پھر اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"فوئی' چوچوں' تی اج۔" وہ پھر بولا اور گیتی جلدی سے اس سے بازو چھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"ہاں ہاں۔ صرف چند منٹ' صرف چند منٹ انتظار کرو۔" اس بار اس نے ایک طرف دوڑ لگائی تھی اور پھر وہ دوڑتی ہی چلی گئی' بندر البتہ منور کے قریب موجود تھے۔ منور نے دونوں شانے جھٹکے اور پھر اسی جگہ زمین پر بیٹھ گیا۔ بندر اس کے چاروں طرف استادہ ہوگئے تھے۔

گیتی کسی قدر بدحواس سی جنرل کے کمرے میں پہنچی تھی' جنرل اطمینان سے آرام کرسی پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا' اس کی آنکھیں بند تھیں اور دونوں انگلیاں پیشانی پر رکھی ہوئی تھیں' اس انداز میں بھی وہ بڑا عجیب لگ رہا تھا' گیتی کے قدموں کی چاپ سن کر اس نے نگاہیں اٹھائیں اور گیتی کی جانب دیکھنے لگا۔ "کیا بات ہے؟" گیتی کچھ پریشان نظر آرہی تھی۔

"وہ۔ وہ جاگ گیا تھا جنرل۔"

"کون؟" جنرل نے پوچھا۔

"تمہاری دریافت۔"

"سو پچاس روپے دے کر اسے یہاں سے بھگادو اور کہہ دو آئندہ ادھر کا رخ نہ کرے۔" جنرل بے پروائی سے بولا۔

"یہ کام آپ ہی کردیں تو بہتر ہے۔" گیتی ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"صورت نہیں دیکھنا چاہتا اس صورت حرام کی۔ سالا بھینس کی اولاد۔ ملا بھی تو

ایک گھٹیا سیارے کا باشندہ۔ سوچ سوچ کر غصہ آتا ہے۔ ساری محنت برباد ہو گئی۔ غلطی سے کوئی ادھر جا ہی نکلے تو............ توبہ توبہ۔"

"جنرل پلیز۔ اسے دیکھ تو لیں۔" گیتی بے بسی سے بولی۔

"کیا دیکھوں اب اس میں۔"

"وہ اپنی زبان میں بول رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟" جنرل چونک پڑا۔

"ایک عجیب اور سمجھ میں نہ آنے والی زبان۔ مجھے یقین ہے کہ وہ شعاعوں کے اثرات سے آزاد ہو گیا ہے۔"

"اسے اس عمارت کی قید سے بھی آزاد کر دو۔"

"قید سے آزاد نہیں کروں گی البتہ اسے آپ کی لیبارٹری میں قید کر دوں گی اور پھر وہ تنگ آ کر اس کا تیا پانچا کر دے گا!"

"خبردار............ خبردار............ اس نے ہماری لیبارٹری کا رخ کیا تو اچھا نہیں ہو گا دوسرے تم میری دوست ہو یا دشمن؟"

"پہلے بھی میں آپ سے اتنی دیر تک مغز کھپاتی رہی ہوں جنرل۔ آخر آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آتا۔" گیتی آنکھیں نکال کر بولی۔

"بس نہیں آتا۔ میری مرضی۔" جنرل بچوں کے سے انداز میں بولا۔

"تو پھر میں چلتی ہوں۔ اسے بندروں کی قید سے دور کر کے اس عمارت سے باہر نکالے دیتی ہوں۔ اگر آپ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے تو پھر اسے یہاں رکھنے سے فائدہ۔"

"نکال دو نکال دو۔ تم تو یہی چاہتی ہو کہ میں بقیہ زندگی انڈے دینے میں بسر کروں۔ کیوں؟" جنرل آنکھیں نکال کر بولا اور گیتی ہنس پڑی۔

"یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے جنرل آپ انڈے دیں یا بچے لیکن اس کے سلسلے میں آپ سے پھر کہہ رہی ہوں کہ عقل سے کام لیں۔ وہ آپ کا شاہکار ہے۔ کیا روئے زمین پر کوئی ایسا دوسرا سائنس دان موجود ہے جس نے خلا کے کسی باشندے کو قید کیا ہو؟ آپ نے تو ان لوگوں کے منہ پر کالک لگا دی ہے جو خود کو خلاؤں کا ماہر کہتے ہیں جو چاند تک تو پہنچ گئے ہیں لیکن کسی سیارے پر آبادی تک دریافت نہیں کر سکے۔ کیا خلا کا

مہمان آپ کو ان تمام نام نہادوں پر فوقیت نہیں دے رہا۔ کیا آپ نے ان سب کو نیچا نہیں دکھا دیا؟"

گیتی کے ہر جملے پر جنرل کی کیفیت بدلتی جا رہی تھی۔ پہلے وہ کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ پھر سیدھا ہو گیا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھیں گیتی پر جمی ہوئی تھیں اور پھر وہ عجیب سے انداز میں بولا۔

"ارے۔ یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔"

"میں مدت سے آپ کو یہی سمجھا رہی ہوں جنرل۔"

"تو اس انداز میں کب سمجھایا تھا۔ تمہیں معلوم ہے میرا ذہن گہرائیوں میں نہیں سوچتا۔" جنرل نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو اب چلئے نا۔ اور وہ مشین ساتھ لے لیں۔ وہ ہماری زبان بھول گیا۔"

"چلو چلو۔" جنرل نے کہا پھر تھوڑی دیر کے بعد وہاں پہنچ گئے جہاں منور گوریلوں کے درمیان بیٹھا تھا۔ جنرل اس کے سامنے پہنچ گیا اور پھر پہلے منور پر اس نے شعاعیں ڈالیں اور تھوڑی دیر تک یہ عمل دہرایا گیا۔ اس کے بعد اس نے پوچھا۔

"کیا تم میری آواز سن رہے ہو۔ میرے الفاظ سمجھ رہے ہو؟"

"کیوں نہیں دوست۔" منور نے کہا۔

"تب پھر آؤ۔ ناشتہ کریں۔ ابھی تم پٹڑی سے اترے ہوئے تھے۔" جنرل نے کہا اور تینوں ناشتے کے کمرے میں پہنچ گئے۔ منور نے کسی قدر ہچکچاہٹ کا اظہار کیا تھا ویسے اس کی اداکاری بہت عمدہ تھی صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ مقامی چیزوں سے ناآشنا ہے لیکن ایک ذہین انسان ہے اور ذرا سی دیر میں صورتِ حال بھانپ لیتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔

دوسری بات بھی اس نے صاف محسوس کی تھی وہ یہ کہ لڑکی ہر لمحے اسے تول رہی ہے اور اسے آزما رہی ہے۔ مثلاً کھانے کے سلسلہ میں اس نے جان بوجھ کر ایسی چیزیں منور کے سامنے رکھیں جن کا استعمال کسی قدر مشکل تھا لیکن منور خود بھی معمولی انسان نہیں تھا۔ بھلا ایک لڑکی اسے کیا چلا سکتی تھی۔ چنانچہ ابلا ہوا انڈا چائے میں پہنچ گیا اور سوپ گلاس میں۔

جنرل ہنس ہنس کر اسے ان چیزوں کے استعمال کا طریقہ بتاتا رہا۔ گیتی کے الفاظ

نے اس کی ذہنی رگ درست کردی تھی اب وہ دوبارہ منور میں دلچسپی لے رہا تھا۔

"آج کا دن اس کے ساتھ گزاروں گا۔ ابے ہاں ایک بات تو بتاؤ۔" وہ بے اختیار بولا۔ اور منور سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ "تمہارے نام بھی ہوتے ہیں؟"

"نام.........ہاں۔" اس نے کہا۔

"تو تمہارا کوئی نام بھی ہو گا۔"

"کو۔" منور نے جواب دیا۔

"کیا؟" جنرل نے منہ پھاڑ کر پوچھا۔

"پکارتیں 'کو'۔"

"ابے یہ بھی کوئی نام ہے۔ کو۔ کوکو۔" جنرل ہنس پڑا اور منور پریشان نگاہوں سے گیتی کو دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے جنرل آپ اس کی اصل زبان سنیں گے تو بہت خوش ہوں گے۔ اس کا یہی نام ہے۔"

"کو۔" جنرل نے کہا پھر ہنس پڑا۔

"تم اطمینان سے ناشتہ کرو۔ جنرل بے حد خوش مزاج ہیں۔" گیتی نے کہا اور وہ ناشتے سے فارغ ہو گئے' منور دل ہی دل میں اس عجیب و غریب جنرل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پھر وہ ناشتے کے کمرے سے اٹھ گئے اور جنرل اسے اپنی لیبارٹری میں لے گیا۔

"پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ یہاں آنے کے بعد تمہارے تاثرات کیا ہیں؟" جنرل نے پوچھا۔

"میں بہت خوش ہوں۔" منور نے جواب دیا۔

"یعنی اپنے سیارے سے دور رہ کر خوش ہو؟"

"ہاں بچپن ہی سے میری خواہش تھی کہ خلاؤں کی سیر کروں۔ میرے سیارے کا ماحول بڑا مشینی ہے۔ وہاں کی زندگی خاموش ہے کوئی دلچسپی نہیں ہے وہاں' بس خاموشی سے جیتے رہو اور پھر خاموشی سے ہی مرجاؤ۔"

"سکون تو ہو گا وہاں۔"

"بہت میرے دوست۔ سکون تو زندگی کا قاتل ہے۔"

"کیوں۔ آخر کیوں؟"

"زندگی اگر سکون کی طالب ہوتی تو اس میں تحریک نہ ہوتی۔ ہر انسان ایک جگہ ساکت ہوتا کیا ضرورت تھی جنبش کی لیکن جنبش انسانی زندگی کی اہم ضرورت قرار دی گئی تو پھر سکوت کیوں؟" منور نے کہا اور جنرل اچھل پڑا۔

"ابے واہ۔ تم تو فلاسفر نکلے۔" وہ منہ پھاڑ کر بولا۔ گیتی کی آنکھوں میں ایک بار پھر تجسس ابھر آیا۔

"میں نہیں جانتا فلاسفر کیا ہوتا ہے۔ میں نے جو کچھ کہا وہ میری سوچ ہے۔"

"بات تو ٹھیک کہتا ہے گیتی۔" جنرل زوردار قہقہہ لگا کر بولا۔ پھر کہنے لگا۔ "تو تم اپنے سیارے سے اکتائے ہوئے تھے؟"

"ہاں۔ ورنہ میں خلاؤں میں کیوں بھٹکتا اور تمہارے ہاتھ کس طرح لگتا؟"

"واہ۔ میں بھی جاننا چاہتا تھا۔ کیا تم اس وقت اپنے سیارے کی زمین پر نہیں تھے جب میرے خلائی جال نے تمہیں پھانسا؟"

"نہیں میں تو سیارے کی زمین سے دور خلا میں تھا۔"

"بغیر کسی خلائی جہاز وغیرہ کے؟"

"خلائی جہاز کیا ہوتے ہیں؟"

"تمہارا ذریعہ سفر کیا ہے؟"

"بھینس۔" منور سنجیدگی سے بولا۔

"ابے کیا خلائی سفر میں بھی بھینس ہی کام آتی ہے؟" جنرل آنکھیں نکال کر بولا۔

"نہیں اس کے لئے ہم چوٹی استعمال کرتے ہیں۔" منور اس طرح اپنی جیب ٹٹولنے لگا جیسے کوئی چیز تلاش کر رہا ہو۔ پھر وہ افسوس بھرے لہجے میں بولا۔ "افسوس وہ میرے پاس نہیں ہے ورنہ میں تمہیں دکھاتا۔"

"کیا دکھاتے؟"

"چوٹی۔"

"یہ کیا مصیبت ہے؟"

"خلائی سفر کا ذریعہ۔ ہماری زمین میں ایک پھل کی حیثیت سے اگتی ہے۔ ایک

پھل کھالو تو وزن کم ہو جاتا ہے۔ تین چار پھل ایک ساتھ کھالو تو فضا میں سفر کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان ہواؤں میں ذرے کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے لیکن وہ اپنے محور میں ہی رہتا ہے اور جب اس پھل کا اثر ختم ہو جاتا ہے تو واپس اپنے کُرے کی کششِ ثقل میں آجاتا ہے۔ چنانچہ میں اکثر خلاؤں میں بھٹکتا رہتا تھا اور پھر۔ میں تمہارے جال میں پھنس گیا۔"

"کیسے نہ پھنستے۔" جنرل خوش ہو کر بولا۔ "لیکن تمہارا وہ پھل حیرت انگیز ہے۔"

"ہاں افسوس میرے پاس کئی پھل تھے لیکن ضائع ہو گئے۔"

"تم اس کُرے پر آکر خوش ہو؟"

"ہاں، لیکن ابھی یہاں میں نے صرف تم دونوں کو دیکھا ہے اور بہت سی باتیں مجھے معلوم نہیں، لیکن یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ تم بھی ہماری طرح ہو۔"

"اب تم واپس کس طرح جاؤ گے؟" جنرل نے پوچھا۔

"میں یہاں سے واپس نہیں جانا چاہتا۔ کسی دن اس کُرے پر زندگی ختم ہو جائے گی۔ وہاں واپس جاکر میں پھر اس خاموش دوریوں میں گم ہو جاؤں گا!"

"ٹھیک ہے تم ہمارے یہاں رہو لیکن شرافت سے۔ اس عمارت کے کچھ اصول ہیں۔ جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا میں بھی اپنی دنیا کے لوگوں سے خوش نہیں ہوں، اسی لئے میں نے اس سے الگ تھلگ زندگی اختیار کی ہے، تو میرے دوست تمہیں بھی اسی زندگی میں ضم ہونا پڑے گا۔ کیونکہ تم میری دریافت ہو، اس لئے میں یہ بھی پسند نہیں کروں گا کہ تم دنیا کے کسی اور سائنس دان کے ہاتھ لگو، گو تمہیں یہاں محدود رہنا ہو گا لیکن میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں اپنی دنیا سے روشناس ضرور کراؤں گا۔"

"مجھے اس سے زیادہ کچھ اور نہیں چاہئے جنرل!" اس نے کہا اور جنرل ہنس پڑا۔

"اب تم بار بار مجھے جنرل کہہ کر مخاطب کرتے ہو، لیکن میں تمہیں کو کہتے ہوئے عجیب سا محسوس کرتا ہوں، کیا تم اپنا نام نہیں بدل سکتے، 'کو' بھلا یہ کیا نام ہوا۔ کو، کو" جنرل احمقانہ انداز میں ہنستا ہوا بولا لیکن اس کا چہرہ سپاٹ ہی رہا تھا۔"

"میں تو اب تمہارے درمیان ہوں جنرل، اگر تم مجھ میں کچھ تبدیلیاں چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے کہا۔

"تب میں تمہارا نام۔ تمہارا نام۔ گیتی بتاؤ نا، اس کا نام کیا رکھا جائے؟"

"آپ کا نام چراغ بیگ ہے نا جنرل، اس کا نام موم بتی رکھ دیں۔" گیتی نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"موم بتی۔ واہ یہ کیا بات ہوئی، یہ بھی کوئی نام ہے۔ اور ہاں سنو تم نے مجھے پھر چراغ بیگ کے نام سے مخاطب کیا۔ اچھا نہیں ہو گا گیتی، اچھا نہیں ہو گا؟" جنرل نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے لیکن جنرل آپ اس کا نام موم بتی ضرور رکھیں۔"

"آخر کیوں، کیوں؟" جنرل غصیلے انداز میں بولا۔

"بس میرا ایک مشورہ ہے، آپ نہ مانیں یہ دوسری بات ہے۔"

"خیر، ٹھیک ہے میں اس کا کوئی بھی نام رکھ دوں گا، ایسی جلدی بھی کیا ہے لیکن گیتی بہرصورت میں اب اسے قبول کر چکا ہوں اور اب میرے تجربات اس کی ذات پر ہوں گے۔"

"تجربات؟" گیتی چونک کر بولی۔

"تو اور کیا۔ کیا میں اس کا اچار ڈالوں گا، گیتی بعض اوقات تم بالکل فضول باتیں کرنے لگتی ہو، مجھے یہاں کسی ہمدرد یا ساتھی کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میں نے تو ایک تجربہ کیا تھا اور جس مقصد کے تحت کیا تھا اس مقصد میں کامیاب نہ ہونے کے بعد اس پر مزید تجربات کروں گا۔ میں یہ دیکھوں گا اس کی جسمانی ساخت کیا ہے اور یہ کس حد تک ہمارے انداز میں ڈھل سکتا ہے، اور اس کو اپنے انداز میں ڈھالنے کے لئے میں اس پر تجربات کروں گا۔" جنرل نے کہا۔

"جو آپ کا دل چاہے کریں جنرل، ظاہر ہے آپ کی ملکیت ہے۔" گیتی نے شانے سکوڑ کر کہا اور جنرل کسی خیال میں ڈوب گیا۔

منور معنی خیز انداز میں ان دونوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا، ویسے یہ بات اس کے لئے پریشانی کا باعث تھی کہ جنرل اسے اپنے تجربات کا شکار بنانے کا خواہش مند ہے، وہ تو خود جنرل کو شکار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ دونوں میں سے کون

شکاری ہے اور کون شکار۔

ویسے جنرل کی حیثیت کے بارے میں اندازہ کرنے بعد اس نے اپنے مصروف وقت کا خاص بڑا حصہ یہاں گزارنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس کے ذہن میں نئے نئے خیالات جنم لے رہے تھے۔ جنرل ٹابو' جیسا کہ اس لڑکی گیتی نے اس کا نام لیا چراغ بیگ' دنیا سے اکتایا ہوا ایک خبطی سائنس دان ہے' اس کی لیبارٹری دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اچھا خاصا صاحبِ حیثیت شخص ہے اور شاید اچھی خاصی سائنسی مہارت بھی رکھتا ہے۔ خلا کے کسی سیارے کے باشندے کی گرفتاری کا سلسلہ اگر کامیاب نہیں ہوسکا تو بہرصورت اس لیبارٹری کی اپنی حیثیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا' اگر جنرل اس میں ناکام رہا تو ضروری نہیں ہے کہ وہ سائنس کے دوسرے شعبوں میں بھی ناکام رہے' چنانچہ اس کی سائنسی مہارت سے کسی حد تک فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے لیکن اس کے لئے جنرل کو اعتماد میں لینا ضروری تھا اور اس کے لئے منور نے تنہائی میں بہت کچھ سوچا۔ ابھی تک وہ یہ فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ اس لڑکی اور جنرل کا آپس میں کیا رشتہ ہے' پہلے اس نے سوچا تھا کہ شاید یہ باپ بیٹی ہوں' لیکن اب ان لوگوں کے طرزِ گفتگو سے اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ باپ بیٹی نہیں ہیں' اور گیتی بعض معاملات میں جنرل پر حاوی بھی ہے۔

دو تین دن گزر گئے اس دوران منور نے اس عمارت کا جائزہ بھی لے لیا تھا۔ عظیم الشان عمارت بلاشبہ حسنِ ترتیب کا نمونہ تھی' جس حسین علاقے میں وہ واقع تھی' اگر اس میں تھوڑی سی تبدیلیاں کرلی جاتیں تو نہ صرف وہ اس شہر میں بلکہ ملک بھر میں حسین ترین عمارت قرار پاتی لیکن جنرل نے اسے ایک قید خانے میں تبدیل کرلیا تھا باہر کے لوگوں کو یہاں آنے کی اجازت نہیں تھی' اس سلسلے میں جنرل کے اپنے اقدامات بہت سخت تھے۔ یہاں اس عمارت میں اس نے ان گوریلا بندروں کو تربیت دے کر ملازمین کی حیثیت دے دی تھی۔ انسانوں میں صرف گیتی تھی یا پھر وہ خود۔ جنرل اور گیتی دونوں ہم خیال معلوم ہوتے تھے۔ تب چوتھے دن جنرل نے کہا۔

"میں نے ایک ایسا کامیاب تجربہ کرلیا ہے گیتی جو اس شخص کی ذہنی تربیت میں مدد دے گا' اور بار بار یہ ہماری زبان نہیں بھولے گا' کیوں نا اس پر تجربہ کرڈالا جائے؟"

"جیسا آپ پسند کریں جنرل' لیکن اس تجربے سے اسے کسی نقصان کے پہنچنے کا احتمال تو نہیں ہے؟"

"اوہ قطعی نہیں' قطعی نہیں' تم جنرل کو اتنا بے وقوف کیوں سمجھتی ہو۔ میں اسے ذرا بھی گزند نہیں پہنچاؤں گا۔ یہ میرا آئیڈیل ہے اور گیتی تمہاری اس بات سے میں اب متفق ہوں کہ اس کی شخصیت بلاشبہ اس دنیا کے لوگوں سے بالاتر ہے اور یہ عام لوگوں کی بہ نسبت کافی معصوم ہے' مجھے اس سے اس لئے پُرخاش نہیں ہے کہ اس کا خمیر اس زمین کی مٹی سے نہیں اٹھا' چنانچہ اسے میرے ہاتھوں کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔"

"آپ کے ہاتھوں تکلیف تو کسی کو نہیں پہنچ سکتی جنرل آپ تو ان لوگوں میں سے ہیں جو تکلیف پہنچانے کی بجائے تکلیف اٹھا کر کنارہ کش ہوجاتے ہیں۔"

"اچھا اچھا فضول باتیں مت کرو' میں جو ہوں میں جانتا ہوں' تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔" جنرل آنکھیں نکالتا ہوا بولا اور گیتی مسکرانے لگی۔

منور جنرل کے تجربے سے خوفزدہ تھا۔ اس اوٹ پٹانگ سائنس دان کا تجربہ الٹا ہی نہ ہوجائے اور وہ اپنی زبان بھی بھول جائے لیکن بہرحال وہ خود کو اس تجربے کا شکار ہونے سے نہ بچاسکا۔ جنرل اسے لیبارٹری میں لے گیا اور پھر اس نے اسے آپریشن ٹیبل پر لٹانے کے بعد کئی مشینی عمل کئے لیکن منور کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ گیتی اس تجربے کے دوران موجود نہیں تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ اس تجربے سے فارغ ہوگیا۔ آپریشن ٹیبل سے اٹھا کر اس نے منور کو ایک صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور منور بیٹھ گیا۔ جنرل غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "کیا محسوس کررہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ایک عجیب سی کیفیت جنرل۔" منور الجھے ہوئے انداز میں بلا۔

"بیان کرو۔ بیان کرو۔"

"یوں لگ رہا ہے جیسے' جیسے تم نے اپنی دنیا میرے سامنے کھول دی ہو۔ میں اس دنیا اور اس کے لوگوں کو محسوس کررہا ہوں جنرل۔"

"ابے نہیں۔" جنرل بوکھلا کر بولا۔

"سچ جنرل' کیسی ہے تمہاری دنیا۔ میرے سیارے کے لوگوں سے بھی زیادہ

نفرت انگیز لوگوں کی بستی۔ تعجب ہے۔"

"مجھے خود یہ سب ناپسند ہیں۔ مگر پیارے بھائی تجربے میں پھر کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ میں نے تو صرف اپنی زبان تمہارے ذہن میں مرکوز کی تھی یہ دوسری باتیں کہاں سے جان گئے۔ ابے گیتی کو نہیں بتانا خدا کے لئے۔ وہ ویسے ہی میرا مذاق اڑاتی ہے۔"

"کیوں مذاق اڑاتی ہے جنرل؟"

"غلط نہیں اڑاتی۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ کرتا کچھ ہوں ہو کچھ جاتا ہے اور وہ اس کا خوب مذاق اڑاتی ہے۔ شکر ہے تمہارے سلسلے میں اس نے کچھ نہیں کہا ورنہ تم نے تو کباڑا کر ہی دیا تھا۔"

"میں نے کیا کباڑہ کر دیا تھا؟" منور نے پوچھا۔

"ابے تمہارے سیارے کی ایسی تیسی۔ وہ کوئی سیارہ ہے جہاں انسان کی جنس تک محفوظ نہ ہو۔"

"اوہ۔" منور نے بمشکل تمام ایک قہقہہ ہضم کیا تھا۔ پھر وہ سنجیدگی سے بولا۔

"تم نے مجھے فلاسفر کہا تھا جنرل۔"

"اس وقت۔ ہاں تم نے ایسی ہی گفتگو کی تھی۔"

"کیا وہ باتیں حقیقت سے دور تھیں۔"

"حقیقت!" جنرل ٹابو نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "حقیقت کیا ہوتی ہے یہ جانتے ہو؟"

"اگر تمہاری نگاہوں میں اس کا کوئی خاص مفہوم ہو تو بتا دو۔"

"ہاں۔ میری نگاہوں میں اس لفظ کا مفہوم ہے' صرف یہی نہیں ہماری لغت میں' بلکہ لغتِ انسانیت میں بے شمار الفاظ ایسے ہیں جن کے مفہوم کا تعین تو کیا گیا ہے لیکن لفظوں کو تراشنے والے بھی اس بات سے واقف ہیں کہ یہ الفاظ ناقابلِ عمل ہیں۔"

"وہ الفاظ کون سے ہیں جنرل؟" منور نے دلچسپی سے پوچھا۔

"وہ الفاظ۔" جنرل نے دایاں گال سہلاتے ہوئے کہا۔ "بے شمار جیسے خلوص' محبت' یگانگت' ہمدردی' فلاح وغیرہ وغیرہ۔"

"ہوں۔ تو تمہاری دنیا ان کی مفہومیت سے منحرف ہے۔"

"منحرف نہیں۔ سب انہیں تسلیم کرتے ہیں لیکن اپنے لئے نہیں صرف موقع محل کے اعتبار سے استعمال کرنے کے لئے۔"

"تم نے نہ جانے میرے اوپر کیا تجربہ کیا ہے جنرل۔ بلاشبہ اس تجربہ کی بنا پر میں تمہیں اس زمین کا عظیم سائنس دان کہہ سکتا ہوں۔ اوہ۔ تم نے تو میری شخصیت ہی بدل دی۔"

"کیوں۔ کیوں۔ کیا ہوا؟" جنرل مسرت بھری مسکراہٹ کو روکنے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

"میرے ذہن میں تمہاری یہ دنیا ایک کتاب کی مانند کھل گئی ہے۔ میں اس دنیا کو تمہارے انداز میں دیکھ سکتا ہوں۔ تمہارے انداز میں اس کے بارے میں سوچ سکتا ہوں۔"

"اگر میں اپنی عظمت کو منظرِ عام پر لے آؤں تو اس دنیا میں تہلکہ مچ جائے لیکن ان احمق عناد پرستوں کے درمیان خود کو عریاں کرنا بھی اپنے آپ کو مصیبت میں گرفتار کرنے کے مترادف ہے۔"

"وہ کیوں جنرل؟"

"ساری دنیا تمہاری طرف دوڑ پڑے گی۔ ہر شخص اس فکر میں ڈوب جائے گا کہ کس طرح تم سے تمہاری عزت و عظمت چھین لے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ خاموشی سے وقت گزارو۔ دنیا کو نہ دیکھو خود کو دیکھو۔"

"میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں جنرل کہ لوگ تمہاری عظمت کی گرد بھی نہیں پا سکتے میرا خیال ہے کہ اس ملک نے تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔"

"صرف یہ کہنا کافی نہ ہو گا۔ میرے ساتھ جو گزر چکی ہے وہ میری روح میں ناسور کی مانند ہے۔ آہ' میں اسے یاد نہیں کرنا چاہتا۔" جنرل کے چہرے پر حسرت کے آثار ابھر آئے اور منور گہری نگاہوں سے تکنے لگا' پھر بولا۔

"اب چھوڑو جنرل۔ کیوں یاد کرتے ہو ان باتوں کو۔ آج تمہارے پائے کا دوسرا سائنس دان موجود نہیں ہے۔ اب وہ تمہارا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔"

"اب۔ اب تو میں ان کی صورتیں بگاڑ دوں۔ عادت سے مجبور ہوں۔ آج بھی کبھی انہیں کسی اجتماعی مدد کی ضرورت پیش آجاتی ہے تو خود کو باز نہیں رکھ پاتا۔"

"واہ جنرل۔ دل چاہتا ہے تمہارے قدموں میں جان دے دوں۔ یہ زمین تم جیسے عظیم لوگوں سے مالا مال ہے تو اسے اور کیا چاہئے۔" منور نے کہا اور خوشی کے مارے جنرل کی حالت غیر ہو گئی۔ وہ بڑے بھونڈے انداز میں شرماتا ہوا بولا۔

"ارے ارے۔ اب اتنا شرمندہ بھی مت کرو پیارے دوست۔ میری جان، تم بھی تو کسی سے کم نہیں ہو۔ ساری زندگی میرے ساتھ گزارو۔ عیش کرو۔ میں یہ دنیا تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں گا۔"

"لیکن میرا خیال ہے جنرل۔ گیتی مجھے پسند نہیں کرتی۔"

"مجال ہے اس بھوتنی والی کی۔ ٹھیک کر کے رکھ دوں گا۔" جنرل غصے سے بولا۔

"نہیں نہیں۔ اس بے چاری نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ بس یہ میرا خیال تھا۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ بھی دنیا کی ستائی ہوئی ہو۔"

"ہاں۔ گیتی کی کہانی بڑی سفاک ہے۔ جانتے ہو وہ مجھے کہاں ملی؟"

"میں کیسے جان سکتا ہوں جنرل؟"

"ایک قحبہ خانے میں۔ ایک اوباش لڑکی کے روپ میں۔ ہر وقت منشیات کے نشے میں ڈوبی رہتی تھی۔ زندگی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور ہر لمحہ موت کی خواہش مند رہتی تھی۔"

"کیوں۔ آخر کیوں جنرل؟"

"وہ بچپن سے بے سہارا تھی۔ والدین حادثے میں ہلاک ہو گئے اور اسے سر چھپانے کا ٹھکانہ تلاش کرنے کی کوشش میں گیارہ سال کی عمر میں عزت و عصمت سے ہاتھ دھونے پڑ گئے اور اس وقت جب وہ زندگی کے دکھ سے آشنا بھی نہیں تھی اسے مکمل عورت بننا پڑا اور پھر وہ پستیوں میں گرتی چلی گئی لیکن ایک ایسی لڑکی تھی وہ جسے اپنی پستیوں کا احساس تھا اور یہی احساس میری پسند بن گیا۔"

"تمہاری پسند؟" منور تعجب سے بولا۔

"ہاں۔ میری پسند۔" جنرل نے خوابناک لہجے میں جواب دیا۔

"تت۔ تو کیا وہ تمہاری بیوی ہے؟" منور تعجب سے بولا۔

"بیوی ہوگی تمہاری۔ میرے لئے تو وہ بیٹی کی حیثیت رکھتی ہے۔" جنرل ایک دم بھڑک گیا۔

"اوہ جنرل، مجھے اس غلط فہمی پر افسوس ہے، تمہاری زمین کی چند اصطلاحات ابھی میرے لئے اجنبی ہیں۔" منور نے جلدی سے کہا۔

اسی وقت گیتی آ گئی۔ اس نے کسی قدر تعجب سے ان دونوں کو دیکھا اور پھر جنرل کی طرف رخ کر کے بولی۔

"کیا آپ کا تجربہ کامیاب رہا جنرل؟"

"سو فیصدی، ان سے پوچھو۔"

"بہرحال اب کیا ارادہ ہے؟"

"اس کامیاب تجربے کے بعد ہم نے انہیں خود میں شامل کر لیا ہے۔ کسی ایسے سیارے کی تلاش جہاں ہم آباد ہو سکیں، فی الحال ملتوی کئے دیتے ہیں۔ بوقتِ ضرورت یہ کام دوبارہ شروع کریں گے، فی الحال ہم اپنے اس انوکھے دوست کے ساتھ زندگی گزاریں گے اور مجھے یقین ہے کہ یہ اس دنیا کے لوگوں کی طرح بددیانت اور ناسپاس نہ ہوگا!"

"یقیناً جنرل۔"

"ویسے یہ بڑا پیارا انسان ہے۔ دل موہ لینے والی عادت کا مالک۔ میں اس سے بے حد خوش ہوں گیتی۔"

"اس میں اس بے نام انسان کی خوش بختی ہے۔"

"ویسے گیتی کیوں نا ہم اسے اپنی پسند کا کوئی نام دے دیں۔"

"تو پھر یہ کام کیوں نہیں کر لیتے جنرل!"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ تو پھر ہم اسے ثاقب کہیں گے۔ یہ شہابِ ثاقب ہی کی مانند ٹوٹ کر خلا میں پہنچا اور ہم نے اسے کھینچ لیا۔ کیا تمہیں یہ نام پسند ہے گیتی؟"

"بے حد پسند۔"

"ٹھیک ہے یہ ثاقب ہے۔ سمجھے تو آج سے تم ثاقب ہو۔"

"مجھے تمہاری پسند کا کوئی بھی نام قبول ہے جنرل۔" منور نے جواب دیا۔

دوپہر کا وقت نزدیک تھا وہ کھانے کے لئے اٹھ گئے۔ جنرل بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ کھانے ہی کے دوران اس نے گیتی کو مخاطب کیا۔

"ثاقب ہمارا آئیڈیل ہے گیتی۔ میں نے اپنے پروگرام سے مایوس ہو کر اسے

ناپسند کیا تھا لیکن یہ اپنے اوصاف میں منفرد ہے۔ چنانچہ میرے ذہن میں بے شمار پروگرام آنے لگے ہیں۔ وہ تجربات جو میں نے کسی ساتھی کے نہ ہونے کی وجہ سے ملتوی کردیئے تھے۔ آج بھی میرے ذہن میں موجود ہیں اور اپنے اس دوست کو میں بے تکلف تجربات کی بھٹی میں جھونک سکتا ہوں۔"

گیتی نے جلدی سے منور کی شکل دیکھی لیکن منور نے یہاں بھی خود پر پوری طرح قابو پالیا۔ گیتی بے اختیار مسکرا پڑی تھی۔

"بالکل مناسب جنرل۔ یہ عام انسانوں کی مانند کمزور بھی نہیں ہیں آپ ان پر ہر قسم کے تجربات کرسکتے ہیں۔"

"بالکل بالکل۔ اور اب تم دیکھنا ذرا جنرل ٹابو کو۔" جنرل کی بتیسی نکلی پڑ رہی تھی۔

منور پوری طرح مطمئن تھا۔ جو مشن اس نے شروع کردیا تھا اسے آگے بڑھانے کے لئے اس کے پاس عمدہ کارکن بھی تھے اور اسے پورا اطمینان تھا کہ اس کی طویل غیر موجودگی اس کے مشن کو متاثر نہیں کرے گی۔ تمام اداروں کے لئے فنڈ موجود تھے۔ خود منور تو غیر حاضر ہی رہتا تھا کیونکہ پولیس اس کی تلاش میں تھی۔ اس نے کارکنوں کو ہدایت کردی تھی کہ اس کے لئے فکر مند نہ ہوا جائے خواہ وہ کتنے ہی دن ان سے رابطہ قائم نہ کرے۔

لیکن اب اسے جنرل ٹابو کو راہ پر لانے کی فکر تھی۔ اس نے پوری عمارت دیکھ ڈالی تھی اور اسے یقین ہوگیا تھا وہ اتفاقات کے سہارے ایک ایسی جگہ پہنچ گیا ہے جہاں اس کے مشن کو بڑی مدد مل سکتی تھی۔ اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اسے دولت کی ضرورت تھی اور دولت کے حصول کے لئے اب وہ یہ کوشش کرلینا چاہتا تھا۔ اپنے وطن کے لوگوں سے منور کو دلی ہمدردی تھی۔ پسے ہوئے انسان جو مصائب کے بوجھ تلے دب کر اپنی شخصیت کھو بیٹھے تھے۔ آلام کی زندگی ان کی پیشانی کی لکیروں میں تحریر تھی۔ وہ اس تحریر کو مٹا دینا چاہتا تھا۔ حالانکہ ابھی اسے وطن آئے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے لیکن اس مختصر وقت میں اس نے جو کچھ دیکھا تھا اسے دیکھ کر اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ اور پھر اس نے سوچا جب اس کے وطن کے لاکھوں لوگ بے کردار زندگی گزار رہے ہیں تو وہ خود اپنی شخصیت کے وقار کو برقرار رکھنے کی

کوشش کیوں کرے خواہ اسے کسی نام سے پکارا جائے وہ اپنے آپ کو ان کے لئے وقف کرلے گا خود کو مٹا کر انہیں زندگی سے روشناس کرائے گا اور اس جذبے کے تحت اس نے خود کو سماج کے بُرے کرداروں میں شامل کردیا تھا۔

اتفاقات نے اسے جنرل ٹابو تک پہنچا دیا تھا۔ اس شخص کی ذہنی کیفیت بھی بیزاری کا شکار تھی اور اس نے اپنی دنیا الگ تھلک بنالی تھی۔ اس کی دولت نے اسے دنیا کی نگاہوں میں ممتاز کرلیا تھا لیکن منور کے خیال میں یہ سارے حقوق اسے نہیں حاصل ہونے چاہئے تھے۔ اس جیسے دوسرے انسان تو اپنی سانسوں پر بھی قادر نہیں تھے۔

لیکن چند روز یہاں رہنے کے بعد منور نے اپنے پروگرام میں کئی تبدیلیاں کی تھیں۔ اگر وہ چاہتا تو جنرل ٹابو کو قابو میں کرکے اس سے بھی ایک بڑی دولت ہتھیا سکتا تھا لیکن اب اس سے کوئی اور کام لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ ممکن ہے جنرل ٹابو اس کا بہترین مددگار ثابت ہو اور اس کے مشن کی تکمیل میں اسے سائنسی امداد دے سکے۔ بات صرف اسے آمادہ کرنے کی تھی اور منور نے اس کی کمزوری پکڑلی تھی۔ عام انسانوں کی مانند جنرل بھی اپنی ستائش کا شکار ہوجاتا تھا۔ ہاں گیتی خطرناک تھی۔ یہ لڑکی کافی چالاک معلوم ہوتی تھی اور اس کی آنکھوں میں ابھی تک منور کے لئے اشتباہ تھا۔

دوسرے دن ناشتے کی میز پر تینوں موجود تھے۔ جنرل ٹابو کا موڈ بے حد خوشگوار نظر آرہا تھا وہ بار بار مسکرا دیتا تھا۔ گیتی نے اسے محسوس کرتے ہوئے سوال کرڈالا۔

"کیا بات ہے جنرل۔ آج آپ بہت خوش نظر آرہے ہیں؟"

"اس کی ایک خاص وجہ ہے۔"

"ہمیں بتائیں گے جنرل!" گیتی بھی مسکرا کر بولی۔

"ہاں کیوں نہیں۔ تم دونوں کے علاوہ میرا ہے ہی کون۔ دراصل خلا کے کسی انسان کو قابو میں کرنے کا جنون میرے اوپر اس حد تک سوار تھا کہ میں نے اپنے والد کے تمام پروگرام پسِ پشت ڈال دیئے تھے۔ اب اپنی اس کوشش میں کامیاب ہونے کے بعد میں نے ایک نئے تجربے کے لئے کام شروع کیا ہے۔"

"اوہ۔ وہ کیا جنرل؟" گیتی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"تمہیں یاد ہوگا گیتی' میں نے تمہیں ایک فارمولے کے بارے میں بتایا تھا۔ میں

نے تم سے کہا تھا کہ انسان کے اپنے اندر لاتعداد قوتیں پوشیدہ ہیں ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اس کی کوئی خاص قوت ابھر آئے۔ میں ان قوتوں کو ابھارنے پر کافی عرصہ تک تجربات کرتا رہا ہوں اور اس میں کامیاب بھی ہوا ہوں لیکن زمین کے لوگوں سے میں اتنا بیزار ہوں کہ ان پر کوئی تجربہ میرے لئے ناقابلِ عمل ہے۔ اگر ان میں سے کسی کو یہ قوتیں حاصل ہوگئیں تو وہ دوسروں کا جینا حرام کردے گا۔ ان لوگوں میں ظرف کا فقدان ہے۔ پھر میں نے جھنجلا کر کسی جانور پر یہ تجربات کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن جانوروں کی اپنی سوچ محدود ہوتی ہے اور پھر ان کے اندر وہ قوتیں بھی نہیں جو انسانوں میں ہوتی ہیں۔ آخر کار گیتی میں نے یہ سوچا تھا کہ میں کسی نوزائیدہ بچے کو حاصل کروں گا اور اسے اپنی نگرانی میں تربیت دے کر اسے اپنے تجربے کا شکار بناؤں گا لیکن درمیان میں یہ خلائی پروگرام آکودا۔ اس سے مجھے وہ فائدہ تو حاصل نہیں ہوا جس کا میں خواہش مند تھا لیکن میرے دوسرے تجربے کو مدد ضرور مل گئی!

"میں نہیں سمجھی جنرل۔"

"ثاقب میری امیدوں کی قندیل بن گیا ہے۔" جنرل نے سرد لہجے میں کہا۔

"اوہ تو اب یہ تجربات آپ ان پر کریں گے۔"

"کیوں نہیں کروں گا۔ وہ انسانوں کی خصوصیات رکھنے والا ایک غیر انسانی وجود ہے جسے اس دنیا سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں ایک طویل انتظار سے بچ گیا گیتی اور اب میں اپنے اس تجربے کو دوبارہ شروع کرسکتا ہوں۔ بس اس لئے خوش ہوں۔"

گیتی خاموش ہوگئی' لیکن اس کے چہرے پر کسی قدر ناگواری کے آثار نظر آرہے تھے جسے جنرل نے محسوس کرلیا اور دوبارہ بولا۔ "کیوں گیتی تمہیں میرے اس انکشاف سے کوئی تکلیف پہنچی۔"

"ہاں جنرل!"

"ارے۔ وہ کیوں؟"

"آپ نے مجھے اس قابل کیوں نہیں سمجھا جنرل۔ کیا یہ تجربہ مجھ پر نہیں کیا جاسکتا تھا۔"

"اے بس رہنے دو۔ میں گدھا ہوں کیا۔ ذرا ذرا سی بات پر مجھے بلیک میل کرنے پر تل جاتی ہو۔ تم عورت ہو گیتی۔ ان خصوصیات سے بہت دور جو مرد کو حاصل

ہوتی ہیں۔ تم نہ ذہین ہو نہ کارکردگی کے معاملے میں جاندار۔ ذرا سی بات پر اوئی اللہ کہہ کر دوہری ہوجاؤ گی اور میرے پاس تمہیں عورت سے مرد بنانے کا کوئی فارمولا نہیں ہے۔"

"آپ میری توہین کررہے ہیں جنرل۔" گیتی بولی۔

"ہاں کررہا ہوں۔ بگاڑ لو میرا کچھ۔"

"اچھی بات ہے۔ میں دیکھ لوں گی' میں دیکھ لوں گی۔"

"چشمہ لگا کر دیکھنا۔ اب مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے سمجھیں۔" جنرل نے بھی حلق پھاڑ کر کہا اور گیتی پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی۔ جنرل اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور پھر اچانک ہی اس کے چہرے پر بدحواسی کے آثار نظر آئے۔

"اے.......... واقعی ناراض ہوگئی۔"

منور پوری گفتگو کے دوران خاموش رہا تھا۔ اس نے ان دونوں کی گفتگو میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی' گیتی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ بوڑھا منہ پھاڑے بیٹھا تھا۔ پھر اس نے منور کی جانب دیکھ کر کہا۔

"ابے' ابے وہ ناراض ہوگئی' کچھ سوچو کچھ سوچو تو' ناراض ہو کر وہ بہت خطرناک ہوجاتی ہے اور پھر میں خودکشی کے بارے میں غور کرنے لگتا ہوں۔"

"تم اس سے خوف زدہ ہو جنرل..........؟" منور نے پوچھا۔

"نہیں خوف زدہ نہیں ہوں' مگر وہ.......... تم جانتے نہیں ہو یار.......... وہ میری زندگی حرام کردے گی۔"

"کس طرح..........؟" منور نے سوال کیا۔

"کتے اور بلیوں سے' چوہے اور چھپکلیوں سے' ابے ہاں ایک بات تو بتاؤ" بوڑھے نے رازدارانہ انداز میں سوال کیا۔ "کیا تمہیں چھپکلیوں سے ڈر لگتا ہے؟" بوڑھے نے منور سے پوچھا۔

"چھپکلیاں کیا ہوتی ہیں..........؟"

"لمبی لمبی گھناؤنی نفرت انگیز اور سانپ.......... توبہ توبہ.......... سانپوں کے لجلجے پن سے تو مجھے سخت نفرت ہے' مگر میرے دوست اگر یہ ساری چیزیں مجھے اپنے بستر میں ملیں تو تم خود سوچو میرا کیا حشر ہوسکتا ہے..........؟"

"تمہارے بستر میں..........؟" منور نے تعجب سے پوچھا۔

"تو اور کیا اور کیا کرے گی وہ میرے ساتھ' اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتی ہے' مگر یہ سب کچھ اتنا خوفناک ہے کہ میری جان نکلتی ہے' تمہیں پتا ہے اس کے پاس کتنے سانپ ہیں..........؟"

"گیتی کے پاس..........؟" منور نے تعجب سے پوچھا۔

"تو اور کیا میں اپنی خالہ کی بات کررہا ہوں۔" بوڑھا جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ اس کا بار بار پٹڑی سے اتر جانا منور کے لئے بے حد حیرت انگیز تھا' عام حالات میں وہ ایک سنجیدہ آدمی تھا لیکن بعض اوقات وہ اتنا مسخرہ اور رنگکھنا ہو جاتا تھا کہ منور کو اس کی شخصیت پر تعجب ہونے لگتا تھا۔

"لیکن تم اس میں مداخلت کیوں نہیں کرتے جنرل..........؟"

"چھوڑو چھوڑو یار' فضول باتیں مت کیا کرو' ساری دنیا میں کوئی تو ایسا ہو جس کے کسی کام میں کوئی مداخلت نہ کی جائے' دنیا کے بہت سے برے لوگوں سے وہ بہت اچھی ہے مگر یار وہ ناراض ہوگئی ہے' تم خود سوچو' بھلا عورتوں پر بھی ایسے تجربات کئے جاسکتے ہیں لیکن ہاں تم یہ تو بتاؤ کہ کیا تم خود اس تجربے کے لئے تیار ہو؟"

کیا تجربہ کرنا چاہتے ہو جنرل..........؟" منور نے سوال کیا۔

"بس تم مجھے صرف ایک بات بتادو.......... میں تمہارا گوشت اور ہڈیاں الگ الگ کردوں تو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا..........؟"

"مجھے تمہاری کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے جنرل' کیونکہ مجھے تمہاری ذات پر اعتبار ہے۔" منور نے جواب دیا اور جنرل کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

"اگر یہ بات ہے میری جان تو بہرصورت اتنا بھروسہ ضرور رکھو کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا' جنرل دوستوں کا دوست ہے اور دوستوں کے انتخاب میں وہ بڑی احتیاط سے کام لیتا ہے۔"

"ٹھیک ہے جنرل میں تمہارے تمام تجربات کے لئے تیار ہوں' لیکن سب سے زیادہ الجھا دینے والا ایک سوال ہے جو میرے ذہن میں گردش کرتا رہتا ہے۔"

"وہ کیا..........؟" جنرل نے پوچھا۔

"ممکن ہے میری باتیں تمہیں پسند نہ آئیں..........؟"

"پروا مت کرو یار' کہہ ڈالو۔" جنرل نے فراخ دلی سے کہا اور منور کسی سوچ میں گم ہوگیا۔ پھر وہ بھاری لہجے میں بولا۔

"میں تمہاری دنیا سے تعلق نہیں رکھتا جنرل' لیکن بعض سوالات میرے ذہن میں آتے ہیں اور میں الجھ کر رہ جاتا ہوں۔"

"وہ کیا..........؟" جنرل نے پوچھا۔

"جنرل تم اپنی دنیا سے اس قدر بیزار ہو' تم یہاں کے لوگوں کو اس قدر ناپسند کرتے ہو' لیکن اس کے باوجود تمہارے ذہن کے گوشوں میں ایک جذبہ ایک احساس ضرور پوشیدہ ہے۔"

"کیا جذبہ' کیا احساس؟" جنرل نے پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا اور منور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم ان لوگوں سے نفرت کرنے کے باوجود ان سے محبت کرتے ہو۔" منور نے مضبوط لہجے میں کہا اور جنرل اسے خونخوار نگاہوں سے گھورتا رہا' چند لمحے وہ اسی انداز میں دیکھتا رہا' پھر غصیلے لہجے میں بولا۔

"تم نے پھر فلاسفر بننے کی کوشش کی' حالانکہ میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے فلسفہ بالکل پسند نہیں ہے۔"

"تم ان سے نفرت کرنے کے باوجود محبت کرتے ہو' میرا دماغ خراب ہے نا جو ان بھوتنی والوں سے محبت کروں.......... ارے کیا دیں گے یہ میری محبت کے جواب میں؟ نفرت' فریب' اور کیا ہے ان کے پاس۔"

"ٹھیک ہے جنرل میں مانتا ہوں تم درست کہہ رہے ہو یقیناً تمہاری محبت کے باوجود یہ تمہیں یہی سب کچھ دیں گے لیکن اس کے باوجود تم ان برے لوگوں کو چاہتے ہو۔"

"دیکھو دیکھو اب تم فضول باتیں مت کرو' ورنہ میں اٹھ کر چلا جاؤں گا۔" جنرل نے کہا۔

"میں تم سے پہلے ہی معذرت کرچکا ہوں جنرل اور اجازت لے چکا ہوں لیکن اس کے باوجود بھی اگر تم منع کرو گے تو میں خاموش ہو جاؤں گا.......... لیکن جو بات میرے ذہن میں الجھی ہے الجھی رہے گی۔"

"تمہارے بستر میں..........؟" منور نے تعجب سے پوچھا۔

"تو اور کیا اور کیا کرے گی وہ میرے ساتھ' اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتی ہے' مگر یہ سب کچھ اتنا خوفناک ہے کہ میری جان نکلتی ہے' تمہیں پتا ہے اس کے پاس کتنے سانپ ہیں..........؟"

"گیتی کے پاس..........؟" منور نے تعجب سے پوچھا۔

"تو اور کیا میں اپنی خالہ کی بات کر رہا ہوں۔" بوڑھا جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ اس کا بار بار پٹری سے اتر جانا منور کے لئے بے حد حیرت انگیز تھا' عام حالات میں وہ ایک سنجیدہ آدمی تھا لیکن بعض اوقات وہ اتنا مسخرہ اور کٹکھنا ہو جاتا تھا کہ منور کو اس کی شخصیت پر تعجب ہونے لگتا تھا۔

"لیکن تم اس میں مداخلت کیوں نہیں کرتے جنزل..........؟"

"چھوڑو چھوڑو یار' فضول باتیں مت کیا کرو' ساری دنیا میں کوئی تو ایسا ہو جس کے کسی کام میں کوئی مداخلت نہ کی جائے' دنیا کے بہت سے برے لوگوں سے وہ بہت اچھی ہے مگر یار وہ ناراض ہو گئی ہے' تم خود سوچو' بھلا عورتوں پر بھی ایسے تجربات کئے جاسکتے ہیں لیکن ہاں تم یہ تو بتاؤ کہ کیا تم خود اس تجربے کے لئے تیار ہو؟"

"کیا تجربہ کرنا چاہتے ہو جنزل..........؟" منور نے سوال کیا۔

"بس تم مجھے صرف ایک بات بتا دو.......... میں تمہارا گوشت اور ہڈیاں الگ الگ کر دوں تو کوئی اعتراض تو نہ ہو گا..........؟"

"مجھے تمہاری کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے جنزل' کیونکہ مجھے تمہاری ذات پر اعتبار ہے۔" منور نے جواب دیا اور جنزل کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

"اگر یہ بات ہے میری جان تو بہرصورت اتنا بھروسہ ضرور رکھو کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا' جنزل دوستوں کا دوست ہے اور دوستوں کے انتخاب میں وہ بڑی احتیاط سے کام لیتا ہے۔"

"ٹھیک ہے جنزل میں تمہارے تمام تجربات کے لئے تیار ہوں' لیکن سب سے زیادہ الجھا دینے والا ایک سوال ہے جو میرے ذہن میں گردش کرتا رہتا ہے۔"

"وہ کیا..........؟" جنزل نے پوچھا۔

"ممکن ہے میری باتیں تمہیں پسند نہ آئیں..........؟"

"پروا مت کرو یار' کہہ ڈالو۔" جنزل نے فراخ دلی سے کہا اور منور کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ پھر وہ بھاری لہجے میں بولا۔

"میں تمہاری دنیا سے تعلق نہیں رکھتا جنزل' لیکن بعض سوالات میرے ذہن میں آتے ہیں اور میں الجھ کر رہ جاتا ہوں۔"

"وہ کیا..........؟" جنزل نے پوچھا۔

"جنزل تم اپنی دنیا سے اس قدر بیزار ہو' تم یہاں کے لوگوں کو اس قدر ناپسند کرتے ہو' لیکن اس کے باوجود تمہارے ذہن کے گوشوں میں ایک جذبہ ایک احساس ضرور پوشیدہ ہے۔"

"کیا جذبہ' کیا احساس؟" جنزل نے پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا اور منور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم ان لوگوں سے نفرت کرنے کے باوجود ان سے محبت کرتے ہو۔" منور نے مضبوط لہجے میں کہا اور جنزل اسے خونخوار نگاہوں سے گھورتا رہا' چند لمحے وہ اسی انداز میں دیکھتا رہا' پھر غصیلے لہجے میں بولا۔

"تم نے پھر فلاسفر بننے کی کوشش کی' حالانکہ میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے فلسفہ بالکل پسند نہیں ہے۔"

"تم ان سے نفرت کرنے کے باوجود محبت کرتے ہو' میرا دماغ خراب ہے نا جو ان بھوتنی والوں سے محبت کروں.......... ارے کیا دیں گے یہ میری محبت کے جواب میں؟ نفرت' فریب' اور کیا ہے ان کے پاس۔"

"ٹھیک ہے جنزل میں مانتا ہوں تم درست کہہ رہے ہو یقیناً تمہاری محبت کے باوجود یہ تمہیں یہی سب کچھ دیں گے لیکن اس کے باوجود تم ان برے لوگوں کو چاہتے ہو۔"

"دیکھو دیکھو اب تم فضول باتیں مت کرو' ورنہ میں اٹھ کر چلا جاؤں گا۔" جنزل نے کہا۔

"میں تم سے پہلے ہی معذرت کر چکا ہوں جنزل اور اجازت لے چکا ہوں لیکن اس کے باوجود بھی اگر تم منع کرو گے تو میں خاموش ہو جاؤں گا.......... لیکن جو بات میرے ذہن میں الجھی ہے الجھی رہے گی۔"

"کون سی بات الجھی ہے اور کیوں الجھی ہے۔ تمہیں اس وقت ان لوگوں سے کیوں ہمدردی ہے اور تم ان کی وکالت کیوں کر رہے ہو؟"

"مجھے ان سے دلچسپی ہے جنرل نہ میں ان کی وکالت کر رہا ہوں۔ مجھے تو تم سے دلچسپی ہے اس لئے کہ تم میرے دوست ہو۔ میں تمہاری ذہنیت کا اندازہ کر رہا ہوں اور سوچتا ہوں کہ تم صرف ایک روٹھے ہوئے انسان ہو۔ تم اپنوں سے نفرت نہیں کرتے صرف ان سے ناراض ہو کیوں کہ انہوں نے تمہاری عظمت کو نہیں پہچانا۔ انہوں نے تمہاری محبت کے جواب میں تم سے وہ محبت نہیں کی جس کے تم حقدار تھے اور تم ان سے ناراض ہو گئے۔"

"اچھا اچھا بکواس بند کرو ورنہ الٹا ہاتھ دوں گا منہ پر............ ابے تمہیں ان ساری باتوں سے کیا مطلب۔ میرا موڈ خراب مت کرو میں بہت برا انسان ہوں۔"

"تم بہت اچھے انسان ہو جنرل' اتنے اچھے کہ لوگ تمہارے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تم میرے اوپر کوئی تجربہ کرنا چاہتے ہو نا............؟"

"ہاں' پھر............؟"

"تم نے یہ کیوں سوچ لیا جنرل کہ میں اس تجربے کے لئے تیار ہو جاؤں گا۔"

"کیا؟" جنرل کا منہ تعجب سے کھل گیا اور پھر اس کا چہرہ پھیکا پھیکا نظر آنے لگا اور پھر اس نے نیم مُردہ آواز میں کہا۔ "ہاں میں تمہیں مجبور تو نہیں کر سکتا............ لیکن ابھی تو تم نے آمادگی کا اظہار کیا تھا اب ارادہ کیوں بدل دیا؟"

"اب میں ایک شرط تمہارے سامنے پیش کروں گا جنرل۔ اگر تم میری شرط پوری کر دو تو میں خود کو اس تجربے کے لئے پیش کر سکتا ہوں۔"

"کہو کہو............ کیا شرط ہے؟" جنرل کے چہرے پر امید و بیم کی کیفیت نظر آ رہی تھی۔

"کم از کم چار ایسے انسانوں کو میرے سامنے لا کر قتل کرو جو مفلوک الحال ہوں اور کشمکش کی زندگی گزار رہے ہوں۔ بولو جنرل میری یہ شرط پوری کرو گے؟"

"کیا بکواس ہے؟" جنرل نے پریشانی سے کہا۔

"تمہارے تجربات تمہاری زندگی میں ایک نمایاں تغیر لائیں گے بولو جنرل۔ کیا اپنے عظیم تجربوں کی کامیابی کے لئے تم اتنا سا کام نہیں کر سکتے؟"

"فضول بات ہے' میں کسی کی زندگی کیوں لوں۔ میں اتنا سنگ دل تو نہیں ہوں۔"

"پھر خود کو سنگدل کیوں ظاہر کرتے ہو جنرل............ میری بات مان کیوں نہیں لیتے کہ تم ان سے نفرت نہیں کرتے صرف ناراض ہو۔"

"دیکھو بھائی............ اپنی کھوپڑی الٹی ہے۔ بڑی مشکل سے قابو میں آتی ہے اور تو بے تکی بکواس کر رہا ہے۔ تیری مرضی ہے تجربہ کے لئے تیار ہونا ہے ہو' نہیں ہوتا نہ ہو۔ میں تجھے مجبور نہیں کروں گا۔ بس اب یہ بے کار باتیں ختم کر دے۔"

"اب مجھے جانے کی اجازت دو جنرل............ میں اس عمارت میں بھی نہیں رہوں گا۔" منور نے کہا اور جنرل بے بسی سے اسے دیکھنے لگا۔

"ہو گیا نا زمین کے پانی کا اثر............" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"مجبوری ہے جنرل' تم میری بات ہی نہیں سن رہے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو آخر............"

"فرض کرو جنرل تم اپنی دنیا کے لوگوں سے نفرت کرتے ہو............ اگر آج کوئی تباہی آ جائے اور لوگ بے بسی سے مرنے لگیں تو کیا تمہارا ضمیر نہیں جاگے گا تمہیں لوگوں کی موت کا افسوس نہیں ہو گا؟"

"کیوں نہیں ہو گا؟"

"تم ان کے لئے کچھ نہیں کرو گے؟"

"کروں گا............ کرتا بھی ہوں............" جنرل کا لہجہ اب ڈھیلا پڑ گیا تھا۔

"کیا نفرت کی بنیادوں پر............؟"

"لیکن میں ان سے ربط نہیں رکھنا چاہتا۔"

"تمہاری دنیا کی آبادی کتنی وسیع ہے جنرل............ مانا تمہیں چند لوگوں سے بے حسی اور بے رحمی کی شکایت ہے لیکن اس دنیا میں ان کی تعداد کتنی ہے اور کیا تم ساری دنیا میں صرف خود کو تنہا مظلوم انسان خیال کرتے ہو؟............ نہیں جنرل تم تو ایک مضبوط انسان تھے۔ تم نے دنیا کی بے حسی سے اکتا کر اپنی ایک دنیا آباد کر لی۔ کیا دوسرے مظلوم بھی تمہاری طرح ایسی ہی عظیم الشان عمارتیں تیار کر کے ان میں محدود ہو سکتے تھے؟ تمہیں تو ان کا مددگار ہونا چاہئے تھا' جنرل۔"

"اور اس مدد کے صلے میں وہ مجھے کیا دیتے...........؟"

"تمہیں کیا چاہئے تھا جنرل........... کیا تمہارے پاس سب کچھ نہیں ہے' کیا تم کسی کے محتاج ہو؟"

"ہرگز نہیں۔"

"پھر صلے کے طلب گار کیوں ہو؟"

"لیکن میں ان کے لئے کیا کرتا...........؟"

"اپنی اس حسین عمارت سے باہر نکل کر اپنے جیسے مظلوم انسانوں کو کبھی نزدیک سے دیکھا ہے جنرل' اور ان کی تاریک جھونپڑیوں' ان کے تاریک دلوں میں جھانکو۔ زندگی ان کے لئے کتنی بری' کٹھن ہوگی تم ان جیسے انسانوں کا تجزیہ نہیں کرسکتے لیکن اپنی دنیا کی جو تصویر تم نے میرے ذہن میں منتقل کی ہے اس کے ذریعہ میری نگاہیں ان تک پہنچ رہی ہیں۔"

"تم کتے ہو........... کمینے ہو........... ذلیل انسان تم نے مجھے پریشان کردیا ہے۔"

"مجھے کچھ اور گالیاں دے لو جنرل لیکن اپنے جاگتے ہوئے ضمیر کی آواز پر نہ جاؤ........... تم اس ناپسندیدہ دنیا کو چھوڑ کر کسی سیارے میں آباد ہونے کی قوت رکھتے ہو۔ کیا لاکھوں مظلوم بھی ایسا ہی کرسکتے ہیں تم انہیں کس کے سہارے پر چھوڑ جاؤ گے؟"

"باپ ہوں میں ان کا؟" جنرل اچانک ہنس پڑا۔

"جنرل تمہارے پاس طاقت ہے۔ سیاروں کو آباد کرنے کے بجائے بجھے ہوئے دلوں کے چراغ جلاؤ جنرل تمہارے اردگرد روشنی ہی روشنی پھیل جائے گی۔"

"میرے باپ سے تمہارا کیا تعلق تھا؟" جنرل نے مسخرے پن سے پوچھا۔

"کچھ نہیں' کیوں؟" منور بے اختیار بول پڑا۔

"میرا خیال ہے تمہارے ہی مشورے پر اس نے میرا نام چراغ بیگ رکھا تھا۔" جنرل کا موڈ پھر سے خوشگوار ہوگیا اور منور بھی ہنسی نہ روک سکا۔

"میرا تعلق تو تمہاری دنیا کے کسی انسان سے بھی نہیں ہے جنرل' لیکن تم سے مل کر مجھے ان سب سے بے پناہ محبت ہوئی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے جنرل کہ تم خود کسی

سیارے پر جاکر آباد ہونے کی بجائے اپنی دنیا کے ان تھکے ہوئے لوگوں کو سہارا دو جن کا کوئی سہارا نہیں ہے' تمہیں اتنی مسرت ملے گی جنرل کہ تم جھولیاں بھرلو گے' تم باہر نکل کر اپنی دنیا کے سسکتے ہوئے انسانوں کو دیکھو' ہزاروں ہیں جو رات کو بھوک اور فاقے کے شکار ہوکر سونے کی کوشش کرتے ہیں لیکن نیند بھی ان کی تقدیر میں نہیں ہوتی' کتنے معصوم بچے ایسے ہیں جو بھوک کا شکار ہوکر دودھ کے چند قطروں کے لئے جان دے دیتے ہیں' تمہاری بے پناہ دولت' تمہاری بے اندازہ طاقت ان کے کسی کام کیوں نہیں آسکتی جنرل؟ تم چاہو تو انہیں زندگی کی بے پناہ مسرتیں مہیا کرسکتے ہو' وہ تمہاری ایک نگاہ کے طالب ہیں۔"

"میرے بھائی' تو نے تو فلسفی کا روپ اختیار کرلیا ہے' بس اب میرا زیادہ دماغ خراب نہیں کر' ورنہ میں خود تیرا دماغ ٹھکانے لگادوں گا۔ چل اب اٹھ جا یہاں سے' اٹھ جا' اٹھ جا..........." جنرل ہاتھ سے اشارہ کرتا ہو بولا اور منور کھڑا ہوگیا۔ جنرل اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اسے دروازے تک لایا اور پھر زور سے اسے دروازے کے باہر دھکا دے دیا' منور کئی قدم تک دوڑتا چلا گیا تھا لیکن اس کا دل خوشی سے منور تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ جنرل کو اس انداز میں متاثر کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے' چند ساعت وہ اس طرح کھڑا رہا' پھر اپنی آرام گاہ کی جانب بڑھ گیا۔ اپنی خواب گاہ میں داخل ہوا تو سامنے ہی کرسی پر گیتی بیٹھی ہوئی نظر آئی گیتی کے انداز میں بڑی تلخی تھی۔ وہ ہونٹ بھینچے خونخوار انداز میں اسے دیکھ رہی تھی' منور اندر داخل ہوا تو وہ اس طرح خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔

"مم........... میرا خیال ہے یہ میری خواب گاہ ہے۔" منور نے کہا۔

"تم تو اس پوری عمارت پر قبضہ جما چکے ہو' یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"نن نہیں تو' یہ تو تمہاری غلط فہمی ہے' میں تو تمہارا مہمان ہوں' جب تک چاہو گے مجھے رکھو گے اور جب چاہو گے نکال دو گے' تم اگر میری یہاں موجودگی پسند نہیں کرتیں تو چلا جاؤں' میں کسی دوسری جگہ جا بیٹھوں گا۔"

"نہیں مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔" گیتی غراتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تو پھر کرو۔"

"تم کون ہو؟" گیتی اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں نے بتایا نا کہ میرا نام کو ہے' اب تم مجھے ثاقب کہتے ہو تو یہی ٹھیک ہے مجھے کیا اعتراض ہے۔" منور نے جواب دیا۔

"میں بتاؤں تم کون ہو۔" گیتی عجیب سے انداز میں بولی۔

"تت تم۔ تم کیا بتاؤ گی۔ کیا تم نے مجھے نئے سرے سے دریافت کیا ہے؟" منور نے سوال کیا۔

"تم کوئی انتہائی چالاک آدمی ہو' شاید کوئی اخباری رپورٹر' یا پھر کوئی ایسا جرائم پیشہ انسان جو کسی خاص مقصد کے تحت اس عمارت میں آیا ہے۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔" منور نے بے بسی کا اظہار کیا۔

"حالانکہ تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو' مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو' ورنہ میں اتنی قوت رکھتی ہوں کہ چند لمحات میں سارا پانسہ پلٹ دوں' تم مجھے کوئی معمولی انسان سمجھتے ہو' دیکھو تم جو کوئی بھی ہو' مجھ سے تعاون کے بغیر تم یہاں کچھ نہیں کرسکتے۔"

"آپ گیتی ہیں نا!" منور نے معصومیت سے کہا۔

"صرف گیتی ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ بہت کچھ۔"

"میں مانتا ہوں' مگر آپ یقین کریں کہ ابھی آپ کی دنیا کی بے شمار باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں' آپ کا انداز کچھ عجیب سا ہے براہ کرم مجھے اس بارے میں سمجھادیں۔"

"میں تمہیں صرف ایک بات سمجھانا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"جنرل ٹابو بے حد معصوم انسان ہے' اتنا معصوم کہ اس دنیا میں اس کا گزارہ ہو ہی نہیں سکتا' سب کچھ ہونے کے باوجود وہ کچھ نہیں ہے' ایک چالاک آدمی اسے باآسانی بے وقوف بنا سکتا ہے' لیکن تم نہیں جانتے کہ وہ میرا کتنا بڑا محسن ہے' اس نے مجھے گندی نالی کے بدبودار پانی سے نکالا ہے۔ اس نے میری ذات پر وہ احسان کیا ہے کہ میں دس بار مر کر زندہ ہو جاؤں' تب بھی اس احسان کا بدلہ نہیں اتار سکتی' چنانچہ کوئی شخص اس عمارت میں جنرل ٹابو کو تو بے وقوف بنا سکتا ہے گیتی کو نہیں۔ میں اس کی محافظ ہوں اس کی معصومیت کی محافظ! اور تم۔ تم جو کھیل کھیلنا چاہتے ہو یقین رکھو

اس میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے یہ میری طرف سے تمہیں وارننگ ہے۔"

"میں تو تمہاری اس دنیا سے کچھ بھی لینا نہیں چاہتا' اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میں یہاں آکر کوئی غلط حرکت کرنا چاہتا ہوں تو سنو گیتی' میں دوبارہ تمہاری اس مشین میں بیٹھنے کے لئے تیار ہوں' مجھے واپس میرے سیارے میں بھیج دو' میں تمہیں تنگ کرنے دوبارہ نہیں آؤں گا' مجھے تو تم نے خود ہی بلوایا تھا ورنہ میں یہاں کیوں آتا۔"

گیتی اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر بولی۔

"تو تمہارا تعلق زمین سے نہیں ہے؟"

"نہیں۔" منور نے معصومیت سے گردن ہلادی۔

"پھر تم جنرل کو اس تجربے کے لئے منع کردو۔"

"کیوں؟"

"جنرل کے تجربات بعض اوقات الٹے سیدھے ہوتے ہیں ان میں زندگی کا خطرہ بھی پیش آسکتا ہے۔"

"مجھ پر غور کرو گیتی۔ میری حیثیت کیا ہے۔ نہ میں اپنی زمین پر ایک پسندیدہ انسان تھا اور نہ اب تمہاری زمین پر۔ مجھے زندگی سے اتنی دلچسپی نہیں ہے۔ اگر میں اپنے محسنوں کے کام آجاؤں تو اس سے اچھی بات اور کوئی ہو سکتی ہے۔"

منور نے ایسے دکھ بھرے لہجے میں اور اتنی معصومیت سے یہ بات کہی تھی کہ گیتی سُن ہو گئی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گئی۔ "میں تمہاری طرف سے مشکوک تھی۔ میں تمہیں غلط سمجھتی تھی لیکن لگتا ہے میں غلط فہمی کا شکار تھی۔ تم واقعی معصوم ہو اور اس دنیا میں تم جیسے معصوم انسانوں کا وجود نہیں ہے۔ میں تمہیں ایک تحفہ دینا چاہتی ہوں۔"

"تحفہ؟" منور نے سوال کیا۔

"ہاں۔ اسے میری طرف سے قبول کرو۔" گیتی نے اپنا پرس کھول لیا اور اس سے چھوٹی نسل کا ایک سیاہ سانپ نکال لیا۔ سانپ کی سرخ زبان بار بار باہر نکل رہی تھی۔ گیتی نے اسے منور کی طرف بڑھا دیا ایک لمحے کے لئے منور کے اوسان خطا ہو گئے تھے لیکن دوسرے لمحے وہ سمجھ گیا کہ کمبخت گیتی نے شاید اس کا آخری امتحان لینے کی کوشش کی ہے لیکن یہ سانپ اگر یہ گیتی کو نقصان نہیں پہنچاتا تو پھر اسے بھی

ضرر نہیں پہنچے گا..........“

ایک لمحے میں اس نے یہ سب کچھ سوچ لیا تھا دوسرے لمحے اس نے پسندیدہ انداز میں ہاتھ آگے بڑھالیا۔

”تمہارے اس خوبصورت تحفے کا شکریہ۔“ اس نے سانپ ہاتھ میں لے لیا۔

”کیا یہ کوئی جاندار شے ہے اس میں جنبش ہے؟“ گیتی گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی اور اس کے چہرے پر کسی حد تک پھیکا پن نظر آگیا تھا۔

”ہاں اسے سانپ کہتے ہیں۔ اب میرے پاس تمہاری امانت ہے۔ میں تمہیں اسے پالنے کا طریقہ سکھادوں گی۔“ اس نے آگے بڑھ کر منور کے ہاتھ سے سانپ لے لیا اور اسے دوبارہ پرس میں رکھ لیا۔ ”رات کو جلدی سوجاتے ہو ثاقب؟“

”نہیں۔ کیوں؟“

”رات کے کھانے کے بعد میرے پاس آنا۔ مجھے تم سے کچھ اور گفتگو کرنی ہے۔“

”اچھا۔“ منور نے معصومیت سے گردن ہلادی اور گیتی اس کے کمرے سے نکل گئی۔ منور پیشانی سے پسینہ پونچھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ اس کا اندازہ درست تھا۔ گیتی بے حد چالاک تھی اور اس کے بارے میں شبہے کا شکار لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اب بھی اس کا شبہ دور ہوا یا نہیں۔ رات کو نہ جانے اس نے منور کو کیوں بلایا تھا۔

رات کے کھانے پر گیتی موجود تھی۔ منور اور جنرل کے پہنچ جانے کے بعد وہ آئی تھی۔ متعدد بندر سروس کر رہے تھے۔ گھریلو امور انہی کے سپرد تھے اور منور کو ان کی تربیت کے بارے میں ابھی کچھ نہیں معلوم تھا۔

جنرل نے مسکراتے ہوئے گیتی کو دیکھا تھا اور پھر کھانے کے دوران وہ بولا۔

”انسان کی زندگی کے دو رخ ہوتے ہیں۔“

”کیا واقعی؟“ منور بول پڑا۔

”ہاں۔“ جنرل گیتی کی طرف متوجہ تھا۔

”لیکن۔ تم دونوں طرف سے یکساں ہو جنرل۔“ اس نے معصومیت سے کہا اور گیتی ہنس دی۔

”بولو کیا انعام چاہتے ہو گیتی کو منانے کا؟“ جنرل خوش ہو کر بولا۔

”میں اپنی توہین کو بھولوں گی نہیں جنرل۔“

”میں تمہاری یادداشت ہمیشہ کے لئے خراب کردوں گا اور تم ساری زندگی خود کو آلو بخارا کہتی رہو گی۔“

گیتی منہ بنا کر خاموش ہو گئی۔ اس کے بعد کھانا خاموشی سے کھایا گیا اور گیتی اٹھ گئی۔ ”ہم کل سے کام شروع کریں گے گیتی۔ تیار ہو جاؤ۔“ جنرل نے کہا۔

”اوکے جنرل!“ گیتی سپاٹ لہجے میں بولی اور باہر نکل گئی۔ جنرل گردن ہلانے لگا پھر اس نے بھاری لہجے میں کہا۔ ”جب تک یہ ٹھیک نہ ہوگی میں سُولی پر لٹکا رہوں گا۔“

”تم اس سے خوفزدہ ہو جنرل؟“

”ہاں ہاں۔ اس کے حربے بے حد خطرناک ہیں۔ ایسے ایسے جانور پال رکھے ہیں جن سے میری جان نکلتی ہے۔ ابے او تمہارے سینے پر چھپکلی رینگ رہی ہو تو کیا۔ ہاہا۔ ہاہا۔ ہاہا۔“ جنرل اس طرح اچھل کود رہا تھا جیسے کمر کے نیچے چھپکلی کو محسوس کرلیا ہو۔ اس کی یہ حرکت بے ساختہ تھی اور اس میں اداکاری کا دخل نہیں تھا۔

منور تعجب سے اسے دیکھتا رہا۔ جنرل تھوڑی دیر تک اچھلتا رہا اور پھر دوڑتا ہوا کمرے سے نکل گیا جیسے اپنی اس حرکت پر شرمندہ ہو۔

”چڑیا گھر ہے پورا۔“ منور نے سوچا اور پھر ایک گہری سانس لے کر خود بھی باہر نکل آیا۔ پوری عمارت خاموش روشنی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ راہداریوں میں بس بندر نظر آجاتے تھے جو رات کو مستعد رہتے تھے۔ ویسے منور سوچ رہا تھا کہ پولیس نے اس طرف کا رخ نہیں کیا۔ نہ جانے جنرل ٹابو کو یہ آسانیاں کیوں حاصل ہیں۔ ویسے اسے اپنے پھیلائے ہوئے ہنگاموں کا بھی خیال آگیا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک باہر کی دنیا سے کوئی رابطہ نہیں قائم ہوسکا تھا۔ کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا ویسے اس عمارت میں آنا جانا بھی خطرناک تھا ایک بار تو آسانی سے اندر آگیا تھا لیکن بار بار ممکن نہیں تھا اور پھر یہ شہر سے اتنی دور تھی کہ پیدل سفر ناممکن تھا۔ جب تک کوئی سواری نہ ہو اس کے لئے بھی کوئی حل تلاش کرنا پڑے گا۔

منور اپنی آرام گاہ میں واپس آگیا اور لباس وغیرہ تبدیل کر کے بستر پر لیٹ گیا' گیتی کی بات اس کے ذہن سے نکل ہی گئی تھی' لیکن اچانک اسے اس کا خیال آگیا اور

منور اچھل پڑا۔

جانا ضروری ہے‘ دیکھا تو جائے اس نے کیوں بلایا ہے‘ ویسے وہ پوری طرح ہوشیار ہو کر جانا چاہتا تھا‘ گیتی کا ذہن صاف کرنا ضروری تھا‘ ورنہ وہ منور کے راستے کی رکاوٹ بن سکتی تھی‘ اس کے علاوہ منور یہ بھی چاہتا تھا کہ کسی طرح اسے شیشے میں اتار کر باہر آنے جانے کا سامان پیدا کرلے۔ چنانچہ تھوڑی سی تیاریوں کے بعد گیتی کے کمرے کی جانب چل پڑا۔

گیتی کے پاس وہ کئی بار گیا تھا لیکن اس کی خوابگاہ اس نے آج تک نہیں دیکھی تھی‘ البتہ اسے خواب گاہ کا راستہ ضرور معلوم تھا چنانچہ دروازے پر پہنچ کر اس نے ہلکی سی دستک دی اور اندر سے گیتی کی آواز ابھری۔

"آجاؤ۔" منور نے دروازے کو دھکیلا اور اندر داخل ہوگیا‘ خوابگاہ کا سحر انگیز اور خاموش ماحول بلاشبہ حسین ترین تھا‘ گیتی اپنی مسہری پر تھی اور اس کی یہ مسہری تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ جو روشنیاں اس کمرے کو منور کررہی تھیں ان کا رخ کچھ اس طرح تھا کہ گیتی کی اپنی مسہری تاریکی میں رہے اور دوسری چیزیں اجاگر ہوجائیں۔ منور چند ساعت آنکھیں پھاڑتا رہا‘ پھر اسے گیتی کی آواز سنائی دی۔

"ادھر آجاؤ ثاقب اس طرف۔" اور منور ایک گہری سانس لے کر اس جانب بڑھ گیا‘ اب وہ گیتی کے ہیولے کو دیکھ سکتا تھا لیکن وہ نمایاں نہیں تھا۔ گیتی غالباً کوئی سیاہ چادر اوڑھے لیٹی ہوئی تھی اور اس طرح وہ مکمل طور پر تاریکی میں ضم ہوگئی تھی۔

منور نے مسہری کے سامنے اپنے بیٹھنے کے لئے نشست تلاش کی لیکن کوئی نشست اتنے قریب موجود نہیں تھی۔ چنانچہ وہ کمرے میں موجود چیزوں کو دیکھتا ہوا ایک نشست کی جانب واپس مڑا۔

"کہاں جارہے ہو؟" گیتی نے پوچھا اور منور رک گیا۔ "اس طرف آجاؤ میرے پاس۔" وہ بولی اور منور کے ذہن میں سنسناہٹ ہونے لگی‘ ممکن ہے یہ گیتی کا ایک اور امتحان ہو‘ اس نے سوچا اور اس امتحان پر پورا اترنے کا اس نے فیصلہ کرلیا۔ وہ اطمینان سے اس کی مسہری کے نزدیک پہنچ گیا اور پھر بیٹھ گیا۔

"ثاقب!" گیتی کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

"ہاں گیتی میں نے تم سے وعدہ کیا تھا نا۔"

"وعدہ کیا تھا تو پھر دور کیوں ہو؟" گیتی کی آواز کی لرزش منور کے کانوں میں کسی پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اترنے لگی۔ ایک لمحے کے لئے اس پر پھر بدحواسی طاری ہوئی لیکن دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا‘ تب گیتی آہستہ سے اٹھی اور اس نے منور کا بازو پکڑلیا۔

گیتی کے بدن کی چمک منور کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی‘ روشنیاں زیادہ دور نہیں تھیں اور منور باآسانی دیکھ سکتا تھا کہ گیتی کے بدن پر جو لباس ہے وہ ہوا کی طرح باریک ہے اور اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی عجیب سی کیفیت اس کے جذبات کی غماز تھی‘ تب گیتی نے اسے اپنی طرف موڑتے ہوئے کہا۔ "ثاقب! کیا تمہارے سیارے پر عورت کا وجود نہیں ہے؟" گیتی نے خمار آلود لہجے میں پوچھا۔

"عورت۔ ہاں کیوں نہیں‘ یہ دونوں صنف میرا خیال ہے کائنات کے ہر گوشے میں موجود ہیں۔"

"تب تمہارے جذبات اس قدر سرد کیوں ہیں؟" گیتی نے کہا۔

"میرے جذبات۔ سرد؟" منور نے تعجب خیز لہجے میں پوچھا۔

"میری جانب دیکھو ثاقب‘ میں کسی ویران میدان میں کھڑے ہوئے تنہا درخت کی مانند ہوں جس کی شاخیں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں اور جو پھلوں سے لدا ہوا ہے‘ اور اس ویرانے میں کوئی نہیں آتا‘ کوئی اس درخت کا حسن‘ اس کی خوبصورتی دیکھنے والا نہیں ہے‘ کوئی اس کے پھلوں کی لذت سے آشنا نہیں ہوتا‘ میں تنہا ہوں میں پیاسی ہوں ثاقب‘ تم میری زندگی میں ایک حسین مسافر کی مانند آئے ہو۔"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"وہ جو ازل سے ان دونوں صنفوں کی قسمتوں میں لکھ دیا گیا ہے وہ جو ہر دل کی‘ ہر احساس کی طلب ہے۔"

"براہ کرم مجھے کھل کر بتاؤ گیتی‘ تم نے مجھے کیوں بلایا ہے اور میں تمہارے لئے کیا کرسکتا ہوں؟"

"ثاقب!" گیتی نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیئے۔ "میرے نزدیک آجاؤ ثاقب‘ میرے وجود کو اپنے اندر سمیٹ لو ثاقب‘ میں پیاسی ہوں‘ میں

شدت سے پیاسی ہوں۔"

"تو پھر میں تمہارے لئے پانی لے آؤں؟" منور نے معصوم لہجے میں کہا۔

"بننے کی کوشش مت کرو' تمہارا تعلق دنیا کے کسی بھی حصے سے ہو' لیکن تمہارا قد و قامت' تمہارا حلیہ' تمہارا احساس' تمہارے جذبات ایک مرد کی مانند ہیں اور میں اس میں کوئی کمی قبول نہیں کر سکتی۔ میں جانتی ہوں کہ تم مرد ہو' ایک مرد ہی کی طرح شدید اور جذباتیت کے طالب بھرپور اور طاقتور' میں عورت ہوں۔ ثاقب' اور ایک مرد کی حیثیت سے تمہیں پسند کرنے لگی ہوں' ثاقب اب اور زیادہ انتظار مت کراؤ' میرے نزدیک آجاؤ' مجھے خود میں سمیٹ لو' میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔" منور اس کے اور نزدیک پہنچ گیا۔

"اب کیا کروں؟" اس نے صاف لہجے میں پوچھا۔ جذبات کی کوئی لرزش اس کی آواز میں نہیں تھی وہ پوری طرح پُرسکون تھا۔

"ثاقب۔ ثاقب۔ کیا تم نے عورت کی قربت کبھی نہیں حاصل کی؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"میرے سیارے پر عورت محدود ہے۔ وہ تنہائیوں میں رہتی ہے اور صرف نمود کے کام آتی ہے۔" منور نے جواب دیا۔

"نمود کی ترتیب کیا ہے؟"

"مشینی ذرائع سے اس کی تخلیق کی جاتی ہے اور عام لوگوں کو اس کے قریب نہیں جانے دیا جاتا۔"

"کیا۔ تو کیا تمہارے سیارے پر حسن و عشق کی داستانیں نہیں ہوتیں؟"

"تمہاری دنیا کے بے شمار الفاظ میرے لئے اجنبی ہیں۔" منور نے کہا اور اچانک گیتی پلٹ پڑی۔ اس نے کوئی عمل کیا اور تیز روشنی پھیل گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سیاہ چادر اپنے بدن پر گھسیٹ لی تھی اب وہ عجیب سی نگاہوں سے منور کو دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا انداز' تمہاری ایک ایک جنبش میرے شبہ کو تقویت دیتی ہے ثاقب کہ تم اس دنیا کے انسان ہو اور کسی دوسرے سیارے کا باشندہ ہونے کی اداکاری کر رہے ہو

لیکن.......... اس وقت کے بعد سے میں تمہاری عزت کروں گی۔ تم کوئی بھی ہو میرے لئے ایک منفرد مقام رکھتے ہو۔ جانتے ہو کیوں؟"

چند ساعت رکی پھر بولی" تم ایک پُرہوس بھیڑیئے نہیں ہو۔ انسان کے روپ میں انسان ہی ہو۔ اگر تم اس دنیا کے انسان ہو ثاقب تو یقین کر لو۔ یہ صرف تمہارا امتحان تھا اور تم اس امتحان میں پورے اترے ہو۔ تم کوئی بھی ہو اب میں یہاں تمہاری حامی ہوں۔ تم نے زندگی کے احساس کو زندہ کیا ہے۔ تم نے میرے خیالات کو بدل دیا ہے۔ ورنہ انسان میری نگاہوں میں ایک جانور کے سوا کچھ نہیں تھا۔ مجھے اس کے وجود سے گھن آتی تھی شاید اس لئے کہ مرد کے روپ میں' میں نے ہمیشہ بھیڑیئے دیکھے.......... نوچنے اور پھاڑنے والے بھیڑیئے۔ بس ثاقب۔ اب جاؤ آرام کرو۔ اب میں تمہاری دوست ہوں۔"

"مجھے بھی کچھ بتاؤ۔" منور نے بے بسی سے کہا۔

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"یہ سب کیا تھا۔ تم نے مجھے کیوں بلایا اور ان باتوں کا کیا مقصد ہے؟"

"کچھ نہیں ثاقب ڈیئر۔ اب سب ٹھیک ہے۔ پہلی بار دل سے تمہیں اس عمارت میں خوش آمدید کہہ رہی ہوں۔"

"اس سے قبل تم نے ذہنی طور پر مجھے قبول نہیں کیا تھا؟"

"اس وقت تو میرے دل میں کوئی برائی نہیں تھی جب میں نے تمہیں ریسیور میں دیکھا تھا لیکن بعد میں مجھے تمہارے اوپر شبہ ہو گیا۔ چھوڑو ان باتوں کو۔"

"کیا تم بھی جنرل کی طرح اپنی دنیا اپنے لوگوں سے بیزار ہو؟"

"ہاں میری دنیا غلاظت سے بھرپور ہے۔"

"ساری دنیا؟"

"نہیں' لیکن اکثریت برے لوگوں کی ہے۔"

"اور جو برے نہیں ہیں؟"

"وہ میری طرح سے کسی کے شکار ہو جاتے ہیں۔"

"تو پھر تم ان لوگوں سے نفرت کیوں کرتی ہو جو تمہاری طرح بے بس ہیں تمہیں تو ان لوگوں کی مدد کرنی چاہئے چند برے لوگوں کی وجہ سے نفرت نہیں کی جانی

چاہئے۔"

"میں ان بے چاروں کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟" گیتی نے کہا اور منور خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر ایک دم بولا۔

"گیتی کیا تم مجھے اپنی دنیا نہیں دکھاؤ گی؟"

"کیا کرو گے اسے دیکھ کر؟ اس میں کچھ نہیں ہے۔" گیتی اب کسی حد تک نارمل ہوگئی تھی۔ منور نے اب خاموشی اختیار کرلی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اجازت مانگی۔ گیتی کے انداز سے بھی اس بات کا اظہار ہورہا تھا جیسے وہ اب منور کے چلے جانے کی خواہاں ہو۔ اس نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ منور کو الوداع کہا اور منور باہر نکل آیا۔ اس نے گیتی کی جلتی ہوئی آنکھوں کو نہیں دیکھا تھا نہ ہی یہ محسوس کیا تھا کہ وہ اسے دیر تک دیکھتی رہی ہے۔

منور کے جانے کے بعد وہ کمرے میں آگئی کمرہ اندر سے بند کیا اور اپنے بدن کا ایک ایک تار نوچ پھینکا۔ اس کے منہ سے عجیب سی کراہیں نکل رہی تھیں اور وہ بار بار خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

دوسرے لمحے اس نے دیوار میں بنے خانوں سے کئی سانپ نکال لئے اور سانپ اس کے سینے پر کلبلانے لگے۔ وہ انہیں اذیت دینے کے لئے ان کی دُمیں مروڑ رہی تھی اور سانپ اس کے بدن سے لپٹ رہے تھے۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ منور گہری نیند سو رہا تھا۔ دروازہ اتنی زور سے بجایا جارہا تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی۔ چند لمحات تو کچھ نہ سمجھ سکا لیکن پھر چونک کر اٹھ بیٹھا۔ بہت سے وسوسے اس کے ذہن میں جاگے تھے۔ کہیں پولیس تو نہیں پہنچ گئی۔ دروازہ بدستور پیٹا جارہا تھا تب اس نے مسہری سے اتر کر دروازہ کھول دیا۔

بوڑھا جنرل آندھی اور طوفان کی طرح اندر داخل ہوگیا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے منور کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا اور اچھل اچھل کر کئی ٹکریں اس کے سینے پر ماریں۔ پھر بھی کمزور ضربیں تھیں لیکن اس کے ساتھ ہی بوڑھا چیخ رہا تھا۔ "مار ڈالوں گا۔ زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم تم شیطان ہو یقیناً تم شیطان ہو۔"

منور خاموشی سے اس کی ضربیں برداشت کرتا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں اب صرف دو خیالات تھے یا تو اسے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ منور کا تعلق کسی سیارے سے

نہیں بلکہ وہ زمین ہی کا انسان ہے یا پھر گیتی کی خواب گاہ کے بارے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں جنرل تھک گیا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ "ابے تم چوہے ہو، بالکل ہی چوہے ہو سالے۔ مجھے روکو۔"

"خود ہی رک جاؤ گے جنرل۔" منور مسکرا کر بولا۔

"تم نے میری پوری رات کی نیند حرام کردی ہے۔ تم نے میرے ذہن کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ میں نے دن میں تمہاری باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن رات میں سونے کی کوشش کرتا تھا لیکن تمہاری باتیں بچھوؤں کی طرح سے ذہن میں رینگ رہی تھیں۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں قتل کردوں۔ گردن دبا دوں تمہاری۔"

"دبا دو جنرل، لیکن تعجب کی بات ہے تم میری گردن دبانے پر آمادہ ہو لیکن اپنے ضمیر کی آواز نہیں دبا پارہے۔"

"ضمیر کی ایسی تیسی۔ میرے لئے کسی کا ضمیر جاگا تھا؟" بوڑھا چیخ کر بولا۔

"تمہاری کہانی مجھے نہیں معلوم جنرل لیکن اگر تمہارے ساتھ ناانصافی ہوئی تھی تو اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے لئے تو تمہارا دل نرم ہوجانا چاہئے تھا۔ تم ان حالات سے نکل آئے لیکن سب تمہاری طرح آہنی انسان نہیں ہوں گے۔ انہیں اس بھنور سے نکالنے والا کوئی نہیں ہے۔"

"اوہ۔ تم نہیں جانتے ثاقب۔ مجھے اس چہار دیواری سے باہر کی دنیا سے کس قدر خوف محسوس ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ ساری دنیا ایک جنگل ہو۔ بھیانک درندوں سے بھرا ہوا جنگل۔ جونہی میں باہر نکلا وہ مجھے چیر پھاڑ ڈالیں گے۔ میں نے اس لئے دیواروں میں کرنٹ دوڑایا ہے تاکہ کوئی اندر نہ آنے پائے۔"

"گزرے ہوئے وقت کو بھلا دو جنرل۔ اُس وقت تم کمزور تھے لیکن آج تم ان درندوں سے کہیں زیادہ طاقتور ہو۔ آج تم بیک وقت ان سب کی گردن مروڑ سکتے ہو۔ اپنی قوتوں کو لے کر باہر نکلو اور اپنے جیسے مظلوم انسانوں کی مدد کرو۔ تم کسی سیارے پر جانے کی بات کرتے ہو جنرل یہ بزدلی ہے کیا تم بزدل ہو؟ بھاگنے والے بزدل ہی تو کہلاتے ہیں۔"

"میں بزدل نہیں ہوں۔"

"ہاں تم بزدل نہیں ہو جنرل۔ بس تم نے اس انداز سے سوچا نہیں۔ تمہارے پاس بے اندازہ دولت ہے۔ بے اندازہ سائنسی قوتیں ہیں۔ اپنی دولت اپنی ذات پر مت خرچ کرو' اپنی سائنسی طاقت کسی سیارے کی سوچ تک محدود نہ کرو۔ بلکہ اس طاقت کو ان انسانوں کی فلاح کے لئے خرچ کرو جو دولت مند بھیڑیوں کے ظلم کا شکار ہیں۔ وہ زندگی کے بھیانک غار میں سانس لے رہے ہیں انہیں باہر لے آؤ جنرل تم یہ کام کرسکتے ہو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں؟" جنرل پریشانی سے بولا۔

"میرا مشورہ مانو گے جنرل!" منور نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں کہو۔"

"میرا گریبان چھوڑ دو۔" منور نے آہستہ سے کہا اور جنرل نے بوکھلائے ہوئے انداز میں منور کا گریبان چھوڑ دیا جو وہ گفتگو کے دوران پکڑے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پر سخت شرمندگی کے آثار نمودار ہوگئے تھے۔

"آئی ایم سوری۔ میرے اندر کچھ کمزوریاں ہیں۔ ذرا سی ذہنی گرانی برداشت نہیں ہوتی۔ نیند نہ آنے کی وجہ سے میں پریشان ہوگیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں ہے جنرل۔ تم میرے محسن بھی ہو۔ اگر تھوڑی سی زیادتی ہو جائے تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

"ذلیل مت کرو اب۔ معاف کردو۔" جنرل منور سے شرمندہ لہجے میں بولا۔

"یقین کرو جنرل' میرے ذہن میں تمہارے لئے کوئی کدورت نہیں ہے۔ آؤ بیٹھو۔ بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" منور نے کہا اور جنرل ایک نشست پر بیٹھ گیا۔

"بس جھلا کر تمہاری طرف دوڑ پڑا تھا۔ تمہاری کہی ہوئی باتوں نے میرا ذہنی سکون چھین لیا تھا۔ بہرحال بتاؤ اب جو آگ تم نے ذہن میں لگادی ہے اسے بجھانے کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟"

"افسوس تو یہ ہے جنرل کہ میں تمہاری دنیا سے ناواقف ہوں۔ کیا تم مجھے ان میں داخل ہوکر انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع دو گے؟"

"ان کے درمیان جاکر تم خطرات میں گھر جاؤ گے۔"

"اس کے باوجود میں تیار ہوں جنرل!"

"اچھا پھر کیا کرو گے؟"

"میں ان لوگوں کے مصائب معلوم کروں گا جو تمہاری دنیا کے ظالموں کے ظلم کا شکار ہیں اور پھر ہم ان کے مصائب کا خاتمہ کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"وہ کس طرح؟"

"تمہاری سائنسی قوتوں سے۔ آخر تمہاری عظیم ذہانت کس کام آئے گی۔"

"ہاں۔ وہ تو ٹھیک ہے۔"

"تمہاری زندگی میں مسرتیں ہی مسرتیں بھر جائیں گی جنرل۔ تم بے پناہ خوشیوں کے درمیان گھر جاؤ گے۔ لاکھوں دلوں سے تمہارے لئے دعائیں ابھریں گی اور تمہارا دامن تنگ ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے لیکن کیا تم یہ کام خود ہی کرلو گے؟"

"ہاں جنرل۔ تم نے میرے ذہن کو جو روشنی دی ہے اس نے مجھے بہت کچھ سکھادیا ہے۔ میں زیادہ بہتر طریقے سے ان کا جائزہ لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ تعاون کروں گا لیکن میرا ایک اہم منصوبہ نامکمل رہ جائے گا جس کے لئے میں نے سخت محنت کی ہے۔" جنرل نے سادہ دلی سے کہا۔

"کیا منصوبہ ہے؟"

"سنو گے تو اس تجربے کے لئے تیار نہیں ہو گے۔"

"وعدہ کرتا ہوں جنرل تیار ہو جاؤں گا۔" منور نے کہا۔

"چھوڑو ثاقب۔ اب ان تجربات میں سر کھپانے سے کیا فائدہ۔ تم نے میری سوچ کا رخ ہی بدل دیا۔ اب میں اپنے تجربے زمین کے لئے کروں گا!"

"ضروری نہیں ہے جنرل۔ زمین کے لئے بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔ اس کی اتنی جلدی نہیں۔ تمہارا منصوبہ کیا تھا؟"

"دراصل ثاقب۔ تم ایک سیارے کے نوجوان ہو۔ شاید دوران گفتگو تمہیں اس بات کا اندازہ ہوا ہو کہ میں نے کہکشاں میں اپنا ایک سیارہ داخل کرلیا ہے۔ اس سیارے سے ہر وقت ایک مخصوص قسم کی شعاعیں خارج ہوتی ہیں جو کسی بھی مادی شے کو اپنی گرفت میں لے کر اس کے مخصوص نظام میں داخل کردیتی ہیں اور یہاں اس

مادی شے کا مادہ منتشر ہو جاتا ہے۔ زمین پر میرا ریسیور اس مادے کو وصول کر کے اس کی ترتیب کر دیتا ہے اور یہی تمہارے یہاں آنے کا عمل ہے۔"

"اوہ۔ واقعی حیرتناک تجربہ ہے۔" منور نے کہا۔

"میں زمین سے اس تجربے کو دہرانا چاہتا ہوں۔ میں اس سے قبل بھی یہ تجربہ کر سکتا تھا لیکن وہی عدم اعتماد۔ میں اپنی زمین کے کسی نوجوان سے مطمئن نہیں تھا لیکن تمہارے آنے کے بعد میرے ذہن میں یہ آرزو پھر سے بیدار ہو گئی۔"

"خوب لیکن اس میں میرے لئے بھی تو خطرات ہوں گے جنرل۔"

"ذرا برابر نہیں۔ میں ایک بندر کو زمین سے نشر کر چکا ہوں لیکن وہ بدبخت واپس آ کر کچھ بتانے سے قاصر رہا تھا اس لئے میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔"

"گویا تمہیں کسی خطرے کا احساس بہت کم ہے۔ میرا مطلب ہے تمہارا یہ تجربہ میرے لئے نقصان دہ نہیں ہو سکتا۔"

"کسی ذرے کے ہزارویں حصے کے برابر بھی نہیں۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔"

جنرل کے چہرے پر امید و بیم کی جھلکیاں نظر آ رہی تھیں۔ منور کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو میں تیار ہوں۔" اور جنرل خوشی سے اچھل پڑا۔

"وہاں سے واپسی پر میں تمہارے مشوروں سے یہ کام کروں گا۔ یقین کرو یہ میری بچپن کی آرزو ہے۔"

"ٹھیک ہے جنرل۔ یہ تجربہ کب کریں گے؟"

"تم تیار ہو جاؤ تو کل رات ہی۔" جنرل خوشی سے بھرپور لہجے میں بولا۔

"آپ تیاریاں کریں۔ میں آپ کے اس تجربے کے لئے خود کو پیش کرتا ہوں۔"

منور نے کہا اور جنرل دیر تک اس سے خوشی کا اظہار کرتا رہا۔ پھر وہ چلا گیا۔ منور اس عجیب و غریب شخصیت پر غور کر رہا تھا۔ ویسے اس تجربے سے منور کسی قدر خوفزدہ بھی تھا۔ اس خبطی جنرل کی کوئی کل سیدھی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ نہ جانے اس کا یہ تجربہ بھی کامیاب ہو یا نہ ہو۔ ایسی صورت میں اس کا کیا بنے گا! لیکن منور ہر طرح اس کا اعتماد چاہتا تھا۔ جنرل کو وہ اپنے کام کے لئے کافی حد تک آمادہ کر چکا تھا اور اسے یقین تھا کہ جنرل پوری طرح اس کی مدد کرے گا۔ یوں بھی کسی مشن کی تکمیل کے لئے قربانی

ضروری ہوتی ہے۔ پولیس اس کے پیچھے ہے ممکن ہے وہی کامیاب ہو جائے۔ چنانچہ اس طرح بھی رسک لیا جا سکتا ہے۔ پھر ایک ترکیب اس کے ذہن میں آئی۔ گیتی سنجیدہ لڑکی ہے۔ وہ اس سے اور مشورہ کر لے گا۔ ممکن ہے وہ کوئی بہتر مشورہ دے سکے۔

دوسرے دن ناشتے کی میز پر جنرل موجود نہیں تھا۔ گیتی نے نائن کو ہدایت کی کہ وہ جنرل کو بلا لائے لیکن تھوڑی دیر کے بعد نائن واپس آ گیا۔ اس نے کچھ اشارے کئے تو گیتی نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔ "ناشتہ کرو ثاقب۔ وہ لیب میں ہیں۔" گیتی نے کہا اور ناشتے کی طرف ہاتھ بڑھا دیئے۔ منور بھی شروع ہو گیا تھا۔ پھر ناشتے کے دوران اس نے کہا۔

"تم نے ان بندروں کو خوب تربیت دی ہے۔ تم ان کے اشارے کس طرح سمجھ لیتی ہو گیتی!"

"کچھ دن انتظار کر لو۔ تم بھی سمجھنے لگو گے۔"

"جنرل اپنی لیبارٹری میں کیا کر رہے ہیں تمہیں معلوم ہے؟" منور نے سوال کیا۔

"نہیں۔"

"وہ شاید آج رات میرے اوپر تجربہ کر رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" گیتی چونک پڑی۔

"ہاں رات کو مجھ سے گفتگو ہوئی تھی۔"

"اوہ۔" گیتی ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "کیا انہوں نے تجربے کی نوعیت بتائی تھی؟"

"ہاں ان کا خیال ہے کہ وہ مجھے اپنے اس مصنوعی سیارے میں بھیجیں گے جو کہکشاں میں گردش کر رہا ہے۔"

"تم نے آمادگی کا اظہار کر دیا۔"

"تم لوگ میرے محسن ہو گیتی۔ اپنے سیارے کے ماحول سے میں اتنا اکتایا ہوا تھا کہ ختم ہو جانا چاہتا تھا لیکن اب میں تم لوگوں کے درمیان بے حد خوش ہوں۔ اگر تمہاری خوشی کے لئے مجھے کچھ کرنا پڑے تو میں اس سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" گیتی نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا گیتی؟"

"میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔ بڑی مشکل سے یہاں کے ماحول میں ایک تبدیلی

ہوئی ہے یہ تبدیلی اس طرح ختم نہیں ہونی چاہئے۔"

"تو کیا میں وہاں جا کر واپس نہیں آؤں گا؟"

"جنرل ٹابو بے شک ایک ذہین سائنس دان ہے۔ اس کے کام حیرت انگیز ہیں لیکن میں اس کی ذہنی حالت سے مطمئن نہیں ہوں۔ ایک تجربہ کرتے کرتے اگر اس کی ذہنی رو بھٹک جائے تو دوسرا تجربہ شروع کر دیتا ہے اور دونوں کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔ عام معاملات میں تو مداخلت نہیں کرتی لیکن اس سلسلہ میں کچھ کرنا پڑے گا۔"

"اوہ۔ نہیں گیتی۔ میں نہیں چاہتا کہ جنرل ٹابو کو مجھ سے کوئی شکایت پیدا ہو۔ میں نے ان سے آمادگی کا اظہار کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ انہیں تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"پھر؟"

"تم بے فکر رہو ثاقب۔ میں اس ماحول سے پوری طرح واقف ہوں اور میں جانتی ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھے اس بارے میں بتا دیا۔ اب تم محفوظ ہو۔" گیتی نے کہا اور منور خاموش ہو گیا۔

تقریباً گیارہ بجے جنرل ٹابو اسے تلاش کرتا ہوا پہنچ گیا۔ منور اُس وقت اپنی آرام گاہ میں ہی موجود تھا۔ جنرل ٹابو مسکراتا ہوا اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"کیا کر رہے تھے ثاقب' مجھے افسوس ہے کہ صبح ناشتہ پر تم سے ملاقات نہیں ہو سکی' دراصل میں آج کا کام کل پر چھوڑنے کا عادی نہیں ہو' ہم نے ایک فیصلہ کیا اور میں نے اس پر عمل درآمد کرنے کے لئے آخری کارروائیاں کرنا شروع کر دیں۔ تمہارے پاس سے آنے کے بعد میں چند منٹ کو اپنی خواب گاہ میں رہا' پھر مجھے سکون نہ ملا تو میں لیبارٹری میں پہنچ گیا اور اس وقت سے اس وقت تک میں اپنے کام میں مشغول رہا' میں تمہیں خلا' کے سفر پر بھیجنے کی تیاریاں مکمل کر چکا ہوں اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس بار گیتی کو بھی اس بارے میں معلوم نہیں ہے۔"

"اوہ جنرل میرا خیال ہے کہ گیتی آپ کی معاون ہے۔" منور نے کہا۔

"ہاں' اس کے بغیر تو میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا' لیکن کبھی ذرا گڑبڑ کر جاتی ہے' مجھے خطرہ تھا کہ کہیں وہ اس تجربے کو ناپسند نہ کرے' تاہم اب اس سے بھی رابطہ قائم کرنا ہے' میں چاہتا ہوں کہ تجربے کے وقت سے تھوڑی دیر قبل اسے تفصیلات

بتاؤں' ورنہ وہ اعتراض کر سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے جنرل' ظاہر ہے' ان معاملات میں آپ بہتر جانتے ہوں گے؟"

"تم تو تیار ہونا۔ تمہارے پروگرام میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی؟" جنرل ٹابو نے پوچھا۔

"نہیں جنرل' میرا اپنا کوئی پروگرام کیا ہونا ہے' ظاہر ہے تم میرے محسن' میرے مربی ہو' میں بھلا اپنے پروگرام میں کوئی تبدیلی کیسے کر سکتا ہوں۔"

"چھوڑو بھئی چھوڑو ان فضول باتوں کو' میں بہت خوش ہوں' مجھے رنجیدہ مت کرو' لیکن تم یہ کیوں سوچ رہے ہو کہ تم کسی بھی طور میرے محکوم ہو' اب بس اتنی سی بات ہے کہ تم خلا سے میرے پاس آ گئے اور میں نے اپنے دوست کی حیثیت سے تمہیں خوش آمدید کہا' بھلا یہ بھی کوئی احسان ہوا۔ ہونہہ!" جنرل نے برا سا منہ بنا کر کہا اور منور دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔

"تو پھر آؤ' میں تمہیں لیبارٹری کے ان حصوں کی سیر کرا دوں جن کے ذریعے ہمیں کام کرنا ہے۔"

"چلو جنرل!" منور نے آمادگی کا اظہار کر دیا اور جنرل اسے لے کر چل پڑا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ عمارت کے اس حصے میں تھا جہاں کہکشاں زمین پر اتر آئی تھی۔ بلاشبہ منور نے یہ منظر اس سے قبل نہیں دیکھا تھا۔ حالانکہ دن کا وقت تھا لیکن اس جگہ رات کی سی تاریکی چھائی ہوئی تھی' خاموش ماحول میں ایک عجیب سی کیفیت نظر آ رہی تھی یہاں سورج بھی چمک رہا تھا اور ستارے اس کی زد میں آنے والی کرنوں میں ماند پڑ گئے گویا کہکشاں کی مکمل تصویر اس جگہ موجود تھی۔

"یہاں رات ہو جائے گی اور ستارے پوری آب و تاب سے چمکنے لگیں گے۔ اور ان کے درمیان تم میرے اس مصنوعی سیارے کو دیکھ سکتے ہو' جسے دنیا کی کوئی بھی آبزرویٹری کوئی مصنوعی سیارے قرار نہیں دے سکتی' میں نے یہ خیال رکھا ہے کہ خلائی تحقیقاتی مراکز کو میرے سیارے کے بارے میں کچھ نہ معلوم ہو سکے۔ میں نے تم سے کہا نا ثاقب کہ اس زمین پر بسنے والے عجیب ہیں۔ انہوں نے ہر شعبے پر اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ ایک کام اعلیٰ پیمانے پر کرتے ہیں اور خود کو عظیم محقق کا درجہ دیتے ہیں اور اگر کوئی دوسرا وہ کام اپنے طور پر کر لے تو جرم۔ خلائی تحقیقاتی مراکز

اعلیٰ پیمانے پر کام کر رہے ہیں لیکن ہر مرکز دوسرے مرکز کو نیچا دکھانے کی فکر میں سرگرداں رہتا ہے۔ تم اگر کوئی بڑا کام کرو تو لاکھوں دشمن پیدا کرلو گے جو اس تاک میں رہیں گے کہ تمہاری کاوشوں کو تم سے چھین لیں اور اگر تم زیادہ ذہین ہو تو تمہیں ختم ہی کردیں گے۔"

"واقعی یہ تو عجیب سوچ ہے۔"

"میں نے ان وجوہات کی بنا پر خود کو اس دنیا سے الگ تھلگ کرلیا ہے کوئی ایک بات ہو تو تمہیں بتاؤں۔"

"خلائی تحقیق تمہارا شوق ہے اور اپنی دنیا کے لوگوں کی فلاح کے لئے کام کرنا تمہارا فرض ہے۔ تمہارا مقصدِ حیات۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ تم نے میری سوچ میں ایک نئی تبدیلی پیدا کی ہے میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں ثاقب۔ تم میری زندگی میں ایک مشعل بن گئے ہو۔ اس دوران میں نے بہت کچھ سوچا ہے۔"

"کیا جنرل؟"

"میں نے سوچا ہے کہ ممکن ہے میں تمہارے ذریعے یا کسی اور ذریعہ سے مدار یا اس جیسے کسی اور سیارے تک پہنچ جاتا اور وہاں کسی الجھن میں گرفتار ہو جاتا تو کیا میں خود کو معاف کرسکتا تھا۔ میں آخری سانس تک یہی سوچتا رہتا کہ میں نے آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے اور خود ہی دلدل میں آدھنسا ہوں۔ میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ میں کچھ کرنا چاہتا تھا لیکن سمجھ نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ میں نے واقعی اپنی زمین کے تاریک گوشوں میں رہنے والوں کو نہیں دیکھا تھا۔ میں ان کے مصائب سے ناآشنا تھا اور ہمدردیوں کی کوئی جہت ان کے لئے میرے ذہن میں نہیں آئی تھی لیکن ان کی زندگی سدھارنے کا کام واقعی دلچسپ ہوگا۔ ثاقب۔ خلوصِ دل سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔ وعدہ کرو کہ خلوص سے ہی جواب دو گے۔"

"خدارا جنرل!"

"میرے اس خبط سے تو بددل تو نہیں ہو؟"

"کون سے خبط سے جنرل۔ میں نہیں سمجھا؟" منور نے پوچھا۔

"اس تجربے کے خبط سے۔ سچ کہہ رہا ہوں ثاقب' اگر تم دل سے میرے تجربے

کے لئے آمادہ نہیں ہو تو میں یہ ارادہ ملتوی بھی کرسکتا ہوں۔"

"نہیں جنرل میں نے آپ سے وعدہ کرلیا تھا۔ آپ کچھ کرنا چاہتے ہیں تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"یار بس کیا بتاؤں' تمہاری باتوں سے میرے ذہن میں ایک عجیب سی تبدیلی پیدا ہوئی ہے' سچ کہتا ہوں کہ اگر یہ پرانا خبط نہ ہوتا تو میں کبھی اس پر عمل کرنے کا فیصلہ نہ کرتا لیکن یہ آرزو بہت دن سے میرے دل میں مچل رہی تھی' بس ایک چھوٹا سا تجربہ ہے' میں تمہیں پورا پورا یقین دلاتا ہوں کہ اس تجربے میں ناکامی کا کوئی تصور نہیں ہے' میں پورے طور پر کامیاب رہوں گا اور تمہیں بہت جلد وہاں سے واپس بلالوں گا۔ ممکن ہے اس کے بعد میں اس خلائی تحقیقات کا کام ہی ختم کردوں لیکن اس وقت جب مجھے اس نئے کام کی دلچسپیاں پسند آجائیں۔"

"میں ذرا بھی بزدل نہیں ہوں جنرل! آپ بڑے شوق سے یہ تجربہ کریں۔"

"ہاں تو میں تمہیں اپنی کہکشاں کے بارے میں بتا رہا تھا۔ یہ دن اور رات کی مکمل تفسیر ہے' یعنی اس کہکشاں کا عکس جو خلا میں موجود ہے اور وہاں جو ردوبدل ہوتی ہے میں اس کی اس چھوٹی سی تصویر میں یہ سب کچھ دیکھ لیتا ہوں۔"

"تمہاری یہ کوشش قابلِ تحسین ہے جنرل' لیکن یہ سب کچھ کیسے ہے' اس شیشے کے پیچھے کائنات کا یہ عکس کیسے حاصل کیا؟" منور نے واقعی دلچسپی سے پوچھا۔ جو کچھ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا وہ تصور سے دور کی بات تھی' کہکشاں کا اتنا مکمل Reduce ment اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تصویریں تو بے شمار بنائی جاسکتی تھیں لیکن حقیقت کی ایک تصویر منتقل کرلینا آسان کام نہیں تھا' جنرل ٹابو کے چہرے پر ایک فخریہ مسکراہٹ پھیل گئی پھر وہ بھاری لہجے میں بولا۔

"یہ میری طویل کوشش اور محنتوں کا نتیجہ ہے' ایک ایسا عجیب و غریب شیشہ اس عمارت کے ایک مخصوص حصے میں نصب ہے جو اس وسیع و عریض کائنات کو خود میں سمیٹ کر اس دوسرے شیشے میں منتقل کردیتا ہے' دن اور رات میں یکساں طور پر کام کرتا ہے اور یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو اس شیشے کا انعکاس ہے' یہاں میں دوسرے ممالک کی خلائی تجربہ گاہوں میں سے بھیجے جانے والے خلائی سیاروں اور دوسری ایسی کاوشوں کو بھی دیکھ لیتا ہوں بشرطیکہ وہ ایک مخصوص بلندی تک پہنچ چکی ہوں۔ اگر

میری اس کہکشاں کا راز زمین والوں کو معلوم ہو جائے ثاقب' تو یقینی طور پر وہ اس عمارت کو تباہ و برباد کردیں گے۔ سب کچھ ایسا ہے ثاقب جس میں تخریب کاری کا کوئی عنصر نہیں ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ میری اس دنیا کے لوگ میری اس برتری کو تسلیم نہیں کریں گے۔ میں تم سے کون کون سی باتیں کہوں' میرا دل دکھوں اور غموں سے بھرا ہوا ہے' میں وہ کچھ کرسکتا ہوں جس کا تصور بھی نہ کیا جاسکے' لیکن کچھ کرنے کے بعد مصیبتوں کو مول لینا بالکل ایسا ہی ہے جیسے سلارو میں جاکر آباد ہو جانا اور بھینس بن کر دودھ دینا۔" جنرل نے کہا اور منور مسکرانے لگا۔

اس کے بعد وہ دونوں وہاں سے نکل آئے اور جنرل ٹابو اسے اپنے تجربے کے بارے میں تفصیلات بتانے لگا۔

"کیا ان تجربات میں آپ گیتی کو بھی شریک کرتے ہیں جنرل؟" منور نے سوال کیا۔

"ہاں اس کے بغیر میں اپنے آپ کو آدھا محسوس کرتا ہوں۔" جنرل ٹابو نے جواب دیا۔ "لیکن اس سے خوفزدہ بھی رہتا ہوں۔"

"اوہ۔ وہ کیوں؟"

"بس نہ جانے اسے کیا مرض ہو گیا ہے' وہ میرے ہر کام میں مخالفت ضرور کرتی ہے' اور مجھے اس سے روکنے کی کوشش بھی کرتی ہے' تھوڑے ہی عرصے سے اس کے اندر یہ کیفیت پیدا ہوئی ہے' میں اس کی وجہ نہیں جانتا۔ بہرصورت اس کے بغیر میں کوئی کام بھی نہیں کرسکتا۔ بس اسے آمادہ کرنے میں دقت ہوتی ہے' ابھی تک میں نے اسے اسی لئے اس تجربے کے بارے میں نہیں بتایا تھا لیکن شام کو بتادوں گا اور اس وقت جب سارے انتظامات کرچکا ہوں گا۔"

"ٹھیک ہے جنرل!" منور نے جواب دیا اور پھر وہ تجربے گاہ سے باہر نکل آئے۔

گیتی بھی خاموش ہی رہی تھی۔ رات کے کھانے پر جنرل ان کے ساتھ ہی تھا اور پھر کھانے کے اختتام پر اس نے آہستہ سے گیتی کو مخاطب کیا۔

"وہ تمہیں میرے ساتھ کچھ کام کرنا ہے گیتی' تمہاری طبیعت پر کوئی گرانی تو نہیں ہے۔"

"نہیں جنرل! کیا کام ہے؟" گیتی نے خلافِ توقع بڑے نرم انداز میں پوچھا۔

"دراصل گیتی' میں نے تمہیں بتائے بغیر ایک تجربے کے انتظامات کرلئے ہیں اور آج ہی رات وہ تجربہ کررہا ہوں۔"

"اوہو' تجربہ کیا ہے جنرل؟" گیتی نے دلچسپی سے پوچھا اور جنرل کی آنکھوں میں کسی قدر حیرانی کے آثار نظر آئے۔ بہرحال پھر وہ مسرور انداز میں بولا۔

"گیتی میری برسوں پرانی خواہش' یعنی کسی ایسے انسان کو اپنے مصنوعی سیارے میں روانہ کروں جو کچھ وقت گزار کر خلا کے بارے میں تفصیلات مہیا کرسکے۔ بس یہ ایک ایسا تجربہ ہے جس کی بنیاد پر میں بہت سے کام کرسکتا ہوں۔"

"اوہ جنرل آپ نے بھیانک فیصلہ کرلیا۔ کیا آپ اس تجربے کی تیاریاں کرچکے ہیں؟"

"ہاں۔ ڈر تھا کہ تم اس کی مخالفت کروگی اس لئے میں نے تمہیں نہیں بتایا۔"

"نہیں جنرل۔ میں کیوں مخالفت کرنے لگی۔ دراصل آپ کو بھول جانے کی عادت ہے اور اس بنا پر بعض اوقات آپ کے تجربے ادھورے رہ جاتے ہیں۔ میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ آپ کی کوئی بھول اس معصوم انسان کو نقصان نہ پہنچادے۔"

"یقین دلاتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا۔" جنرل گھگیائے ہوئے سے انداز میں بولا۔

"تب میں تیار ہوں جنرل۔ کیا ہم یہاں سے سیدھے تجربے گاہ میں چلیں گے؟"

"ہاں۔ میں یہی چاہتا ہوں۔"

"تو آیئے چلیں۔" گیتی بولی اور جنرل چند ساعت اس طرح کھڑا رہا جیسے اسے گیتی کی بات پر یقین نہ آرہا ہو۔ پھر اس نے بچوں کی طرح قلقاری لگائی۔

"چلیں؟"

"ہاں۔ چلیں جنرل۔" گیتی کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ اور وہ تینوں کھانے کے کمرے سے تجربے گاہ کی طرف چل پڑے۔ منور گیتی کی شخصیت کا اندازہ لگا رہا تھا۔ وہ بڑی ٹھوس لڑکی تھی اور کوئی بھی کام نہایت اطمینان سے کرسکتی تھی۔ ویسے منور اس وقت خود کو قربانی کا بکرا محسوس کررہا تھا جو دو قصائیوں کے درمیان تھا لیکن زندگی میں ایسے تجربات بھی دلچسپ ہوتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ تجربے گاہ میں پہنچ گئے۔ جنرل اب پوری طرح گیتی کی طرف متوجہ تھا۔ وہ کنٹرول بورڈ پر پہنچ کر گیتی کو تفصیلات بتانے لگا اور پھر پوری طرح

اطمینان کرنے کے بعد منور کے ساتھ واپس آپریشن روم میں آگیا۔

"گیتی کے اندر میں نے ایک نمایاں تبدیلی محسوس کی ہے' اس نے جس انداز میں اس تجربے کو قبول کرلیا ہے وہ انداز میرے لئے تعجب خیز ہے' حالانکہ میں سب سے مشکل مرحلہ یہی سمجھ رہا تھا۔" راستے میں جنرل ٹابو نے کہا۔ منور خاموش ہی رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جنرل آپریشن روم میں پہنچ گیا' یہاں پہنچ کر اس نے ایک لباس منور کی طرف بڑھادیا۔ "تم یہ لباس پہن لو ثاقب' میں تمہیں اس کے بارے میں تفصیلات بتاتا ہوں۔" اس نے کہا اور منور اس کی ہدایات کے مطابق وہ خلائی لباس پہننے لگا۔ عجیب سا پھولا پھولا لباس تھا جس کے اندر کوئی مخصوص سی گیس بھری ہوئی تھی' چہرے پر ماسک بھی تھا اور اس کے ساتھ ہی دوسرے بہت سے لوازمات بھی' جن کی تفصیل جنرل ٹابو اسے بتانے لگا۔

"یہ کسی بھی قسم کے حادثے اور خطرے سے بچ نکلنے کی کارروائی تھی۔" جنرل ٹابو نے اسے بتایا کہ اگر اسے خلا میں اس مصنوعی سیارے کے اندر کچھ مشکلات پیش آئیں تو وہ فوری طور پر اس کی اطلاع دے سکتا ہے' منور کو یہ کام خاصا دلچسپ محسوس ہو رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے تو اس کے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ گیتی کو اس تجربہ میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے' ایک دلچسپ تجربہ ہی سہی' جو یقینی طور پر منور کو پھر کبھی نصیب نہیں ہو سکتا تھا' وہ کم از کم خلا کا سفر تو کرلیتا' لیکن گیتی کے کہنے کے مطابق ہی اگر جنرل ٹابو کے تجربے میں کوئی گڑبڑ ہو جاتی تو پھر کیا اسے بقیہ لمحات خلا ہی میں گزارنا پڑتے لیکن گیتی کرے گی کیا۔ مختلف خیالات ذہن میں تھے وہ جنرل ٹابو کی ہدایات سنتا رہا اور پھر جنرل ٹابو کی درخواست پر اس فریج نما ریسیور میں داخل ہوگیا' جہاں اب سے کچھ عرصے پہلے وہ پولیس سے جان بچانے کے لئے آکر چھپا تھا اور جہاں سے یہ دلچسپ ہنگامے شروع ہوئے تھے۔ جنرل ٹابو نے اسے الوداع کہہ کر فریج کا دروازہ بند کردیا اور پھر وہ اس ٹیبل پر پہنچ گیا' جہاں سے اسے اپنے اس تجربے کا آغاز کرنا تھا۔ اس نے چند بٹن دبائے اور تجربہ گاہ میں عجیب سی روشنیاں گردش کرنے لگیں۔ عجیب عجیب آوازیں ابھر رہی تھیں۔ تب اس نے گیتی کو مخاطب کیا۔

"گیتی کیا تم تیار ہو؟"

"ہاں جنرل۔ سب ٹھیک ہے' میں خلا میں گردش کرتی ہوئی کہکشاں کو صاف دیکھ

رہی ہوں۔"

"سیارے کے اردگرد کا ماحول کیا ہے؟"

"بالکل ٹھیک جنرل' کوئی انتشار نہیں ہے" گیتی نے جواب دیا اور جنرل نے کچھ بٹن دبا دیئے' تجربہ گاہ میں گونجنے والی آوازیں تیز ہوگئی تھیں اور ایک عجیب سا احساس ہوتا تھا بالکل ایسے جیسے کوئی چیز فضا میں پرواز کررہی ہو' اور اس کی آواز سے انتشار پیدا ہوگیا ہو' لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ دھیمی دھیمی آوازیں اور ابھر رہی تھیں۔ ان کی جانب پہلے تو جنرل ٹابو نے توجہ نہیں دی' لیکن جب توجہ دی تو وہ خوف سے اچھل پڑا' دوسرے لمحے اس نے گیتی کو مخاطب کرنے کے لئے بٹن دبادیا۔

"یس جنرل!" گیتی کی آواز سنائی دی۔

"گیتی' گیتی کوئی خاص بات ہے؟"

"بالکل نہیں جنرل' ماحول پُرسکون ہے کہکشاں میں کوئی انتشار نہیں پارہی۔ کیا آپ اپنا کام شروع کرچکے ہیں؟"

"میں نے اسے خلا میں منتشر کردیا ہے۔" جنرل نے کہا

"میں کوئی تبدیلی نہیں محسوس کررہی ہوں جنرل۔"

"گیتی' لیکن مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔"

"کیا؟" گیتی نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا' میں نہیں جانتا' ممکن ہے' ایسا کرو تم کنٹرول بورڈ چیک کرکے تمام ڈائلوں کے نشانات نوٹ کرکے مجھے بتاؤ۔"

"اوکے جنرل۔" گیتی نے کہا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ اس کی آواز ابھری۔ "سب ٹھیک ہے جنرل' یہ نمبر نوٹ کریں اور پھر اس نے ڈائلوں کے نمبر بتانا شروع کردیئے۔ جنرل کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"گیتی۔ گیتی تجربہ کامیاب نہیں رہا۔ کوئی گڑبڑ رہ گئی ہے۔ میں نہیں جانتا یہ کیا گڑبڑ ہے۔"

"پھر جنرل؟"

"گیتی تم ایسا کرو سارا ٹرانس میشن سسٹم آن کردو اور جلدی سے میرے پاس پہنچ جاؤ' میں سخت پریشان ہوں' کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کسی حادثے کا شکار ہو جاؤں۔" جنرل

نے کہا۔

"اوکے جنرل میں پہنچ رہی ہوں۔" گیتی نے جواب دیا۔

جنرل کے ہاتھ پاؤں کپکپا رہے تھے' وہ پاگلوں کی طرح پوری تجربہ گاہ میں ناچتا پھر رہا تھا۔ پھر گیتی اس کے پاس پہنچ گئی۔

"کیا بات ہے جنرل؟"

"یہ آوازیں۔ یہ آوازیں۔ یوں لگ رہا ہے جیسے ٹرانس میشن سسٹم مناسب طور سے کام نہ کررہا ہو۔"

"براہ کرم جنرل اس کی زندگی خطرے میں نہ ڈالیں اسے باہر نکال لیں پلیز!" گیتی نے کہا اور جنرل اس فریج نما مشین کی جانب دوڑا لیکن دوسرے لمحے خود گیتی کی بھی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔

ثاقب اس فریج نما مشین میں موجود نہیں تھا۔

گیتی نے جو کچھ کیا تھا وہ ثاقب کی ہمدردی میں کیا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر کنٹرول بورڈ میں گڑبڑ کی تھی اور جنرل کے پوچھنے پر وہ اعداد وشمار غلط بتائے تھے۔ مقصد یہی تھا کہ جنرل کو اس تجربے کی خامی کا احساس ہوجائے اور بے چارے ثاقب کی جان بچ جائے۔ اسے یقین تھا کہ اس کی کوشش کی بنا پر ثاقب خلا میں نشر نہ ہوگا اور اسی ریسیور میں موجود رہے گا اور اس وقت گیتی جنرل کو مجبور کرے گی کہ اب وہ اس تجربے کا خیال ذہن سے نکال دے ثاقب کی زندگی سے کھیلنا مناسب نہ ہوگا!

لیکن یہ صورتِ حال خوفناک تھی۔ کہیں اس کی گڑبڑ کی بنیاد پر ثاقب کسی اور حادثے کا شکار نہ ہوگیا ہو لیکن جنرل کسی قدر پُرسکون ہو رہا تھا۔

"ممکن ہے گیتی۔ یہ میری غلط فہمی ہو۔ میں نے ٹرانس میشن کے نظام میں کوئی گڑبڑ محسوس کی تھی۔ آؤ' اس سے گفتگو کرنے کی کوشش کریں۔" جنرل نے ایک طرف دوڑتے ہوئے کہا اور گیتی بھی بادلِ نخواستہ اس کے ساتھ دوڑنے لگی۔ جنرل نے اپریشن بورڈ پر اس کی تلاش شروع کردی۔ وہ کسی قدر مطمئن تھا لیکن گیتی کی ذہنی حالت بے حد خراب تھی۔ وہ چکراتے ہوئے ذہن کو قابو میں کرنے کی سخت کوشش کررہی تھی اور امید وبیم کی نگاہوں سے جنرل کو دیکھ رہی تھی لیکن چند ساعت کے بعد ہی جنرل کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اور پھر اس کی گھٹی گھٹی آواز ابھری۔

"گیتی!"

"کیا ہوا جنرل' کیا ہوا؟"

"گیتی.......... وہ.......... وہ ہمارے سیارے پر موجود نہیں ہے۔ میرا شبہ درست تھا وہ خلا میں کہیں رہ گیا ہے۔ وہ اس سیارے پر نہیں پہنچ سکا گیتی۔ آہ وہ سیارے پر نہیں پہنچ سکا۔ سیارے پر کسی اجنبی کی موجودگی کا کوئی نشان نہیں۔" جنرل کی آواز ڈوبنے لگی۔

"نہیں نہیں جنرل.......... نہیں.........." گیتی سسک پڑی۔ "ایسا نہیں ہوسکتا۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔" اب وہ بلک بلک کر رو رہی تھی اور جنرل مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔

"مجھ سے غلطی ہوگئی گیتی۔ مجھے یہ تجربہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ افسوس ہوا ایک دوست سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ میں.......... میں آئندہ کوئی تجربہ نہیں کروں گا گیتی۔ ایک بار معاف کردو۔ آج جنرل ٹابو کی سائنس دان والی حیثیت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔ آج میں ایک مجرم کی حیثیت اختیار کرگیا ہوں گیتی! میں نے ایک معصوم انسان کی زندگی چھینی ہے۔ گیتی اس کے لئے میں کبھی خود کو معاف نہیں کروں گا۔"

"آہ جنرل! میں تو.......... میں تو اپنے جرم کا اعتراف بھی نہیں کرسکتی۔ میں.........." گیتی کی آواز رندھ گئی۔ جنرل نے غم واندوہ کے درمیان گیتی کے الفاظ پر توجہ بھی نہیں دی تھی۔ وہ پشیمانی کی تصویر نظر آرہا تھا۔

"لیکن یہ ہوا کیا میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ ٹھہرو.......... میں اسے پکارتا ہوں۔ کاش اس کا جواب مجھے مل جائے۔ کم ازکم یہ تو پتا چل جائے کہ وہ ہے کہاں۔"

جنرل پھر اپنے اپریشن بورڈ پر پہنچ کر کارروائی کرنے لگا۔

☆======☆======☆

منور کی اپنی کیفیت بھی زیادہ بہتر نہیں تھی۔ اس نے خود کو اس تجربے کے لئے پیش تو کر دیا تھا لیکن یہ بھی سوچا تھا کہیں کوئی گڑبڑ ہی نہ ہو جائے۔ گیتی تجربے کار ضرور تھی لیکن خود سائنس دان تو نہیں تھی۔ نہ جانے وہ جنرل کے تجربے میں کیا رخنہ اندازی کرے گی۔ ممکن ہے وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

فریج نما ریسیور میں داخل ہو کر اس نے بہت سی سوچیں' سوچیں اور پھر اسے مزید سوچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ اچانک ہی کوئی عمل شروع ہو گیا تھا۔ پہلے تو اسے عجیب سی آوازیں سنائی دیں پھر ایک دم سردی کا احساس ہوا۔ یوں لگ رہا جیسے سردی اس کے مسامات میں داخل ہو رہی ہو۔ وہ کانپنے لگا اور پھر اسے اپنا وجود پھیلتا ہوا محسوس ہوا لیکن صرف چند لمحات' اس کے بعد اچانک سردی ختم ہو گئی اب اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا بدن ہلکا ہوتا جا رہا ہو۔ وہ فضا میں رکھ دیا گیا ہو۔ اس نے گھورتی ہوئی نگاہوں سے ریسیور کو دیکھا لیکن وہ اس ریسیور کے اندر تھا۔ سب کچھ وہی تھا۔ دیر تک یہ کیفیت محسوس ہوتی رہی بس یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا اپنا کوئی وزن ہی نہ ہو۔ اس کی سوچ اس کے احساسات پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا نہ ہی اور کسی قسم کی جسمانی تکلیف کا احساس ہو رہا تھا' تھوڑی دیر تک یہ کیفیت رہی اور اس کے بعد ساری آوازیں بند ہو گئیں۔ پھر اس فریج نما ریسیور کا دروازہ کھلا اور سامنے ہی گیتی اور جنرل ٹابو نظر آئے۔

وہ ریسیور کے اندر جھانک رہے تھے' منور نے پھیکے انداز میں مسکرا کر انہیں دیکھا اور دوسرے ہی لمحے اسے احساس ہوا جیسے ان لوگوں کے ساتھ کوئی خاص واقعہ پیش آ گیا ہو وہ دونوں پریشان نظر آ رہے تھے اور پھر منور نے ان کی گفتگو سنی اور دل ہی دل میں حیران ہو کر رہ گیا۔

کیا یہ لوگ پاگل ہو گئے ہیں' کیا یہ دونوں اندھے ہو گئے ہیں' یا کوئی عجیب

وغریب ڈراما پلے کیا جا رہا ہے۔ وہ سامنے موجود تھا لیکن وہ اس کے بارے میں اس انداز سے گفتگو کر رہے تھا جیسے اسے ریسیور میں دیکھ ہی نہ پائے ہوں۔

چند ساعت منور ان کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتا رہا لیکن صورتِ حال خاصی بگڑی ہوئی تھی۔ دونوں ہی بے وقوف معلوم ہو رہے تھے۔ ریسیور میں بیٹھے بیٹھے جب وہ تھک گیا تو باہر نکل آیا۔ باہر آ کر بھی اس نے ان دونوں کی بوکھلاہٹ دیکھی اور متحیر رہ گیا۔

ان میں سے کوئی بھی اندھا نہیں ہوا تھا لیکن وہ اندھوں ہی کی طرح اِدھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ گیتی کو اس نے روتے ہوئے دیکھا اور جنرل ٹابو کو اس نے پریشان بھی دیکھا لیکن یہ ساری باتیں اس کی عقل سے بعید تھیں' آخر وہ لوگ اس کی موجودگی کو کیوں تسلیم نہیں کر رہے۔ اس نے اس احمقانہ ڈرامے کے بارے میں پوچھنا چاہا لیکن دفعتاً اس کے ذہن میں ایک اور خیال کوندا اور وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔

گیتی نے اس سے کہا تھا کہ وہ جنرل ٹابو کے تجربے کو کامیاب نہیں ہونے دے گی۔ اس نے ایک بات اور بھی کہی تھی وہ یہ کہ اکثر جنرل ٹابو کے تجربات ناکام ہوتے رہتے ہیں وہ کرتا کچھ ہے اور ہو کچھ جاتا ہے۔ تو کیا کہیں اس وقت بھی کوئی ایسی ہی صورتِ حال تو نہیں ہے' ان کا کوئی تجربہ غلط تو نہیں ہو گیا اور اس غلط تجربے کے نتیجے میں یہ بھی ممکن ہے کہ منور کا جسم ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہو۔

منور کے رگ وپے میں ایک سرور انگیز سنسنی دوڑ گئی۔ یہ احساس' یہ خیال بڑا کشش انگیز تھا' اگر ایسا ہو جائے تو واقعی لطف آ جائے۔ منور نے سوچا لیکن اس کا اندازہ کس طرح ہو کہ وہ خود ان لوگوں کو نظر نہیں آ رہا یا ان کی نگاہوں ہی میں کوئی فتور واقع ہو گیا ہے۔ اس نے بغور ان کی گفتگو سنی تھی اور ان کے چہروں سے ان کی سنجیدگی کا اندازہ بھی لگایا تھا۔ وہ دونوں یہی سوچ رہے کہ وہ یعنی منور خلا میں نشر ہو گیا اور اس سیارے تک نہیں پہنچ سکا جہاں جنرل ٹابو اسے بھیجنا چاہتا تھا بلکہ ٹرانس مشن سسٹم کی ناکارگی کی بنا پر وہ خلا ہی میں کہیں رہ گیا۔

جب منور نے اچھی طرح ان کا جائزہ لے لیا تو اسے اپنی یہی بات وزن دار محسوس ہوئی یعنی یہ کہ اس کا بدن ان لوگوں کو نظر نہیں آ رہا۔ یہ احساس بلاشبہ بے حد

دلکش تھا اگر عام صورتِ حال ہوتی تو منور اس خوف ناک سچویشن پر سخت پریشان ہوجاتا لیکن اس نے اپنی زندگی کا ایک خاص محور بنایا تھا اور اس کے لئے اس نے اپنے آپ کو فنا کرلیا تھا۔ اس نے طے کرلیا تھا کہ اپنے مشن کے لئے وہ اپنے وجود کو بھلادے گا' اپنے باپ کی حیثیت کا اسے بخوبی اندازہ تھا لیکن وہ انہیں اپنی راہ پر نہیں لگا سکا تھا تو اس نے ان کی حیثیت کی پروا بھی چھوڑ دی تھی اور ایک ڈاکو کی حیثیت سے مشہور ہوگیا تھا۔ اب اگر وہ دنیا میں کسی کو نظر نہ آئے تو اسے اس کے کام میں سہولت بھی ہوسکتی ہے اور یقینی طور پر یہ سب سے حسین تصور تھا کہ پولیس اب اس کے نزدیک نہیں پہنچ سکے گی اور وہ اپنا کام بخوبی انجام دے سکے گا۔

بڑی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ پہلے یہ اندازہ لگانا چاہئے کہ دونوں میں سے کون سی بات ہے۔ چنانچہ وہ خاموشی سے ان دونوں کا جائزہ لیتا رہا۔ کئی بار اس نے اپنی جگہ سے جنبش بھی کی اور چند قدم آگے بڑھ کر ان کے نزدیک بھی گیا لیکن وہ اندھے بھی تھے اور بہرے بھی۔ ایک بار بھی ان کے انداز سے یہ ظاہر نہیں ہوسکا تھا کہ انہوں نے ان کی آہٹ بھی سنی ہو۔

پھر جب گیتی نے درد بھرے انداز میں کہا کہ آہ جنزل میں تو اپنے جرم کا اعتراف بھی نہیں کرسکتی تو منور کو یقین ہوگیا کہ کچھ ہو ہی گیا ہے۔ گیتی نے جس جرم کا احساس کیا تھا وہ منور کو معلوم تھا۔

منور کا دل خوشی سے دھاڑ دھاڑ کرنے لگا۔ یہ تو اس کی زندگی کا سب سے حسین ترین دور شروع ہوگیا تھا۔ اس حیثیت سے تو وہ بڑے بڑے فائدے حاصل کرسکتا تھا لیکن اب صورتِ حال یہ تھی کہ اگر وہ عام انسانی نگاہوں سے اوجھل ہوگیا ہے تو ان دونوں کے لئے کیا کرے۔ خاموشی سے انہیں چھوڑ کر یہاں سے نکل جائے یا ان دونوں شریف لوگوں کو اس غم واندوہ سے نجات دلادے۔

پھر اس نے جنزل ٹابو کی آواز سنی جنزل کہہ رہا تھا۔ "ٹھہرو.......... میں اسے پکارتا ہوں کاش اس کا جواب مجھے مل جائے۔" اس آواز میں امید وبیم کی ایک ایسی کیفیت تھی کہ منور شدت سے متاثر ہوگیا اور دوسرے لمحے اس نے فیصلہ کرلیا کہ انہیں مایوسی اور غم کا شکار نہ ہونے دے گا۔

پھر اسے اپنے لباس پر موجود ٹرانسیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور اس نے جنزل

کے بتائے ہوئے طریقے سے اسے آن کردیا۔ "ہیلو ہیلو۔ جنزل ٹابو.......... ثاقب کیا تم میری آواز سن رہے ہو۔"

"بخوبی سن رہا ہوں جنزل۔" اس نے کہا اور جنزل ٹابو اس طرح اچھلا کہ گیتی سے ٹکرا گیا۔ گیتی کا چہرہ بھی شدتِ جوش سے سرخ ہوگیا تھا۔ وہ گرتے گرتے بچی اور پھر دونوں آپریشن بورڈ پر جھک گئے اور پھر بیک وقت دونوں کی آوازیں ابھریں۔

"ہیلو.......... ہیلو ثاقب۔ تم خیریت سے ہو نا؟"

"بالکل خیریت سے ہوں۔"

"کیا تم سیارے پر پہنچ گئے ہو۔"

"جی نہیں۔ ایسی کوئی حرکت نہیں کی میں نے۔"

"پھر کہاں ہو تم۔ کہاں سے بول رہے ہو؟"

"آپ دونوں سے صرف دس گز کے فاصلے سے۔" منور کے جواب پر ایک بار پھر دونوں کے سر ٹکرا گئے۔ دونوں مشینی طور پر یکساں عمل کررہے تھے۔ انہوں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں ان کے حلئے تعجب سے بگڑ گئے تھے۔

"کیا کہہ رہے ہو ثاقب..........؟"

"درست عرض کررہا ہوں میں جنزل۔"

"یعنی، یعنی کہ اس زمین سے بول رہے ہو؟"

"نہ صرف اس زمین سے بلکہ آپ کی لیبارٹری سے اور اس کمرے سے جہاں آپ دونوں موجود ہیں۔" منور نے جواب دیا۔

"براہِ کرم مذاق مت کرو ثاقب' ہم دونوں سخت پریشان ہیں' اس بات کا تو اندازہ ہوگیا ہے کہ تم خیریت سے ہو لیکن ہو کہاں؟"

"جنزل ٹابو آپ غور کریں کہ میری آواز نا صرف آپ کے ریسیور پر سنائی دے رہی ہے بلکہ اس کمرے میں بھی گونج رہی ہے جس کا مطلب ہے کہ میں اس ریسیور سیٹ پر اس کمرے سے بول رہا ہوں جس میں آپ دونوں موجود ہیں۔" منور نے کہا۔

"مم مگر تم ہمیں نظر کیوں نہیں آرہے..........؟" جنزل ٹابو نے پریشان لہجے میں کہا۔

"یہ تو میں بھی نہیں بتا سکتا جنزل ٹابو' میں تو آپ کے بالکل قریب ہوں کئی بار

آپ کے نزدیک بھی آیا' اس وقت جب آپ لوگ میری گمشدگی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور افسوس کر رہے تھے لیکن اب اس بات کا میں کیا کروں کہ آپ لوگوں کی بینائی آپ کا ساتھ چھوڑ چکی ہے۔"

"بینائی۔ نہیں نہیں ہمیں تو اس کمرے کی ایک ایک چیز نظر آ رہی ہے۔ دیکھو یہ اپریشن بورڈ ہے' یہ ٹیبل............ یہ گیتی............ اور یہ میں............ سب کچھ تو دکھ رہا ہے۔ دیکھو یہ میرے ہاتھ کی انگلیاں' سب کچھ نظر آ رہا ہے۔" جنرل ٹابو بدحواس لہجے میں بولا۔

"تب پھر مجھے افسوس ہے جنرل' تمہارے تجربے میں پھر کوئی گڑبڑ ہوگئی اور میں اپنا وجود کھو بیٹھا۔"

"کک............ کیا مطلب؟" جنرل کی آواز کپکپا گئی۔

"ٹھہرو میں تمہیں بتاتا ہوں۔" منور نے کہا اور پھر آگے بڑھ کر جنرل کے بالکل نزدیک پہنچ گیا' پھر اس نے جنرل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا اور جنرل پلٹ کر دیکھنے لگا گیتی دور کھڑی ہوئی تھی' شاید پہلے جنرل نے یہ سمجھا تھا کہ گیتی نے اس کا ہاتھ پکڑا ہے لیکن جب اس کا ہاتھ منور کی گرفت سے نہ نکلا تو جنرل دھاڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔

"ہٹو' ہٹو پیچھے پیچھے۔" وہ بدحواس لہجے میں بولا اور پھر گیتی کی طرف دیکھ کر بری طرح نروس ہوگیا۔

"گگ' گگ' گیتی' گیتی کیا واقعی وہ............ وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔"

"اوہ نہیں جنرل' میں تو تمہارے پاس موجود ہوں' میرے لئے دور کا صیغہ کیوں استعمال کر رہے ہو۔" منور نے کہا اور جنرل بری طرح کپکپانے لگا۔

گیتی کی حالت بھی غیر ہوگئی تھی' اگر کوئی دوسرا موقع ہوتا تو شاید وہ جنرل کو نچا کر رکھ دیتی' مذاق اڑا اڑا کر اس کا جینا حرام کر دیتی اور کہتی کہ جنرل کا تجربہ پھر غلط ہوگیا ہے لیکن اس جرم میں گیتی برابر کی شریک تھی اور شاید یہی محسوس کر رہی تھی کہ اس کی وجہ ہی سے یہ سب کچھ ہوا۔ چنانچہ اس کی کیفیت بھی زیادہ بہتر نہیں تھی اور جنرل ٹابو............ وہ بے چارہ تو سخت پریشان تھا اپنے تجربے کا یہ حشر اسے پسند نہیں آیا تھا۔

"ثاقب کیا تم جسمانی طور پر کوئی تکلیف محسوس کر رہے ہو؟" گیتی نے بھرائی

ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نہیں مس گیتی' میں تو بے حد پرسکون ہوں اور آپ یقین کریں مجھے اس بات کا قطعی کوئی علم نہیں ہے کہ میں آپ لوگوں کو نظر نہیں آ رہا' براہ کرم پہلے مجھے اس بات کا یقین دلایئے کہ آپ کی نگاہوں میں کوئی خرابی تو واقع نہیں ہوگئی یا پھر میرا وجود ہی انسانی نگاہوں سے اوجھل ہوگیا ہے۔"

"میں نہیں کہہ سکتا' میں نہیں کہہ سکتا۔" جنرل پریشانی سے گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"کہ ایسا کیوں ہوا' میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا غالباً............ غالباً............ لیکن نہیں یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ میں............ میں کچھ بھی تو نہیں کہہ سکتا میرے تو وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس تجربے کے نتیجے میں کوئی ایسی صورتِ حال سامنے آسکتی ہے لیکن گیتی تم ثاقب سے کہو کہ وہ پریشان نہ ہو' میں تحقیقات کروں گا میں معلوم کروں گا کہ میرے تجربے میں یہ گڑبڑ کیوں ہوگئی۔ ثاقب' ثاقب تم بالکل پریشان نہ ہو میرے دوست' میں تم سے سخت شرمندہ ہوں کہ میری وجہ سے تمہیں ایسی صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا............ میں تمہیں واپس لے آؤں گا ثاقب' میں تمہیں واپس لے آؤں گا۔ خدا کے لئے مجھے معاف کردو۔" جنرل بری طرح گھگیا رہا تھا اور منور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

تب منور نے تسلی دینے والے لہجے میں کہا۔

"تم اس قدر پریشان کیوں ہو رہے ہو جنرل۔ میرا اس دنیا سے کیا واسطہ ہے۔ یہاں میرا کون ہے جس کے لئے میں پریشان ہوں گا۔ تم بھی پریشان نہ ہو جنرل یقین کرو اگر میری موجودہ حالت برقرار رہے تو مجھے اس سے زیادہ اور خوشی کسی بات سے نہ ہوگی۔"

"کیا کہہ رہے ہو ثاقب............؟"

"میں درست کہہ رہا ہوں جنرل۔ اس دنیا میں میرا واسطہ تم دونوں سے ہے۔ میں تمہیں نظر آؤں یا نہ آؤں تم سے دور نہیں رہوں گا۔ ہاں بیرونی دنیا میں اب مجھے پریشانیوں سے نجات مل گئی۔ میں اس دنیا کے ایک ایک تاریک گوشے کو دیکھوں گا اور ہر قسم کی آفات سے محفوظ رہوں گا۔ میں نے تم سے جو پروگرام طے کیا تھا جنرل میری یہ کیفیت اس پروگرام میں میری مدد کرے گی۔"

"تو تم اس صورتِ حال سے پریشان نہیں ہو؟"

"تم پریشانی کی بات کرتے ہو جنزل میں تو اتنا مسرور ہوں کہ بیان نہیں کر سکتا۔"

"تعجب کی بات ہے۔" جنزل احمقانہ انداز میں گردن ہلانے لگا۔ گیتی اس دوران بالکل خاموش رہی تھی اس کے چہرے پر ابھی تک شدید ندامت کے آثار تھے۔

"تم دونوں بے فکر ہو جاؤ جنزل' میں اپنی موجودہ حالت سے بے حد خوش ہوں۔ صرف اس بات کا مجھے یقین ولادو کہ میں اپنی اصل حالت میں واپس تو نہیں آجاؤں گا!"

"اگر تم اس کیفیت سے خوش ہو تو ہم اسے اتفاق ہی کہیں گے۔ بہرحال میں تمہارے وجود کی گمشدگی کی وجہ ضرور تلاش کرلوں گا۔ ابھی اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"ٹھیک ہے جنزل۔ اب یہاں سے نکلو............ آؤ۔" منور دروازے کی طرف چل پڑا۔ وہ دونوں اسی طرح خاموش کھڑے تھے۔ دروازہ کھول کر منور نے انہیں آواز دی۔ "آؤ جنزل۔ براہِ کرم اپنے ذہن سے افسردگی نکال دو میں تم سے استدعا کرتا ہوں۔"

"ساری مشینیں آف کردو گیتی اور میرے کمرے میں آجاؤ۔ ثاقب تم کہاں ہو؟"

"دروازے پر موجود ہوں جنزل۔" منور نے جواب دیا اور جنزل دروازے کی طرف بڑھ آیا۔ منور نے اسے راستہ دے دیا تھا۔

"شاید کوئی صحیح تجربہ میری تقدیر میں ہی نہیں ہے۔ حالانکہ اس تجربے میں کسی گڑبڑ کا امکان نہیں تھا لیکن گڑبڑ ہوگئی۔ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ تم صحیح سلامت ہو اگر تم کسی حادثے کا شکار ہو جاتے ثاقب تو میں خودکشی کرلیتا۔"

"اوہ............ مجھے اتنا چاہتے ہو جنزل۔"

"بکواس مت کرو۔ چاہت کی ایسی تیسی۔ بس میں اصول کا انسان ہوں۔" جنزل نے کہا۔ ساتھ ہی ہنسنے لگا۔

"بہرحال تم ی شخصیت بہت پیاری ہے جنزل۔ میں تمہیں بے حد پسند کرنے لگا

ہوں۔"

"خاموش رہو گے یا نہیں! جنزل چلتے چلتے رک گیا اس کا موڈ بہت زیادہ خراب ہوگیا تھا۔

"ارے............ ارے کیا ہوا۔ کیا ہوگیا؟" منور نے تعجب سے کہا۔

"ویسے میں نے خود کو اُلو کا پٹھا تسلیم کرلیا ہے۔" جنزل نے پھر قدم آگے بڑھا دیئے۔

"مجھے تو اعتراض نہیں ہے لیکن اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔" منور نے کہا اور جنزل خاموش رہا پھر وہ اپنی خواب گاہ میں داخل ہوگیا۔ گیتی ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ کسی خیال کے تحت منور جنزل کے ساتھ اندر نہیں گیا اور گیتی کا انتظار کرنے لگا۔ گیتی ابھی نظر نہیں آرہی تھی چنانچہ وہ واپس پلٹ گیا۔

گیتی کافی فاصلے پر تھی اور آہستہ قدموں سے آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ کھوئی کھوئی سی تھی منور اس کے قریب پہنچ گیا اور پھر اس نے گیتی کو آواز دی۔ گیتی اس طرح اچھل پڑی تھی جیسے پاؤں میں بچھو نے کاٹ لیا تھا۔

"تم اداس ہو گیتی؟"

"ہاں ثاقب............ میں بے حد اداس ہوں۔" گیتی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی گیتی کہ جب میں اس موجودہ صورتِ حال سے اتنا خوش ہوں تو تم لوگ اداس کیوں ہو؟" منور نے کہا۔

"اوہ ثاقب' کیا ہم یہ بات نہیں جانتے کہ تم اپنی مخلص فطرت سے مجبور ہو کر یہ الفاظ کہہ رہے ہو اور ہمیں مطمئن کرنا چاہتے ہو' کون شخص پسند کرے گا کہ وہ اپنا وجود ہی کھو بیٹھے اور دنیا کی نگاہوں سے اتنا دور ہو جائے کہ اس کی اپنی ذات کچھ بھی نہ رہے۔" گیتی نے کہا۔

"یہ صرف تمہارا خیال ہے گیتی' میں اس انداز میں نہیں سوچ رہا۔"

"ہمیں بہلانے کی کوشش مت کرو ثاقب جو کچھ ہوا ہے بہت برا ہوا ہے۔"

"افسوس میرے ذہن میں وہ ترکیب نہیں آئی جس سے میں تمہیں یہ احساس دلاسکوں کہ میں تمہیں بھلا نہیں رہا۔" منور نے کہا۔ دفعتاً گیتی چلتے چلتے رک گئی۔

"تم کس طرف ہو ثاقب' براہ کرم میرے بالکل نزدیک آجاؤ۔" اس نے کہا اور منور اس کے قریب پہنچ گیا اس نے گیتی کا ہاتھ تھام لیا تھا اور گیتی اس طرح اچھل گئی جیسے کہ خوف زدہ ہو۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"ثاقب میں جانتی ہوں کہ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا لیکن میں دعوے سے یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ جنرل ٹابو اپنے تجربے میں کہاں تک کامیاب رہتا' ممکن تھا کہ اور الجھن پیدا ہو جاتی۔"

"ہاں گیتی یہ بات ممکن ہے' لیکن ایک بار میں پھر تمہیں یقین دلا رہا ہوں کہ میں اس صورتِ حال سے ذرا بھی بددل نہیں ہوں بلکہ خوش ہوں۔"

"ثاقب ایک درخواست ہے' تمہارا ذہن اگر واقعی صاف ہے تو ٹھیک ہے لیکن اگر تمہیں دکھ ہوا ہے تو مجھے معاف کر دینا اور جنرل ٹابو کو اس سلسلے میں کچھ نہیں بتانا کہ میں نے اس کے تجربے کو ناکام کرنے کے لئے کوئی حرکت کی تھی۔"

"گیتی' گیتی کیا تم مجھے اتنا ہی ذلیل اور بد اعتماد سمجھتی ہو۔ اگر تم یہ سوچ رہی ہو تو یہ تمہاری بھول ہے۔ کیا میں یہ نہیں جانتا کہ تم مجھے جنرل کے تجربے سے بچانے کی کوشش کیوں کر رہی تھیں۔"

"بس ثاقب اس کے سوا میں کچھ اور کہنا نہیں چاہتی۔"

"جنرل کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔" گیتی نے کہا اور چند ساعت کے بعد وہ دونوں جنرل کے پاس پہنچ گئے۔

جنرل ٹابو ایک آرام کرسی میں دراز سر پکڑے بیٹھا تھا گیتی کو دیکھ کر اس نے گردن اٹھائی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"وہ کہاں گیا؟"

"ہمارے ساتھ موجود ہے" گیتی نے جواب دیا۔

"گیتی اب اس مسئلے کا کوئی حل سوچو۔" جنرل نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"اس کا حل تو آپ ہی سوچیں گے جنرل۔" گیتی نے جواب دیا اور دفعتاً منور بول پڑا۔

"جنرل ٹابو اور مس گیتی آپ لوگ میرے لئے اس قدر فکر مند ہیں' اتنے

پریشان ہیں جبکہ میں اپنی اس موجودہ کیفیت کو ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہتا ہوں اور میں پہلی بار آپ سے گستاخانہ لہجہ اختیار کر رہا ہوں' میری خواہش ہے جنرل کہ مجھے اسی حالت میں رہنے دیا جائے اور میرے لئے کوئی کوشش نہ کی جائے۔ اگر آپ لوگوں نے مجھے دوبارہ میری پہلی حالت میں واپس لانے کے لئے کوششیں کیں تو میں خاموشی سے یہ جگہ چھوڑ دوں گا اور دوبارہ آپ کے پاس واپس نہیں آؤں گا۔ میں نے پہلی بار آپ سے ایک ایسی بات کہی ہے جس میں خود سری ہے لیکن آپ یقین کریں میں اس پر عمل کروں گا۔" جنرل ٹابو کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"نہیں نہیں ایسا مت کہو ثاقب' ایسا مت کہو۔ مجھے تم سے بے پناہ محبت محسوس ہوتی ہے اور اگر واقعی اس سلسلے میں تم اتنے سنجیدہ ہو تو پھر ہم کسی حد تک مطمئن ہیں حالانکہ یہ جو کچھ ہوا ہے اتفاقات کی بنیاد پر ہوا ہے' لیکن یہ اتفاقات اگر تمہارے لئے پسندیدہ ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔"

"ہاں جنرل یہ صورتِ حال میرے لئے بے حد پسندیدہ ہے اور میں اس موضوع پر آپ سے پھر بات کروں گا فی الوقت آپ اپنی ذہنی الجھنوں کو ذہن سے دور کر کے آرام کی نیند سوئیں اور مجھے بھی اجازت دیں مجھے نیند آرہی ہے۔"

"ٹھیک ہے ثاقب' بلاشبہ تمہاری اس بات نے ذہن اور دل کا بوجھ کسی حد تک کم کر دیا ہے۔ خدا کرے تمہیں اس عالم میں کوئی خاص تکلیف نہ ہو۔" جنرل ٹابو اس وقت اپنی فطرت کے خلاف نظر آرہا تھا۔ یوں بھی منور نے محسوس کیا تھا کہ کبھی کبھی وہ بالکل ہی آؤٹ ہو جاتا ہے لیکن عام حالات میں وہ نارمل ہی رہتا ہے نہ جانے اس کی فطرت میں ایسے کون سے سقم تھے کہ وہ اپنے آپ کو بھول جاتا تھا۔ تھوڑی دیر تک ایک اداس سی خاموشی چھائی رہی اس کے بعد جنرل ٹابو اٹھ گیا' بلاوجہ نیند برباد کرنے سے کیا فائدہ آرام کیا جائے۔

"اچھا گیتی تم بھی چلو اور ثاقب تم بھی آرام کرو کل صبح ہم مختلف موضوعات پر گفتگو کریں گے۔"

"ٹھیک ہے جنرل۔" گیتی کمرے سے نکل آئی منور بھی اس کے ساتھ ہی باہر نکلا تھا۔ باہر نکل کر اس نے گیتی کو خدا حافظ کہا اور گیتی چند ساعت خلا میں آنکھیں پھاڑتی رہی پھر اس کی آنکھوں سے دو آنسو لڑھک آئے۔ "افسوس ثاقب اب تو میں تمہیں

دیکھ بھی نہیں سکوں گی۔"

"محسوس تو کر سکو گی گیتی، تم یہ تو سوچو کہ میرے لئے یہ صورتِ حال کتنی خوش گوار ہے میں تمہاری دنیا کا فرد نہیں ہوں۔ تم لوگوں کے درمیان صرف ایک مہمان کی حیثیت سے رہنا چاہتا ہوں میں بہت سی باتیں نہیں سمجھتا لیکن میری موجودہ پوزیشن مجھے کہیں بھی پریشان نہ ہونے دے گی اور یہ بات میرے اپنے تصور کے لئے کتنی اچھی ہے۔"

گیتی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ قدموں سے آگے بڑھتی رہی۔ پھر اس نے منور کو خدا حافظ کہا اور اپنی خواب گاہ میں داخل ہو گئی لیکن منور اپنی خواب گاہ کی طرف نہیں گیا تھا۔ اس نے جنرل ثابو کو دیکھ لیا تھا جو اپنے سونے کے کمرے کی طرف جا رہا تھا اور پھر منور اس کے ساتھ ہی اندر داخل ہو گیا تھا۔

جنرل ثابو نے خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند کیا اور پھر شب خوابی کا لباس پہننے لگا۔ اس کے بعد وہ تھکے تھکے انداز میں مسہری پر گر پڑا۔ منور خاموشی سے اس کی کیفیات کا جائزہ لے رہا تھا۔ جنرل ثابو واقعی بے چین نظر آ رہا تھا۔ پھر جب کافی دیر اسی طرح گزر گئی تو منور نے اسے آواز دی۔

"نیند نہیں آ رہی ہے جنرل۔" اور جنرل اچھل کر بیٹھ گیا۔ وہ دروازے کی طرف آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔

"ثاقب........ یہ تم ہو؟"

"ہاں جنرل۔"

"لیکن تم........ تم بند دروازے سے........ تم بند دروازے سے کس طرح اندر آئے؟"

"تمہارے ساتھ ہی اندر داخل ہوا تھا جنرل۔"

"تو پھر اتنی دیر خاموش کیوں رہے؟"

"تمہاری کیفیات کا جائزہ لے رہا تھا۔"

"اوہ........" جنرل نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "گویا تم نے اپنی اس حیثیت سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔"

"اگر تمہیں میرا اس طرح آنا ناگوار گزرا ہے جنرل تو میں معافی چاہتا ہوں اور

وعدہ کرتا ہوں آئندہ اس طرح بغیر اجازت نہیں آؤں گا۔"

"ارے نہیں یار........ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو تمہارے ساتھ ہونے والی ٹریجڈی پر پہلے ہی تم سے شرمندہ ہوں۔"

"میں جانتا تھا جنرل کہ میری اس یقین دہانی کے باوجود کہ مجھے اپنی موجودہ کیفیت پر خوشی ہے رنج نہیں، تم اپنے ذہن سے یہ احساس دور نہیں کرو گے کہ میرے ساتھ کوئی ٹریجڈی ہوئی ہے۔ اس لئے میں اس وقت تمہیں تکلیف دینے آگیا۔"

"تمہیں اس طرح کیا فائدہ پہنچا ثاقب؟"

"میں اس موضوع پر تم سے بات چیت کرنا نہیں چاہتا جنرل۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں اپنے سیارے پر واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ بلکہ تمہاری اس دنیا میں رہ کر اس کا جائزہ لینے کا خواہش مند تھا۔ مجھے اس دنیا میں رہنے والوں کے ساتھ اپنی شناسائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے جنرل۔ میں تو دردمندی سے ان کے لئے کام کرنا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کے ساتھ مل کے دکھ درد بانٹنا چاہتا ہوں جو بے بس اور لاچار ہیں لیکن جنرل اس بات سے بھی تم بخوبی واقف ہو کہ میں تمہاری دنیا کے حالات سے قطعی لاعلم ہوں۔ اگر عام حالات میں، میں ان کے درمیان جاتا تو اس لاعلمی کی بنا پر مجھے بہت سی پریشانیوں کا شکار ہونا پڑتا لیکن خوش قسمتی سے اب مجھے ان کی نگاہوں سے دور رہ کر ان کے قریب رہنے کا موقع مل گیا ہے تو یہاں پریشانیاں کتنی کم ہو گئیں۔ اب مجھے ان کے نزدیک جانے میں کوئی الجھن نہیں ہو گی اور پھر میں نے تو ان کے لئے بہت کچھ سوچا ہے جنرل۔ کیا اس حیثیت سے ہماری اس اسکیم پر ہم آسانی سے عمل درآمد نہیں کر سکیں گے؟"

جنرل پُرخیال نگاہوں سے ایک طرف دیکھتا رہا اور پھر اس نے گردن ہلائی۔

"ہاں یہ پہلو تو عمدہ ہے۔"

"میں اسی پر سوچ رہا ہوں جنرل........ تم ذرا غور تو کرو۔ تمہارے اس عظیم تجربے نے میرے لئے کتنی آسانیاں فراہم کر دی ہیں۔"

"لیکن ثاقب........ اس طرح تمہاری اپنی شخصیت تو ختم ہو گئی۔"

"مجھے اپنی شخصیت چاٹنی نہیں تھی جنرل........ میں لوگوں کے کام آ کر بھی خوش رہوں گا۔"

"اوہ ثاقب' اس طرح واقعی تم نے میرے ذہن سے میری اس مجرمانہ حیثیت کا بوجھ ہلکا کردیا ہے جو اس تجربے کی ناکامی کی بنا پر میرے اوپر سوار ہو گئی تھی۔ اگر تم واقعی اس بات سے خوش ہو تو پھر تو میں بھی خوش ہوں لیکن ثاقب کچھ نہ ہونے کے باوجود تم کس قدر عظیم انسان ہو کہ تم ایک اجنبی سیارے کے لوگوں کے بارے میں اس انداز میں سوچ رہے ہو۔"

"میں تو کچھ بھی نہیں ہوں جنرل' تم سے گفتگو ہوئی اور میں نے تمہاری ذات میں چھپے ہوئے دکھوں کو محسوس کیا' تب میں نے سوچا کہ تمہاری سوچ پستیوں کی جانب جھکی ہوئی ہے۔ تم نے اپنی ذات کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں سے بد دل ہو کر صرف ایک گوشہ آباد کرلیا ہے اور اپنے جیسے ان لوگوں کو بھلا دیا ہے جن کے پاس مضبوط سہارے نہیں ہوتے۔ میں نے تو یہی سوچا جنرل کہ تمہیں تمہاری اس بے پناہ قوت کا احساس دلاؤں جو تمہاری ذات میں پوشیدہ ہے اور تمہیں اس بات پر آمادہ کروں کہ تم اپنے جیسے دوسرے لوگوں کو تلاش کرکے ان کی پوری پوری مدد کرو۔ بس اگر اس دنیا میں اگر میرے لئے کوئی مشغلہ ہوسکتا ہے تو وہ یہی ایک تھا اور میں اسے اپنانے کی جدوجہد میں ہر ممکن عمل کرنا چاہتا ہوں۔"

"میرے یار' ذرا میری رہنمائی کر میں تجھ سے لپٹنا چاہتا ہوں۔" جنرل نے جذباتی لہجے میں کہا اور منور نے اس کا بازو پکڑ کر اسے سینے سے لگالیا۔

"آہ ثاقب میں تجھے محسوس تو کرسکتا ہوں۔ جب بھی میرا دل چاہے گا میں تیرے اس بدن سے لپٹ جاؤں گا' مجھے تجھ سے بے پناہ محبت ہے لیکن دیکھ میری اس محبت سے ناجائز فائدہ مت اٹھانا۔ جنرل ثابو پہلے ہی اتنا کچلا ہوا انسان ہے کہ اب اس میں مزید کوئی ضرب اٹھانے کی بالکل سکت نہیں۔ مجھ سے کام لینے کے لئے تو میری شخصیت کو زندہ رکھنا ثاقب۔"

"فکر مت کرو جنرل جو کچھ ہوگا ہمارے تمہارے باہمی تعاون سے ہوگا بس تم اپنے ذہن سے یہ پریشانی نکال دو اس احساس کو مٹا دو کہ تم نے میرے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے۔"

"مٹا دیا...... مٹا دیا......" جنرل اچانک کھل اٹھا تھا۔

"تو پھر میں جاؤں اب صبح کو ملاقات ہوگی۔" منور نے کہا اور جنرل نے تلاش

کرکے اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک پُرجوش مصافحے کے بعد منور' جنرل کے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی خواب گاہ میں تھا اور اس کی اپنی ذہنی کیفیت کچھ عجیب سی ہو رہی تھی۔

جنرل اور گیتی کو پوری طرح مطمئن کرنے کے بعد اب اس کی اپنی ذات کی باری تھی۔ ایک عجیب سا سنسنی خیز احساس اس کے ذہن میں جاگزین تھا۔

وہ اس دنیا کے لئے مرچکا ہے۔ اب اس دنیا میں اس کی اپنی کوئی ذاتی حیثیت نہیں ہے' اسے کسی چیز کی پروا نہیں تھی۔ لندن میں ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم کے دوران اس نے اپنے ذہن میں بے شمار منصوبے بنائے تھے۔ اسے اپنے ملک کی زبوحالی کی داستانیں کچھ تو بچپن ہی میں معلوم تھیں اور کچھ لندن میں۔ اپنے وطن سے ایک طویل عرصے تک دور رہنے کے باوجود اس کے مسائل سے غافل نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے لئے کچھ مخصوص دوستوں کا انتخاب کرلیا تھا۔

فیروزالدین صاحب کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی اور لندن میں اپنے بیٹے کے لئے ان ساری سہولیات کی فراہمی کے لئے کوشاں رہے تھے جو کسی نواب زادے کو حاصل ہوسکتی ہیں لیکن منور کی فطرت میں شروع ہی سے اپنے وطن کے لئے دردمندی کا شدید احساس تھا۔ معاشی مسائل سے تنگ آئے ہوئے لوگ اپنے بھرے پُرے گھر چھوڑ کر یہ تصور لئے باہر نکلتے تھے کہ وہاں سے دولت کما کر اپنے بھوکے خاندان کی کفالت کریں گے لیکن جب ان کی امیدیں ٹوٹ جاتی تھیں تو وہ اس قدر بے چارگی کا شکار نظر آتے تھے کہ منور کا دل خون کے آنسو رو دیتا تھا' اس نے حتی المقدور اپنے وسائل سے جو کچھ ہوسکا ان ترکِ وطن کرکے آنے والوں کے لئے آسانیاں فراہم کرنے کی کوشش کی' جو کچھ اس نے فیروزالدین صاحب کو بتایا تھا اس میں سرِمو میں جھوٹ نہ تھا۔ ایک حسین ترین عمارت اس نے ان نوواردوں کے لئے وقف کردی تھی جو روزگار کی تلاش میں آتے تھے اور سڑکوں کی گرد بن جاتے تھے۔ اپنے لئے آنے والے اخراجات میں سے وہ صرف اتنا لیتا تھا کہ موٹا جھوٹا پہن سکے' موٹا جھوٹا کھاسکے۔ باقی ساری رقم وہ انہی لوگوں کے علاج کے لئے خرچ کردیتا تھا۔ پھر تعلیم ختم کرنے کے بعد اس نے اپنے وطن کا رخ کیا تو اسے یہ علم تو تھا ہی کہ اس کا باپ ایک دولت مند انسان ہے۔

لیکن فیروز الدین صاحب اس کے خیالات کے بالکل برعکس تھے۔ اس نے یہی سوچا تھا کہ اپنے باپ کی دولت کا سہارا لے کر اپنے وطن کے ان نادار لوگوں کی خدمت کرے گا جو زندگی کی ساری خوشیوں سے محروم ہیں۔ یہاں آکر جب اس نے اپنے باپ کی ذہنی کیفیت دیکھی تو اسے سخت مایوسی کا شکار ہونا پڑا۔ فیروز الدین صاحب بیٹے کو سونے کی کان سمجھ رہے تھے جس کی کھدائی مکمل ہونے کے بعد سونے کے انبار لگ جائیں گے لیکن منور کو سونے کی چمک پسند نہیں تھی اسے تو ان آنکھوں کی چمک چاہیے تھی جو افلاس اور بے بسی سے دھندلا جاتی ہیں اور یہاں اپنے وطن کا ہلکا سا جائزہ لے کر اس کے ذہن میں یہ احساس شدید ہوگیا۔ وہ ایک مضبوط اعصاب کا انسان تھا۔ اپنے باپ کی طلب اور اس کی فطرت کو دیکھ کر وہ ذہنی توازن تو نہ کھو سکا لیکن اس کے اندر خود سری پیدا ہوگئی۔ اس نے سوچا اس کے ملک کے سرمایہ دار فیروز الدین صاحب سے مختلف نہیں ہوں گے۔ ان سب کی ذہنی کیفیت یکساں ہوگی' وہ اپنے دولت کے انبار اونچے سے اونچے دیکھنا پسند کرتے ہوں گے اور مفلسوں کی تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ اسے ان سب سے نفرت ہوگئی۔ وہ نیک فطرت انسان تھا اور اس نے اپنی شخصیت کو ہلاک کردیا اور اس کے بعد اس کے اندر سے ایک ایسا انسان ابھرا جو اپنے معاشرے اور قانون کا باغی تھا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ قانون ساز ادارے قانون کی سربلندی کے گیت تو گاتے ہیں لیکن ان مجرموں کی گردن تک ان کے ہاتھ نہیں پہنچ پاتے جو اس معاشرے کی بدحالی کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے آپ کو ایک ایسا روپ دے دیا تھا جس نے سماج اور معاشرے میں اس کی حیثیت اور صورت مکروہ کردی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ اس کی کریہہ صورت سے گھن کھانے والے سماج کے وہی افراد ہوں گے جو اپنی تجوریوں پر ہواؤں کے سائے بھی پسند نہیں کرتے لیکن اس کے وطن کا ایک بڑا طبقہ ایسا ہوگا جس کے پھیلے ہوئے ہاتھ اس کی سلامتی کی دعائیں کریں گے اور یہ دعائیں ہی منور کی کمائی تھیں۔ وہ اس کمائی سے خوش تھا اور اس کے علاوہ اور کچھ نہیں درکار تھا۔

ہاں اسے اپنی بہن سے الفت تھی۔ نوشی اس کی روح کا ایک حصہ تھی۔ اگر وہ بھی اپنے والدین کے رنگ میں رنگی ہوتی تو شاید منور کو اس سے اتنا لگاؤ نہ ہوتا لیکن

نوشی اس کی ہم نوا تھی وہ بھی اتنا ہی دردمند دل رکھتی تھی۔ منور کی لگن اس کی ہوس بن چکی تھی۔ اس نے اس مختصر وقت میں جو جال پھیلا دیا تھا وہ اتنا وسیع تھا کہ اس کے لئے پوری طرح وسائل مہیا نہیں ہو پا رہے تھے۔ اسے اس جال کو بھی وسیع کرنا تھا۔ ابھی اس کے ذہن میں ایسے ایسے منصوبے تھے کہ اسے اپنی عمر ناکافی محسوس ہوتی تھی۔ اس لیے وہ مختصر وقت میں بہت کچھ کرلینا چاہتا تھا۔

جنرل ٹابو کے اس قلعہ نما مکان میں وہ اتفاقیہ طور پر ہی داخل ہوا تھا لیکن یہاں آکر اسے جن حالات سے واسطہ پڑا تھا وہ بہت دل خوش کُن تھا۔ پہلے تو اس نے یہی سمجھا تھا کہ جنرل ٹابو جیسے سنکی انسان سے ساری دولت ضرور گھسیٹ لے گا اور اس کے قائم کئے ہوئے اداروں کے بہت سے رکے ہوئے کام پورے ہو جائیں لیکن یہاں گزرے ہوئے وقت نے اس کے ذہن میں کچھ اور شمعیں جلا دیں۔ جنرل کی شخصیت سے واقف ہونے کے بعد اس نے سوچا کہ وہ تو اس کے مشن کی تکمیل میں ایک اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔

لیکن جنرل سے ایک اتنا بڑا فائدہ حاصل ہو جائے گا' منور کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ دولت سے مجبور ہو کر اس نے تجربے کئے تھے۔ جنرل کے اس ناکام تجربے نے اسے ان دوستوں پر سے شک دور کرنے کا بہترین موقع فراہم کردیا تھا۔ اپنی نظر اور اس دوسری شخصیت سے وہ بے شمار اہم کام لے سکتا تھا اور اس کے ذہن میں بے شمار منصوبے بن رہے تھے۔ باقی رہی اس کی اپنی شخصیت کی بات تو اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔ جو ہوا بہتر ہوا۔ یہ تو تائیدِ غیبی ہے۔ جب زندگی کے رخ ہی بدل جائیں تو پھر اپنے وجود سے محبت کیا معنی رکھتی ہے۔

لیکن نوشاب اس سے محبت کرنے والی بہن تھی۔ شاید وہ اپنے بھائی کے اس روپ سے خوش نہ ہو ایک بہن کی دنیا بھی بڑی عجیب ہوتی ہے۔ منور کے دل میں نوشاب کا درد کروٹیں بدلنے لگا۔ کئی دن ہوگئے اسے دیکھے ہوئے اور نوشاب کو دیکھنے کی خواہش اتنی شدید ہوگئی کہ وہ بے چین ہو کر اٹھ گیا اس کا دل اندر ہی اندر پھڑپھڑا رہا تھا۔

کیا کیا جائے اس نے سوچا۔ پھر اس کی نگاہ ٹیبل پر پڑی اور دوسرے لمحے اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔ اس نے جنرل ٹابو کے نام ایک پرچہ لکھا۔

"جنرل! نیند نہیں آرہی تھی۔ تمہارے بخشے ہوئے نئے روپ نے اتنی خوشیاں دے دی ہیں کہ انہیں سنبھال نہیں پارہا۔ اس عمارت سے باہر جارہا ہوں۔ میرے لئے پریشان نہ ہونا جلد واپس آجاؤں گا۔

تمہارا ثاقب۔"

اس پرچے کو تہہ کرکے اس نے میز پر رکھا اور باہر نکل آیا اور پھر وہ عمارت کے اس حصے کی جانب چل پڑا جدھر سے پہلی بار آیا تھا۔ ریسیور کے اندر ہی اس نے بے وزنی کی کیفیت محسوس کی تھی اور اس کے بعد بھی اسے اپنا بدن ہلکا پھلکا محسوس ہورہا تھا لیکن اب پہلی بار اس نے غور کیا تھا کہ اس کے قدم زمین پر اس انداز میں پڑ رہے تھے جیسے اس کا وجود بہت ہلکا ہو اور وہ اسے بہ آسانی اوپر اٹھا سکتا ہو۔ باہر نکل کر اس نے دوڑنے کی کوشش کی لیکن پہلی کوشش میں ہی دس بارہ فٹ اونچا اٹھ گیا اور دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھالا۔ آہ کیسا عجیب محسوس ہورہا تھا۔

لیکن جنرل کے تجربے کی بخشی ہوئی ساری قوتیں اس کے لئے انتہائی کارآمد تھیں چنانچہ جب اس نے اس دیوار کے نزدیک پہنچ کر اسے پھلانگنے کی کوشش کی تو دیوار سے تقریباً آٹھ گنا اونچا اچھل گیا اور ٹابو کی عمارت اسے کافی نیچے نظر آنے لگی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ نیچے آیا لیکن کوئی دقت نہ محسوس ہوئی اور اس نے خوشی سے آنکھیں بند کرلیں۔ یہ ایک اور قوت تھی جو اسے حاصل ہوگئی تھی۔

لیکن یہ ساری چیزیں اس کے لئے اجنبی نہیں تھیں۔ چند رسالوں کی کہانیاں اب عملی شکل اختیار کرگئی تھیں۔ الف لیلیٰ کا سامری جو ایک گولہ مارتا تھا اور شہر تباہ ہوجاتے تھے۔ اب اس دنیا میں موجود تھا۔ جادو کے گولے میں یمن کی حسین شہزادی کو دیکھ کر عاشق ہوجانے والے جادوگر کی اجارہ داری ختم ہوگئی تھی اور اب اس جادو کے گولے کو چوکور کرکے اس پر نیویارک کے ایبرے کلب میں رقص کرنے والی کیوسین کو بھی دیکھا جاسکتا تھا اور ایک بٹن دبا کر آسٹریلیا میں ہونے والا ہاکی میچ بھی۔ چاند کی زمین انسان کے قدموں تلے آچکی تھی اور بی مشتری اب انسانی سانسوں کو نزدیک محسوس کررہی تھی۔ ان حالات میں انسان کا نگاہوں سے غائب ہوجانا اور زمین کی قید میں نہ رہنا کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔ ہاں دلچسپ بات یہ تھی کہ جنرل چراغ بیگ نے جان بوجھ کر یہ سب کچھ نہیں کیا تھا۔ بلکہ کیا کچھ تھا ہو کچھ گیا تھا اور جو کچھ ہوا

تھا اس سے بہتوں کا بھلا ہونے والا تھا۔

اب شہر تک کا فاصلہ طے کرنے کا مسئلہ تھا۔ شہر نزدیک نہیں تھا۔ وہ اپنے بدن کے ہلکے پن سے فائدہ اٹھا سکتا تھا لیکن اس کے باوجود فاصلہ کافی تھا۔ بہرحال وہ چل ہی پڑا۔ ہوا اسے مدد دے رہی تھی۔ عمارت تک راستے میں کئی ذیلی سڑکیں اس نے طے کرلیں اور اس پر سڑک پر پہنچ گیا جو شہر تک جاتی تھی۔ نہ جانے دوسری سڑک کہاں تک چلی گئی تھی۔ منور نے شہر کی سمت کا تعین کیا اور چل پڑا۔ اس نے اپنی رفتار کا اندازہ کیا جو اسے بے حد عجیب محسوس ہوئی۔ رفتار بے حد تیز تھی ایک ایک قدم کئی کئی گز کا پڑ رہا تھا لیکن تقدیر نے اس کے راستے میں پھول ہی پھول کھلا دیئے تھے۔ عقب سے روشنیاں محسوس کرکے رک گیا۔ ایک آئل ٹینکر تھا جو اس کی جانب آرہا تھا اور منور نے آنکھیں بھینچ کر گردن ہلائی۔ آئل ٹینکر ڈرائیور کو اشارہ کرکے روکنے کی کوشش تو حماقت تھی۔ ظاہر ہے وہ اسے دیکھ نہیں سکتا تھا اس لئے اب اسے آئل ٹینکر پر چڑھنا تھا۔ سڑک کے کنارے ایک طرف کھڑا ہوکر وہ اس کے نزدیک آنے کا انتظار کرنے لگا۔ ٹینکر کی رفتار کافی تیز تھی اندازے سے منور نے چھلانگ لگائی اور اس سیڑھی تک پہنچ گیا جو ٹینکر کے ڈھکن تک جاتی تھی۔ سیڑھی پر قدم جما کر اس نے اس کا اوپری حصہ پکڑلیا۔ ٹینکر ڈرائیور کو کوئی شبہ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

لیکن منور کی زندگی میں یہ سارے تجربات انوکھے تھے۔ اسے اپنی ذات پر ایک انوکھا اعتماد ہوگیا تھا۔ شہر تک کا سفر اس نے اسی طرح طے کیا اور جب ٹینکر شہر میں داخل ہوا تو یہ شہر، شہر خموشاں کا منظر پیش کررہا تھا۔

رات کا تیسرا پہر تھا اور یہ گہری نیند کا وقت ہوتا ہے۔ ایک موڑ پر ٹینکر کی رفتار سست ہوئی تو منور نیچے کود گیا اور پھر یہاں سے اس نے فیروز الدین صاحب کی کوٹھی کا رخ کیا اور اپنی خصوصی رفتار سے دوڑتا ہوا کوٹھی تک پہنچ گیا۔

بڑے گیٹ کے سرے پر بلب روشن تھا اور بوڑھا چوکیدار گہری نیند سو رہا تھا۔ نہ جانے کیوں منور سے مایوس ہونے کے بعد بھی فیروز صاحب اپنی نئی کوٹھی میں ابھی تک نہیں گئے اور اسی پرانے طرز کی عمارت میں خوش تھے۔

منور پھاٹک پھلانگ کر اندر داخل ہوگیا۔ کوٹھی کا صدر دروازہ کھلا ہوا تھا تھوڑی دیر کے بعد وہ فیروز الدین صاحب کی خواب گاہ کے دروازے پر تھا۔ اندر سے

نائٹ بلب کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ منور نے کی ہول سے جھانک کر دیکھا فیروزالدین اور ان کی بیگم گہری نیند سو رہے تھے۔

شاید ان بے چاروں کو منور کی ذات سے مایوس ہو کر اب قرار آگیا تھا لیکن ان کے کمرے میں جھانک کر اس کا دل خوشی سے منور ہو گیا۔ سامنے ہی نوشابہ نظر آرہی تھی۔ اس کا رخ دروازے کی جانب ہی تھا۔ سفید دوپٹا اس کے چہرے کے گرد لپٹا ہوا تھا اور نیلے بلب کی مدہم روشنی میں وہ آسمان سے اتری ہوئی کوئی حور معلوم ہو رہی تھی جو خدا کی عبادت میں مصروف تھی۔ رات کے اس تیسرے پہر نوشابہ کی یہ عبادت منور کے دل پر بے حد اثر انداز ہوئی اور وہ سکتے کے عالم میں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ تب نوشابہ نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور نہ جانے وہ کب تک یونہی ہاتھ پھیلائے رہتی کہ منور چونک پڑا۔ اس نے دروازے پر آہستہ سے دوبار دستک دی اور نوشابہ بھی چونک پڑی۔ اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے اور پھر دروازے کی جانب دیکھنے لگی پھر اس نے اٹھ کر جائے نماز کا کونا موڑا اور چپلیں پہن کر دروازے کے نزدیک پہنچ گئی۔

"کون ہے..........؟" اس کی آواز ابھری۔

"دروازہ کھولو نوشی میں مانی ہوں۔" منور نے دھیمے لہجے میں کہا اور نوشابہ بے اختیار ہو گئی اس نے تیزی سے دروازے کے دونوں پٹ کھول دیئے اور پھر خلا میں گھورنے لگی۔ پھر اس نے بڑی تیزی سے باہر نکل کر اِدھر اُدھر دیکھا اور سینے پر ہاتھ رکھ لئے۔

"کیا یہ میرا وہم تھا لیکن آواز.......... آواز تو مانی بھیا ہی کی تھی۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور منور مسکراتا ہوا اس کے کمرے کے اندر داخل ہو گیا اور نوشابہ کافی دیر تک دروازے میں کھڑی رہی۔ منور نے محسوس کیا تھا کہ اس کی سسکیاں ابھر رہی ہیں لیکن نوشابہ سے خود کو فوراً متعارف کرانا مناسب نہیں تھا وہ خوف زدہ بھی ہو سکتی تھی۔

چند ساعت وہ اسی طرح دروازے پر کھڑی رہی اور پھر اس نے ایک گہری سسکی لے کر دروازہ بند کر دیا۔ میرے خدا مجھے سکون دے۔ میرے بھیا جہاں بھی ہوں خیریت سے ہوں۔ نوشابہ نے روتی ہوئی آواز میں کہا اور واپس پلٹ پڑی۔ آنسو اس

کی آنکھوں سے ابھی تک بہہ رہے تھے۔

تب منور نے دوبارہ اسے آواز دی۔ "نوشی.........." اور نوشابہ ایک بار پھر چونک پڑی۔ یہ کیا ہے.......... یہ سب کچھ کیا ہے۔ اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لئے اور سسک پڑی۔ تب منور آگے بڑھ آیا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ نوشابہ کے سر پر رکھ دیا۔ نوشابہ سہمے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹ گئی اور پھر خلا میں ہاتھ مارنے لگی۔

"نوشاب میں منور ہوں اور تمہارے پاس ہی موجود ہوں لیکن تم مجھے دیکھ نہیں سکتیں۔" منور نے صاف لہجے میں کہا اور نوشابہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھے پیچھے ہٹ گئی۔

"نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا' یہ نہیں ہو سکتا۔" اس کی آواز اس طرح بھنچی بھنچی ابھری جیسے اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہو۔

"نہیں نوشاب کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔ بیٹھ جاؤ میری باتیں سنو میں بالکل خیریت سے ہوں اور جو تم سمجھ رہی ہو وہ بالکل نہیں ہے۔"

"مگر مگر تم ہو کہاں مانی' کہاں ہو میرے بھیا۔" نوشابہ بے اختیار رو پڑی۔

"تمہارے بالکل نزدیک ہوں نوشابہ اور یقین کرو کسی دقت یا پریشانی کا شکار نہیں ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے نگاہوں کے سامنے نہ دیکھ کر تمہارے ذہن میں نہ جانے کیا کیا خیالات ابھر رہے ہوں گے لیکن خدا کے لئے چند لمحات کے لئے ان سارے خیالات کو ذہن سے نکال دو اور جو کچھ میں بتا رہا ہوں اس کو غور سے سنو اس کے بعد پھر کوئی فیصلہ کرنا۔"

"مگر بھیا تم نظر کیوں نہیں آرہے؟"

"ضرورت کے تحت۔" منور نے جواب دیا۔

"مگر میں تمہارے بدن کو تو محسوس کر سکتی ہوں' ابھی تم نے میرا سر چھوا تھا۔" نوشابہ نے کہا۔

"ہاں یہ سب کچھ ٹھیک ہے لیکن ابھی تم مجھے دیکھ نہیں سکتیں نوشاب۔" منور نے جواب دیا۔

"لیکن کیوں' آخر کیوں؟" نوشاب پریشانی سے گردن ہلاتی ہوئی بولی۔

"بھئی تم سننے کی کوشش تو کر نہیں رہیں' بس سوالات کئے جا رہی ہو۔ جب میں

نے تمہیں ایک بات بتا دی ہے کہ میں کسی حادثے یا الجھن کا شکار نہیں ہوں تو پھر تمہیں اتنی پریشانی کیوں ہے۔ ذرا اطمینان سے بیٹھو تاکہ میں تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتادوں۔"

"نہ جانے یہ سب کچھ کیا ہے۔ نہ جانے کیا ہے۔" نوشاب پریشانی سے گردن ہلاتی ہوئی بولی اور پھر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ "تم کہاں ہو بھیا؟" اس نے پوچھا۔

"تمہارے قریب۔" منور نے کہا اور اس کے نزدیک جاکر بیٹھ گیا اس نے نوشاب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ نوشاب اب بھی سہمی سہمی نظر آرہی تھی۔

"دیکھو نوشاب پہلے تو میں تمہاری ذہنی پریشانی دور کرنے کے لئے بغیر کسی تمہید کے یہ بات بتادوں کہ میں نے اپنے ایک دوست کے ذریعے ایک سائنسی تجربہ کیا ہے اور خود کو عام نگاہوں سے پوشیدہ کرلیا ہے۔"

"اوہ مگر یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"؟اب اگر اس ممکن کو تم ناممکن قرار دینا چاہتی ہو تو میں کیا کرسکتا ہوں نوشاب!" منور نے کہا۔

"بھیا اس کے علاوہ تو اور کوئی بات نہیں ہے۔" نوشاب نے بمشکل تمام خود کو سنبھال کر پوچھا۔

"جی ہاں' اگر آپ محسوس کررہی ہیں کہ میں مرچکا ہوں اور میری روح آپ سے مخاطب ہورہی ہے تو یہ آپ کی حماقت ہے۔ میں زندہ ہوں اور ابھی طویل عرصے تک زندہ رہنے کا پروگرام رکھتا ہوں۔" منور نے جواب دیا اور نوشاب کے چہرے پر کسی حد تک سکون پھیل گیا۔

"مگر یہ کیسا تجربہ ہے بھیا۔ کیا یہ تجربات قصے کہانیوں کے علاوہ عملی زندگی میں بھی کوئی حیثیت رکھتے ہیں؟"

"مس نوشاب آپ تعلیم یافتہ ہیں' مانتا ہوں آپ نے اسلامیات کی تعلیم حاصل کی ہے لیکن سائنس کو آپ نظرانداز نہیں کرسکتیں اور سائنسی کارناموں سے ہمارے یہاں کے ان معصوم بوڑھوں کی طرح انحراف نہیں کرسکتیں جو خود تو سائنس کی بخشی ہوئی آسانیوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ سائنس کی پہنچ لامحدود ہے۔"

"مگر بھیا کیا یہ واقعی درست ہے مجھے یقین دلادو۔ نہ جانے کیوں مجھے یقین نہیں آرہا۔"

"مس نوشاب' منور کے بارے میں ہمارے والد بزرگوار نے جو اندازے قائم کیے ہیں یوں لگتا ہے جیسے تم بھی انہی کے انداز میں سوچنے لگی ہو۔" منور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب.........؟" نوشاب اب پُرسکون ہوتی جارہی تھی۔

"مطلب یہ کہ منور نے لندن میں رہ کر صرف رفاہی اور فلاحی ادارے نہیں چلائے ہیں بلکہ اور بھی بہت کچھ کیا ہے۔ یار نوشاب دیکھو مجھے تم سے بہت ہی باتیں کرنی ہیں لیکن شرط یہی ہے کہ تم میری اس بات کو تسلیم کرلو کہ میں جو تمہاری نگاہوں سے رُوپوش ہوں اس کی بنیاد ایک سائنسی تجربہ ہے جو میں نے صرف اس لئے خود پر کرایا ہے کہ مجھے میرے مشن کی تکمیل میں کوئی دقت نہ ہو۔ میں جب چاہوں گا اپنی اصلی حالت میں واپس آجاؤں گا لیکن ابھی میرے لئے یہی مناسب ہے۔ یار تھوڑی سی تفریحات بھی ضروری ہوتی ہیں نا............"

"تفریحات۔ آپ انہیں تفریحات کہہ رہے ہیں مائی بھیا!" نوشاب نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

"کیوں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"ان تفریحات کے سلسلہ میں ہمارے گھر میں جو تبدیلیاں رُونما ہوئی ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟" نوشاب نے کہا۔

"میں ان تبدیلیوں سے ناواقف ہوں۔"

"یہ تو اچھی بات نہیں ہے بھیا۔ رفاہ عامہ کے کام کرنا اچھی بات ہے لیکن ان لوگوں کے حقوق بھی تو ہوتے ہیں جو ہماری پرورش کرکے ہمیں کسی قابل بناتے ہیں۔"

"امی جان اور ابو جان اگر میری کھال بھی مانگیں نوشی تو خدا کی قسم انکار نہیں کروں گا لیکن نظریہ اختلاف تو بنیادی حق ہے۔" منور نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ کو ان کے جذبات کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔"

"گویا نوشی بیگم کو بھی اپنے بھائی سے شکایتیں پیدا ہوگئیں۔"

"کیا مجھے بولنے کا حق نہیں ہے بھیا؟"

"سو فیصد ہے۔ لیکن پہلے ایک بات بتاؤ۔ کیا تمہیں میرے اقدامات سے اختلاف ہے؟"

"نہیں............ لیکن رفاہی کاموں کے لئے آپ نے جو راستے منتخب کئے ہیں ان سے ضرور اختلاف ہے۔ آپ کو پتا ہے صورتِ حال کیا ہے۔"

"یہی تو پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"ابو کی تمناؤں کا محور آپ تھے۔ انہوں نے آپ کے کلینک کے لئے زمین خریدی تھی انہوں نے آپ کے لئے ایک خوبصورت کوٹھی تعمیر کرائی تھی لیکن اب وہ آہوں اور آنسوؤں کا مرقع بن کر رہ گئے ہیں ہر وقت غم زدہ رہتے ہیں۔"

"مجھے ان سے بنیادی اختلاف ہے نوشی۔"

"وہ کیا............؟"

"کیا تمہارے خیال میں فیروزالدین صاحب مالی مشکلات کا شکار ہیں؟"

"نہیں............"

"کیا ان کے پاس اب بھی اتنی دولت نہیں ہے نوشی کہ وہ پوری زندگی ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر نوابوں کی سی شان سے بسر کر سکیں۔"

"ہاں ہے۔"

"یہی تو بنیادی اختلاف ہے نوشی۔ دولت کا یہی ٹھہراؤ تو ملکوں اور قوموں کی تقدیر کی سیاہی بن جاتا ہے۔ ابو نے مجھے ڈاکٹر بنایا میرے کلینک کے لئے زمین خریدی لیکن ان کے جذبات میں کھوٹ تھی۔ وہ میرے ذریعے دولت کے انبار لگانا چاہتے تھے بس اتنا سا اختلاف کیا ہے میں نے ان سے۔ میں خود بھی عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں لیکن میری ضرورت سے اگر کچھ بچ رہے اور کسی کے کام آجائے تو کون سی بری بات ہے۔"

"سب کچھ ٹھیک ہے بھیا! لیکن وہ دولت بھی تو آپ کے لئے ہی جمع کرنا چاہتے تھے۔ ہر انسان اولاد کے لئے بہتر زندگی کا خواہاں ہوتا ہے۔"

"لیکن مجھے دولت کی نہیں قلبی سکون کی ضرورت ہے۔ ابو اگر وعدہ کریں کہ بے پناہ دولت جمع کر کے وہ مجھے سکون خرید دیں گے تو میں ان کی ہدایات پر عمل کرنے

کے لئے تیار ہوں۔"

"سکون خریدا تو نہیں جا سکتا بھیا۔"

"تب مجھے اس کے حصول کے لئے کیوں روکا جا رہا ہے؟"

"لیکن اس کے لئے مناسب راستے بھی تو ہو سکتے تھے بھیا۔ آپ قانون کی نگاہوں میں جو کچھ بن گئے کیا وہ آپ کے وقار، آپ کی حسین شخصیت پر زیب دیتا ہے؟"

"ہر انسان اپنے حسن کا سب سے بڑا مداح ہوتا ہے نوشی۔ کوئی دوسرا اسے اس کی خوبیوں کی داد نہیں دے سکتا۔ باقی رہے مناسب راستے تو وہ تمہاری نگاہوں میں کیا تھے نوشی............؟"

"آپ اپنے پیشے کو وسیع تر بنیادوں پر پھیلاتے۔ دولت مندوں سے دولت سمیٹتے اور غریبوں کا علاج مفت کرتے اور اپنے ملک میں اسپتالوں کا جال پھیلاتے اور دکھی انسانیت کی خدمت کرتے۔"

"میں ڈاکٹر ہوں نوشی۔ جسمانی بیماریاں روح کی بیماریوں سے جنم لیتی ہیں اور کوئی ڈاکٹر اس وقت تک مکمل ڈاکٹر نہیں کہلا سکتا جب تک وہ بیماری کی وجہ کا سراغ نہ لگا لے۔ میں نے اپنے وطن کے بیماروں کا بنیادی علاج شروع کیا ہے۔ ان کی روحوں سے چمٹے ہوئے بھیانک جراثیم نوچنے سے میں نے اپنے پیشے کی ابتدا کی ہے۔ بھوک، افلاس، معاشی بدحالی بے توجہی کی وبا میرے پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے پہلے اس وبا کو روکنے کی کوشش شروع کی ہے اور تم اس کا نتیجہ دیکھ لینا جیسے مریض میرے زیر علاج ہیں ان کی اسی فیصد بیماریاں خود بخود درست ہو جائیں گی۔ بتاؤ میں نے کیا غلط کیا ہے؟"

"لیکن قانون کی نگاہ میں آپ مجرم بن گئے۔"

"قانون کی نگاہ میں نہیں نوشی............ صرف ان اداروں کی نگاہوں میں جو دنیا کی آبادی کم سے کم رکھنے کے خواہش مند ہیں جو صرف خود زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ قانون تو بہت مقدس چیز ہے نوشی۔ انسانیت کو تحفظ دیتا ہے لیکن افسوس............ بعض لوگ اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی قدرت رکھتے ہیں۔"

"آپ ان سب سے کس طرح ٹکرائیں گے بھیا!"

"ٹکرا رہا ہوں لیکن میرا مقصد جنگ نہیں ہے۔ تم اطمینان رکھو نوشی۔ شدید

ترین حالات میں بھی کسی کو قتل نہیں کروں گا۔ میرا مقصدِ حیات کچھ اور ہے۔"

"لیکن ہمارے گھر کا کیا ہو گا بھیا؟"

"اس گھر میں نوشی.......... میں تمہیں اپنا قائم مقام دست راست سمجھتا ہوں اور یہ میں تمہیں خوش کرنے کے لئے نہیں کہہ رہا دل سے کہہ رہا ہوں۔ امی اور ابو کو سمجھاؤ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ میری معاونت کریں بس میرے لئے اتنی شدت اختیار نہ کریں۔"

"ابو کی حالت درست نہیں ہے۔"

"کیا بات ہے؟"

"بس چپ سادھ لی ہے۔ سارے کاموں میں بے دلی سے حصہ لیتے ہیں۔ اب اس گھر میں کبھی کوئی نہیں ہنستا۔"

"تھوڑے دن اسی فضا میں گزار لو نوشی۔ آخر کار سب ایک دن میری کاوشوں کو بری نگاہوں سے دیکھنا چھوڑ دیں گے۔"

"بہت مشکل ہے بھیا۔"

"ہر جذبہ مشکلات کا شکار رہتا ہے نوشی۔ میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔"

"کیا..........؟"

"میری تو آرزو تھی کہ تم عملی زندگی میں بھی میری معاون ہوتیں اور میری غیر موجودگی میں ان اداروں کے معاملات کی نگرانی کرتیں۔"

"تب پھر مجھے بھی اپنے جیسا بنوا دیں بھیا۔" نوشی مسکرا کر بولی۔

"نہیں نوشی.......... امی اور ابو کو تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔ فی الوقت تم صرف اتنا کرو کہ انہیں میری کاوشوں کا قائل کر دو۔ تم ایک ذہین لڑکی ہو یہ کام بہ آسانی کر سکتی ہو۔"

"ان کا تو کچھ اور ہی خیال ہے۔" نوشی مسکرا کر بولی۔

"وہ کیا..........؟"

ان کے خیال سے.......... آپ کی اس پوزیشن نے میرا مستقبل بھی قتل کر دیا ہے اور اب کوئی شریف خاندان مجھے قبول نہیں کرے گا۔"

"ان کا یہ خیال بھی ایک دن غلط ثابت ہو جائے گا نوشی۔ بس شریفوں کا تعین غلط

کیا ہے بے شک میں تمہیں ایسے کسی شریف خاندان میں جانے بھی نہیں دوں گا جو اخلاقی اور انسانی قدروں سے محروم ہو۔ اچھا یہ بتاؤ اس وقت کیا دعا مانگی جا رہی تھی؟"

"بس بھیا' خدا کی دین کے بارے میں نہ پوچھو۔ تم یاد آ رہے تھے اور میں نے اس کے سامنے تمہاری درازی عمر کے لئے ہاتھ پھیلائے تھے کہ تمہاری آواز سنائی دے گئی لیکن بھیا اب تم میری تسلی بھی کرو' میری عقل حیران ہے کہ.........."

"کہ میں تمہیں نظر نہیں آ رہا ہوں؟" منور نے جملہ پورا کر دیا۔

"ہاں.......... گو میں نے تمہاری باتوں پر بھروسا کر لیا ہے لیکن میری آنکھیں تمہاری صحت دیکھنا چاہتی ہیں۔"

"میری بہتری کے لئے تمہیں یہ صورتِ حال کچھ عرصے کے لئے برداشت کرنا ہو گی نوشی! پولیس میری تلاش میں ہے لیکن میں کسی کونے میں منہ چھپا کر بھی نہیں بیٹھ سکتا کیا ایسی حالت میں میری یہ کیفیت میرے تحفظ کی ضامن نہیں ہے۔"

"لیکن پھر بھی یہ تو سائنس کی جدید ترین شکل ہے۔ میرا خیال ہے نظر نہ آنے والے انسان کے لئے ریسرچ تو ہو رہی ہے لیکن ابھی اس کے نتائج منظرِ عام پر نہیں آئے۔"

"لیکن یہ ریسرچ مکمل ہو گئی ہے۔ تم نے خود بتایا تھا۔"

"ہاں.......... لیکن اس دوران تم کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔"

"ہرگز نہیں.......... خود ہمارے وطن میں بے شمار ہیرے جگمگا رہے ہیں لوگ ہی اندھے ہیں تو کوئی کیا کرے۔"

"تو کیا کسی مقامی سائنس دان نے؟"

"ہاں.......... لیکن اس نے بھی اس دنیا کی بدنما صورت سے مایوس ہو کر ایک گوشہ آباد کر لیا ہے اور کبھی منظرِ عام پر نہیں آتا۔"

"کون ہے وہ..........؟"

"جنرل ٹابو.........." منور نے اس خیال سے کہہ دیا کہ ظاہر ہے جنرل ٹابو کو کون جانتا ہے لیکن نوشاب اچھل پڑی۔

"وہ.......... وہ تمہارا دوست ہے بھیا۔" اس نے حیرت سے کہا اور منور بھی

حیران ہو گیا۔

"کیا تم اس نام سے واقف ہو؟"

"واقف ہی نہیں بہت عرصہ تک اس کے بارے میں سوچتی بھی رہی ہوں۔ بڑی عجیب و غریب شخصیت کا مالک ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ اس نے ایک بار خط میں ایک وبا کے بارے میں لکھا تھا جس میں بے شمار لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔ خدا کی پناہ کیا کیفیت تھی شہر خالی ہونے لگا تھا۔ ہم لوگوں نے بھی شہر چھوڑ دیا تھا اور وبا کے ختم ہونے کے بعد واپس آ گئے تھے۔ اس وبا سے نجات کا طریقہ جنرل ٹابو نے ہی تو بتایا تھا اور بعد میں حکومت نے اسے نوازنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے کچھ قبول نہیں کیا البتہ اخبارات نے اس کا انٹرویو چھاپا تھا انٹرویو کیا آنکھوں دیکھا حال کیوں کہ انٹرویو تو اس نے دیا ہی نہیں تھا۔ بلکہ اخباری رپورٹروں کی مرمت کر دی تھی۔"

"جنرل ٹابو نے؟"

"ہاں یقین کرو عرصہ تک لوگوں کو اس کا خبط رہا لیکن سنا ہے وہ کسی سے ملنا پسند نہیں کرتا۔"

"تعجب ہے۔ اس نے مجھ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔"

"وہ تمہارا دوست ہے بھیا؟"

"ہاں.......... اور اسی کے ایک تجربے نے میرا تحفظ کیا ہے.........."

"پھر سب ٹھیک ہے کیا تم اس کے ساتھ تعلیم حاصل کر رہے ہو؟"

"ہاں نوشی، لیکن یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ یہ بات بے ہوشی کے عالم میں بھی تمہاری زبان سے نہ نکلنے پائے۔"

"بے فکر رہیں بھیا۔"

"کبھی وہاں مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ میں خود ہی تم سے ملاقات کرتا رہوں گا۔ ہاں نوشی یہ بتاؤ تم میرے لئے کچھ کام کر سکتی ہو؟"

"کیوں نہیں بھیا! حکم دیں۔"

"کئی دن سے میں اپنے ادارے سے رابطہ نہیں قائم کر سکا۔ تمہیں ان کے بارے میں تفصیلات تو معلوم ہی ہیں۔ کیا تم ان کے بارے میں مجھے معلومات فراہم کر سکتی ہو۔"

"لیکن کس طرح بھیا! میں آپ سے رابطہ کیسے قائم کروں گی؟"

"تم ایسا کرو نوشی کل یہ معلومات فراہم کر لو ممکن ہے کل یا پھر پرسوں میں تم سے رابطہ قائم کروں، اس وقت مجھے یہ اطلاعات فراہم کر دینا۔"

"میری ذمہ داری.......... صرف ان اداروں کی خیریت درکار ہے نا آپ کو..........؟"

"ہاں صرف خیریت.........."

"ٹھیک ہے آپ جب بھی مجھ سے رابطہ قائم کریں گے میری رپورٹ تیار ہو گی۔"

"تو اب مجھے اجازت نوشی۔ امی اور ابو کو سمجھانے کی کوشش کرو میں کچھ نہیں چاہتا لیکن بس اتنا کرو کہ وہ لوگ مجھ سے ناراض نہ رہیں۔"

"میں کوشش کروں گی۔"

"اچھا نوشی خدا حافظ!" منور نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور نوشی ٹٹول کر اس سے لپٹ گئی اسے منور کا بھرپور بدن صاف محسوس ہو رہا تھا لیکن نگاہوں کے سامنے کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار ہو گئی اور منور اسے خدا حافظ کہہ کر نکل آیا۔

جنرل ٹابو کی کوٹھی میں وہ خط لکھ کر صرف اس لئے چھوڑ آیا تھا کہ ممکن ہے کسی خاص واقعے کی وجہ سے واپس نہ پہنچ سکے لیکن اس وقت صرف نوشی سے ملاقات مقصود تھی جو ہو گئی تھی اور اسے اطمینان ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ ابھی خود کو مشکوک کیوں کرے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جنرل ٹابو اس سے صرف اس لئے متاثر ہے کہ وہ اسے زمینی انسان نہیں سمجھتا اگر اسے منور کی اصل حیثیت معلوم ہو جائے تو اس کا رد عمل کیا ہو۔ اس لئے منور ابھی اس معاملے کو راز ہی رکھنا چاہتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ عمارت سے باہر نکل آیا۔ ابھی روشنی نہیں پھوٹی تھی ویسے یہ رات کا آخری پہر تھا۔ ابھی اسے چالیس میل کا سفر طے کرنا تھا لیکن کس طرح.......... اس نے چند لمحات سوچا اور پھر اس کی نگاہیں ایک عمارت کے باہر کھڑی ہوئی لمبی سی کار کی طرف اٹھ گئیں۔ کار کے نزدیک چند لوگ نظر آ رہے تھے۔ منور اس کی طرف بڑھ گیا۔ کوئی ایئرپورٹ یا ریلوے اسٹیشن سے آیا تھا۔ سوٹ کیس

اور دوسرا سامان ڈگی سے اتار رہا۔ منور نے دل ہی دل میں اس کا شکریہ ادا کیا ان لوگوں نے اس کی مشکل حل کردی تھی۔ اب یہ کار ہی اسے اس کی منزل تک پہنچائے گی۔ وہ ایک طرف کھڑا ہو کر انتظار کرنے لگا۔ سامان کا آخری بنڈل بھی اتارنے کے بعد ڈرائیور نے ڈگی بند کردی اور پھر ایک بھاری آواز نے اسے ہدایت کی۔

"ڈرائیور، گاڑی پیچھے کھڑی کرنے کے بعد آرام کرو اب کوئی کام نہیں ہے۔ ہاں صبح نو بجے یہاں سے چلنا ہے اس وقت جتنی دیر سونا ہو سولینا' اس کے بعد دوپہر تک تمہیں فرصت نہیں ہوگی۔"

"جی صاحب!" ڈرائیور نے جواب دیا اور منور کے ہونٹ سکڑ گئے۔ بھائی ڈرائیور یہ بات تو مناسب نہیں ہے کہ تم اب گاڑی بند کرکے آرام سے سو جاؤ گے' اس نے سوچا۔ ڈرائیور نے ڈگی بند کردی تھی اور پھر وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر آبیٹھا۔ منور جلدی سے اچھل کر گاڑی کے اوپر سوار ہو گیا تھا۔ گاڑی کے اوپر سامان رکھنے والا کٹہرا بھی لگا ہوا تھا اس نے کٹہرا پکڑ لیا لیکن یہ سفر چند گز سے زیادہ کا نہیں تھا۔ ڈرائیور نے گاڑی عمارت کے ساتھ بنے ہوئے گیراج میں بند کردی اور پھر اسے لاک کر کے چابی گھماتا ہوا نیچے اتر آیا۔

"میرے بھائی ذرا چابی دینا۔" منور اس کے سامنے پہنچ کر بولا اور ڈرائیور ہکا بکا ہو کر رک گیا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا اور پھر گھوم کر پیچھے دیکھنے لگا۔ اس وقت منور نے اس کے ہاتھ میں ٹکی ہوئی چابی چھین لی اور ڈرائیور بری طرح اچھل پڑا۔ ایک بار پھر اس نے آنکھیں پھاڑ دیں لیکن دوسرے لمحے وہ گھگیائے ہوئے انداز میں چلا پڑا۔

"بچاؤ بچاؤ' بھوت بھوت۔" اس کی خوف زدہ آواز سنائی دے رہی تھی اور منور کسی تحریک سے پہلے ہی یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ بغیر دروازے والے گیراج میں داخل ہوا اس نے کار کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر اسے ریورس کرلیا۔ دوسرے لمحے کار سڑک پر برق رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔ ظاہر ہے یہ دیکھنے کی ضرورت تو نہیں تھی کہ ڈرائیور کا کیا حشر ہوا اور اس کی چیخ وپکار کے جواب میں کون باہر نکلا۔ البتہ وہ یہ ضرور سوچ رہا تھا کہ کار بہت جلد اور کسی ایسی جگہ چھوڑنی پڑے گی جہاں سے جنرل ٹابو کی کوٹھی کا فاصلہ زیادہ نہ ہو تا کہ کسی کی توجہ اس جانب مبذول

نہ ہوسکے۔

کار کو برق رفتاری سے چلاتا ہوا جب وہ ایک چوراہے پر پہنچا تو اسے سیٹیوں کی آواز سنائی دی غالباً کسی پٹرول کار سے اسے دیکھ لیا گیا تھا اور شاید سیٹیاں بجنے کی آوازوں کی وجہ کار کی تیز رفتاری تھی۔ اب کیا کیا جائے منور نے سوچا لیکن مصیبت تو آہی گئی تھی بہتر یہ تھا کہ سفر جاری رکھا جائے۔ چنانچہ وہ برق رفتاری سے اپنی منزل کی جانب دوڑتا رہا۔

لیکن عقب نما آئینے میں اسے دو روشنیاں نظر آرہی تھیں یہ دونوں روشنیاں کم از کم کار کی نہیں تھیں شاید موٹر سائیکلیں تھیں جو اس کے پیچھے دوڑ رہی تھیں۔

منور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ تیز رفتاری سے کار ڈرائیو کرتا رہا پھر وہ گنجان علاقے سے باہر نکل آیا۔ کار اسی سڑک کی جانب دوڑ رہی تھی جس سے ایک مخصوص فاصلے تک پہنچنے کے بعد جنرل ٹابو کی کوٹھی تک پہنچا جاسکتا تھا۔

موٹر سائیکلیں شاید خاصی تیز رفتار والی تھیں کار کو خاصا تیز دوڑانے کے بعد بھی ان کی روشنیاں نزدیک سے نزدیک تر آتی جارہی تھیں اور پھر منور کو احساس ہوا کہ چند ہی لمحات میں وہ اسے آلیں گے۔ چنانچہ اس نے کار کی رفتار سست کردی اور کار کو سڑک کے کنارے کر کے کھڑا کردیا۔ پیچھے آنے والے بھاری وجاہت کے دو سارجنٹ تھے اور بہت زیادہ جھلائے ہوئے تھے۔ ایک موٹر سائیکل تو کار کے بالکل اگلے حصے سے آگی۔ دوسری اس کے بائیں سمت آگی اور دونوں سارجنٹ پھرتی سے انہیں اسٹینڈ کر کے باہر نکل آئے۔

"بھاگ گیا۔" ان میں سے ایک نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کوئی مجرم ہی معلوم ہوتا تھا تلاش کرو۔"

"اوہ............ مگر اتنی جلدی بھاگ کر کہاں جاسکتا ہے ہم تو پیچھے ہی آرہے تھے۔" دوسرا سارجنٹ بولا۔

"تب وہ اس کار میں موجود ہے۔" انہوں نے کہا اور پستول نکال کر کار کے عقبی دروازے کھول دیئے۔

"خبردار کوئی جنبش کی تو تمہارے بدن میں سوراخ ہو جائے گا۔ تم کون ہو' یہ تو بعد میں ہی معلوم ہوسکے گا لیکن تم اپنی کسی بھی حرکت پر نقصان اٹھا سکتے ہو۔"

سارجنٹ نے کہا اور پھر ایک تیز روشنی والی ٹارچ جل اٹھی۔ یہ روشنی کار کی پچھلی سیٹوں کے نیچے ڈالی جا رہی تھی۔ پھر وہ آگے کی سیٹوں کے نیچے جھانک کر دیکھنے لگے۔

"نہیں ہے، اس میں تو کوئی نہیں ہے۔" ایک سارجنٹ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ کار کا انجن بدستور اسٹارٹ تھا۔

"معلوم ہوتا ہے انتہائی برق رفتاری سے نیچے اتر گیا ہے لیکن دروازے بھی کھلے ہوئے نہیں رہ گئے اور نہ ہی ان کے بند ہونے کی آواز سنی گئی۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ہم پیچھے ہی آ رہے تھے اور زیادہ فاصلہ بھی نہیں تھا۔"

"کوئی بہت ہی زیادہ چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے لیکن ہم سے بچ کر کہاں جائے گا۔ تلاش کرو۔" سارجنٹ نے کہا اور دفعتاً کسی خیال کے تحت وہ زمین پر لیٹ گیا۔ اس نے یہ سوچا تھا کہ ممکن ہے بھاگنے والا کار کے نیچے چھپ گیا ہو لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اتنی ہی پھرتی سے کھڑا بھی ہو گیا۔ اب وہ سڑک کی دونوں سائیڈ پر دوڑ رہے تھے اور منور سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ ان شریف لوگوں سے کس طرح کہے کہ بھائی اپنا راستہ ناپو یہاں سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ دونوں مستعد آفیسر ہر ممکن طور پر اسے تلاش کر رہے تھے اور دوڑتے ہوئے کافی دور نکل گئے تھے۔

ایک لمحے کے لئے منور نے سوچا کہ کار یہیں چھوڑے اور بقیہ سفر پیدل طے کرلے لیکن ابھی کافی سفر تھا اور اتنا سفر پیدل طے کرنا حماقت۔ چنانچہ ایک ہی ترکیب ہو سکتی تھی۔ وہ نیچے اترا اور کار کے سامنے کھڑی ہوئی موٹر سائیکلوں کے نزدیک پہنچ گیا پھر نیچے بیٹھ کر اس نے موٹر سائیکل کے پچھلے ٹائر کی ہوا نکال دی۔ اس کے بعد یہی عمل اس نے دوسری موٹر سائیکل کے ساتھ کیا اور پھر واپس کار میں آ بیٹھا۔ دوسرے لمحے اس نے کار ریورس گیئر میں ڈال کر پیچھے ہٹائی اور پھر ان سے آگے نکل گیا۔

دونوں سارجنٹوں کو اس نے موٹر سائیکلوں کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھا تھا لیکن پھر وہ دور دور تک نظر نہیں آئے۔ نظر آ بھی نہیں سکتے تھے۔

کار کو اس نے عمارت سے کافی دور سڑک پر ہی چھوڑ دیا تھا اور اس کے بعد پیدل سفر شروع کر دیا۔ اپنے ہلکے وزن کی وجہ سے وہ تیزی سے دوڑتا ہوا عمارت کے نزدیک پہنچ گیا اور پھر اپنے مخصوص حصے کے نزدیک پہنچ کر اس نے جچی تلی چھلانگ لگائی اور اس بار وہ زیادہ اونچا نہیں گیا تھا۔ اب اسے اپنی نئی حیثیت کا اندازہ ہو گیا

تھا۔

صبح کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ وہ اپنی خواب گاہ میں پہنچ گیا سب سے پہلے اس نے وہ کاغذ پھاڑ کر پھینک دیا جس پر وہ جنرل کے نام پیغام لکھ گیا تھا اور پھر آرام سے لیٹ گیا۔ پوری رات ہی گزر چکی تھی لیکن تھکن کے باوجود وہ پُرسکون تھا۔ نوشاب سے ملاقات نے اس کے ذہن پر خوش گوار اثر ڈالا تھا۔ وہ اندر آ کر سو گیا لیکن نیند پوری نہیں ہوئی تھی جب وہ اچانک جاگ گیا گیتی اس کا بدن ٹٹول رہی تھی۔

"گیتی۔" اس نے گیتی کے دونوں ہاتھ پکڑے اور گیتی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سوری ثاقب! ساڑھے نو بج چکے ہیں۔ ناشتے پر انتظار کرتے کرتے مجبور ہو کر آئی ہوں اور دیکھ رہی تھی کہ تم موجود بھی ہو یا نہیں۔"

"مسہری کی ڈائرکشن سے بدن کا اندازہ لگا لیا کرو گیتی۔ خوامخواہ دونوں کو شرمندہ ہونا پڑا۔" منور نے شرارت سے کہا اور گیتی سرخ ہو گئی۔ اس نے جلدی سے منور کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ چھڑائے تھے۔ "سوری گیتی۔ ناراض تو نہیں ہوئیں۔"

"نہیں ثاقب۔ تم سے واقف ہوں نا.......... اب جلدی کرو جنرل ناشتے کی میز پر موجود ہیں اور جب وہ بھوکے ہوں تو میز چبانے پر غور کرنے لگتے ہیں۔"

"بس ایک منٹ۔ کم از کم دانت صاف کرلوں۔ چہرے کی تو اب پروا نہیں ہے جیسا بھی ہے نظر کسے آئے گا۔"

"جلدی پلیز!" گیتی بولی اور پھر منور کی آواز پر وہ اس کے ساتھ چل پڑی۔

ناشتے کے کمرے میں داخل ہوتے ہی جنرل کی دھاڑ سنائی دی۔

"ملا.........؟"

"مل گیا جنرل.......... شروع ہو جاؤ۔" گیتی نے ایک کرسی منور کے لئے گھسیٹی دوسری اپنے لئے.......... لیکن دوسرے لمحے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ منور اس دوسری کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"کک کیا ہوا؟" جنرل پھر بولا۔

"اوہ کچھ نہیں.......... آپ ناشتا شروع کریں۔" گیتی بولی اور پھر تینوں نے

ناشتا شروع کر دیا۔ ناشتے کے دوران جنرل بار بار میز سے اٹھتی ہوئی چیزوں کو دیکھنے لگتا تھا۔ پھر وہ ناشتا کرتے کرتے چونک پڑا۔

"کیا بات ہے جنرل.........؟"

"ارے تم تو سچ مچ بھوتنی والے معلوم ہو رہے ہو۔ اگر تمہارے ناشتے کا انداز کوئی دیکھ لے تو کوئی بھی ناشتا نہ کرے۔" جنرل نے اس انداز میں کہا کہ گیتی اور منور ہنس پڑے۔

"ہاں جنرل......... یہ بات تو ہے۔" منور نے کہا اور جنرل دیر تک ہنستا رہا۔ پھر وہ ناشتے سے فارغ ہو گئے اور پھر جنرل ٹابو نے ہی کہا۔

"ڈیئر ثاقب! میرا خیال ہے اب ہمیں اپنے اصل مقصد کی طرف آ جانا چاہئے۔ دیکھو ثاقب اب یہ عمارت تین افراد کی ملکیت ہے میں اپنی ساری کاوشیں سارے اثاثے تمہارے سامنے رکھ دوں گا' گیتی میری حیثیت سے پوری طرح واقف ہے۔ میں اور گیتی اس انداز میں نہیں سوچ سکے تھے جس کی طرف تم نے متوجہ کیا۔ یہ ہماری کوتاہی ہے لیکن کوئی فرق نہیں پڑتا جو کام جب بھی شروع ہو جائے۔" پھر گیتی کے سامنے ہی ساری گفتگو ہوئی۔

"ٹھیک ہے جنرل......... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"تو پھر آؤ لیبارٹری میں ہی چل کر بیٹھتے ہیں۔"

"جو حکم جنرل۔" منور نے کہا اور تینوں کرسیاں کھسکا کر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لیبارٹری کے ایک مخصوص حصے میں بیٹھے تھے۔

"بات دراصل یہ ہے گیتی کہ اجنبی سیارے سے آنے والا یہ نوجوان جن خصوصیات کا مالک ہے اس کا اندازہ تو تم لگا چکی ہو لیکن اس نے میری زندگی میں ایک عجیب انقلاب برپا کر دیا ہے۔ اس نے ایک ایسی تجویز پیش کی ہے اور ایک ایسی راہ دکھائی ہے مجھے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ جیسے میں نے پوری زندگی حماقتوں میں گزاری ہو۔ میری سوچ' میرا انداز اتنا محدود ہے جتنا چھٹی کلاس میں پڑھنے والے کسی بچے کا۔ اس کے برعکس گیتی اس نوجوان نے جو کچھ کہا ہے وہ بڑا ہی حیرت انگیز ہے۔ تم جانتی ہو اس کے کن الفاظ نے میری آنکھیں کھولی ہیں؟"

"نہیں جنرل........." گیتی نے جواب دیا۔

"اس نے کہا گیتی' کہ سیاروں کی تسخیر کے خواب دیکھنے والے جنرل ٹابو کیا اس دنیا میں تجھ جیسے دوسرے لوگ موجود نہیں ہیں جو زمانے کے ہاتھوں موت کی آخری سیڑھی تک پہنچ چکے ہیں۔ اگر سیاروں کی تسخیر بھی تجھے ذہنی سکون نہ دے سکی تو اس کے بعد تو کیا کرے گا' تو کیا بہتر یہ نہیں ہے کہ تو اپنے جیسے ان بے بس اور لاچار لوگوں کو دیکھ جو تیری طرح زندگی کی آسائشیں نہیں حاصل کر سکتے جنہیں یہ مراعات حاصل نہیں ہیں کہ شہر سے دور ایک ویرانے میں عمارت بنائیں اور وہاں محدود ہو کر زندگی گزار دیں۔ ایک ایسی عمارت جس میں زندگی کی ساری آسائشیں موجود ہوں اور جہاں زندگی گزارنے میں کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے اور ان بے بس اور لاچار لوگوں کی تعداد تو بے پناہ ہے ہم نے بلاشبہ انہیں نظرانداز کر کے اپنی اب تک کی زندگی کو ضائع کیا ہے۔ تم خود سوچو اور گیتی مجھے بتاؤ کہ ثاقب کی اس سوچ میں کتنی عظمت پنہاں ہے۔ اس نے ہمیں وہ راستہ دکھایا ہے جو بہت پہلے ہماری نگاہوں میں آنا چاہئے تھا۔ گیتی کیا ہماری زندگی کا اس سے بہتر اور کوئی مصرف ہو سکتا ہے۔ ہم نے آج تک دنیا والوں سے صرف نفرت کی ہے۔ ہم نے ان سے الگ تھلگ رہ کر صرف کسی دوسرے سیارے کو آباد کرنے کے بارے میں سوچا ہے لیکن گیتی اگر ہم چند دلوں کی بستیاں آباد کر دیں تو کیا یہ سیاروں میں آباد ہونے سے بہتر فعل نہ ہو گا۔"

گیتی متحیرانہ نگاہوں سے جنرل ٹابو کو دیکھ رہی تھی اور پھر اس نے عقیدت بھری نگاہوں سے اس خالی کرسی کی جانب دیکھا جس پر منور بیٹھا ہوا تھا اور ان دونوں میں سے کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔

"یہ الفاظ اس اجنبی سیارے سے آنے والے نوجوان ثاقب نے کہے ہیں جنرل!" گیتی سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔

"ہاں گیتی یہ روشنی اس نے میرے سینے میں پھیلائی ہے۔"

"جنرل اس کے بعد تم ثاقب کو کیا کہو گے؟"

"کچھ نہیں کہوں گا گیتی' کچھ نہیں کہوں گا۔ سوائے اس کے کہ وہ سلاور کا باشندہ ہے اور سلاور میں رہنے والوں کے اصول کچھ بھی ہوں لیکن اس کی مٹی میں بھی عظمت ہے وہ عظمت جو زمین کو بھی روشنی دیتی ہے۔"

"بلاشبہ جنرل! ہماری آنکھوں کے سامنے کس قدر تاریکی تھی۔ اس عمارت میں

رہ کر ہمارے ذہن بھی ایک مقبرے میں تبدیل ہوگئے تھے۔ ہم نے بہتر سوچ چھوڑ دی تھی۔ ہم صرف اکتائے ہوئے لوگ تھے۔ میں ان لڑکیوں کو کبھی کا بھول گئی تھی جنرل جو میری طرح ہوس کی سیج پر کربناک آوازوں سے چیخ رہی ہوں گی۔ آہ.......... میں اپنی دنیا کو بھول گئی تھی جنرل! میں نے صرف اپنی ذات کے بارے میں سوچا تھا۔ یہ تو ہماری زندگی کا بہترین مصرف ہے جنرل! یہ تو.......... آہ یہ تو.........." گیتی جنرل سے بھی زیادہ جذباتی ہوگئی اور منور کے دل میں سرور لہریں لینے لگا۔ اس نے ان دونوں کو اپنا ہمنوا بنالیا تھا۔

دیر تک وہ دونوں جذبات میں ڈوبے رہے۔ پھر جنرل ثابو نے گلا صاف کرکے کہا۔ "ہاں ثاقب اب اس موضوع پر تبادلہ خیال کرو۔ تمہارے اس سونے کے ذہن میں اس سلسلے میں کیا منصوبے ہیں؟"

"میرے ساتھ صرف ایک کمزوری ہے جنرل۔ وہ یہ کہ میں نے تمہاری دنیا کو نزدیک سے نہیں دیکھا صرف تمہاری گفتگو سے ان مسائل پر غور کیا ہے۔ تمہاری دنیا میں غربت افلاس بیماریاں ہیں کچھ لوگوں کی زندگی پر اجارہ داری ہے جو دوسروں کی زندگی چھیننے کے خواہاں رہتے ہیں۔ کیا میں نے غلط کہا ہے۔"

"نہیں' یہی بات ہے بالکل یہی بات ہے۔"

"تو پھر ہماری جنگ ان اجارہ داروں سے ہونی چاہئے جو سرمائے پر سانپ بنے بیٹھے ہیں ان کے پھن کچلنے ہوں گے۔ میں اس کا قائل نہیں ہوں جنرل کہ ان سے زندگی چھینی جائے لیکن ان کی دولت میں سے ان مظلوموں کا حصہ ضرور نکال لیا جائے جو زندگی کی نعمتوں سے محروم ہیں اور ہمیں اس کے لئے کام کرنا ہوگا۔"

"طریقۂ کار کیا ہوگا..........؟" جنرل نے پوچھا۔

"یہ ذمہ داری میرے اوپر چھوڑ دی جائے جنرل! مجھے بس تمہاری مدد درکار ہوگی۔"

"تم صرف مدد کی بات کرتے ہو ثاقب۔ یہ ذمہ داری تو ہماری ہے جسے تم اپنے کاندھوں پر اٹھا رہے ہو۔ میرے پاس دو تین کروڑ روپے فالتو پڑے ہیں ان کا مصرف تو تم فوراً دریافت کرلو۔ اس کے بعد دوسروں کی باتیں کرو۔"

منور کے رگ و پے میں شراب کی سی مستی چھا رہی تھی۔ اس کی نظر اس حد

تک نہیں گئی تھی۔

اس کے رفاہی اداروں کو ایک بڑی مدد حاصل ہوگئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اب اس کا مشن تیزی رفتاری سے جاری ہوجائے گا۔

"ٹھیک ہے جنرل! اب مجھے بتادو کہ میں باہر نکل کر باہر کی دنیا کا جائزہ لوں اس کے بعد میں تمہیں اپنے دوسرے پروگرام کے بارے میں بتاؤں گا۔"

"مناسب.......... گیتی تمہیں شہر لے جائے گی کیوں گیتی کیا تم تیار ہو؟"

"خوشی سے جنرل.......... حالانکہ میں ایک طویل عرصے سے اس عمارت سے باہر نہیں نکلی ہوں لیکن شہر پہنچ کر مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"میں تھوڑی دیر تک تمہارے ساتھ سیر کروں گا گیتی اور اس کے بعد تم مجھے چھوڑ دینا۔ میں مناسب وقت پر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"تمہیں یہاں واپس آنے میں دقت ہوگی ثاقب۔"

"قطعی نہیں ہوگی جنرل۔ تم بے فکر رہو۔ میں پورے اعتماد سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔"

"جیسے تم پسند کرو۔ تو پھر کب جاؤ گے؟"

"دوپہر کے کھانے کے بعد۔" منور نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور دیر تک وہ اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ پھر اچانک لیبارٹری میں ایک آواز گونج اٹھی اور جنرل چونک پڑا۔ گیتی بھی چونک کر کھڑی ہوگئی تھی۔

"آمرا کوئی بھوتنی والا۔ ابے یہاں کیوں آمرتے ہیں یہ گدھے۔ گیتی! گیٹ کی اسکرین آن کرکے دیکھو کون ہے؟" جنرل نے منہ بنا کر کہا گیتی ایک طرف بڑھ گئی اور پھر اس نے کچھ بٹن آن کئے اور عمارت کے بڑے دروازے کی تصویر ایک ویژن سیٹ پر ابھر آئی اور چند ساعت کے بعد بیرونی منظر بھی صاف نظر آنے لگا۔ ایک پولیس جیپ کھڑی ہوئی تھی اور چند پولیس والے ایک افسر کو سنبھال رہے تھے جسے غالباً کرنٹ لگا تھا۔

"اب بتاؤ کیا کروں میں ان بے وقوفوں کا۔ کیوں آئے ہیں یہ یہاں۔" جنرل نے کہا۔

"مناسب سمجھیں تو خود دیکھ لیں جنرل!"

"ہاں اب تو دیکھوں گا کیوں کہ اب میرے سوچنے کا انداز بدل گیا ہے۔ ورنہ سر پھوڑتے رہتے وہ کبھی نہ جاتا۔ گیتی نہ جانا۔ گیتی تم یہاں رکو میں جاتا ہوں۔ تم چل رہے ہو ثاقب؟"

"چلئے جنرل!" منور نے کہا پہلے وہ محتاط ہو گیا تھا۔ پولیس کسی خاص وجہ سے ہی یہاں آئی ہوگی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ گیٹ پر پہنچ گئے جنرل نے راستے میں کئی بار اسے مخاطب کر کے اس کی موجودگی کا اندازہ کیا تھا۔ گیٹ کے باہر کھڑے ہوئے پولیس والوں کے چہروں پر خشونت کے آثار تھے وہ پولیس افسر کسی قدر سنبھل گیا تھا جسے کرنٹ لگا تھا۔ ان سب نے ہی ناخوش گوار نگاہوں سے جنرل ٹابو کو دیکھا۔

"ہم جنرل ٹابو سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔" ایک پولیس آفیسر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا تکلیف ہوگئی ہے تمہیں؟" جنرل ٹابو اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"تم کون ہو؟" اسی پولیس افسر نے سوال کیا۔

"ٹابو ہوں ٹابو، کیا بات ہے۔" جنرل ٹابو برا سا منہ بنا کر بولا۔

"جنرل ٹابو ہمیں آپ سے کچھ ضروری کام ہے۔"

"لیکن مجھے تم سے کوئی ضروری کام نہیں ہے۔" جنرل ٹابو نے جواب دیا۔ "تمہیں معلوم ہونا چاہئے میں کسی سے ملاقات نہیں کرتا۔"

"آپ کو پولیس کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے جنرل!" پولیس افسر نے کہا۔

"پولیس کو بھی میرے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ تم لوگ بھاگ جاؤ، ورنہ دیواروں میں وولٹیج اتنے زیادہ کر دیئے جائیں گے کہ قرب وجوار کی زمین بھی متاثر ہوگی۔ سمجھے تم.........." جنرل ناک چڑھا کر بولا۔

"جنرل ہم تلاشی کا وارنٹ بھی حاصل کر سکتے ہیں۔"

"ارے ارے تو حاصل کر لو نا.......... لیکن اس کے ساتھ ہی سو پچاس الیکٹریشن بھی لے کر آنا جو ان دیواروں کا کرنٹ ختم کرنے کی کوشش کریں۔ کیا سمجھے؟" جنرل ہاتھ نچا کر بولا۔

"ہمارے ایک آفیسر کو اس دیوار سے نقصان پہنچا ہے تمہیں اس بات کا کوئی حق نہیں پہنچتا جنرل کہ تم ان دیواروں میں کرنٹ چھوڑ دو۔ اس طرح کوئی بھی شخص

حادثے کا شکار ہو سکتا ہے۔"

"ہاں ضرور ہو سکتا ہے لیکن اندھے یہاں تک نہیں پہنچ سکتے اور جن کی آنکھیں ہوتی ہیں وہ ان ہدایات کو ضرور پڑھ لیتے ہیں جو دیواروں کے بارے میں لکھی گئی ہیں۔" جنرل جارحانہ انداز میں بولا اور پولیس آفیسر دانت پیسنے لگا۔

"تو تم ہمیں اندر نہیں آنے دو گے؟"

"منع کون کر رہا ہے۔ آجاؤ ہمت ہے تو لیکن جو کہہ دیا ہے وہ بھی تم نے سن لیا ہوگا۔" جنرل نے کہا اور منور آہستہ سے اس کے کان میں بولا۔

"پوچھ تو لیں جنرل! آخر یہ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں اور کیوں آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔" جنرل ایک دم اس پر بھی الٹ پڑنے کا ارادہ کر رہا تھا لیکن پھر شاید اسے کچھ خیال آگیا اور اس کا انداز کسی حد تک نرم ہو گیا۔ پولیس والے بے بسی سے دروازے پر کھڑے تھے۔ پھر وہ پولیس افسر جسے کرنٹ لگا تھا خود کو سنبھالتا ہوا آگے بڑھ آیا۔

"ہم آپ کی حیثیت سے واقف ہیں جنرل! لیکن اگر کبھی گورنمنٹ کو آپ سے کوئی کام پیش آجائے تو ایک اچھے انسان کی حیثیت سے آپ کو گورنمنٹ سے تعاون کرنا چاہئے۔"

"کیا کام پیش آگیا ہے تمہیں مجھ سے؟" جنرل ٹابو نے پوچھا۔

"کیا آپ ہمیں اندر آنے کی دعوت بھی نہیں دیں گے جنرل!"

"جی نہیں یہاں کوئی لنگر خانہ نہیں کھلا ہے جو میں آپ کو دعوت دیتا پھروں۔" جنرل پھر سے اکڑ گیا اور آفیسر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نظر آئی وہ شاید ٹھنڈے دماغ کا آدمی تھا۔

"دراصل جنرل پچھلی رات ایک ایسا واقعہ پیش آیا ہے جس کی بنا پر ہمیں آپ کو تکلیف دینے کے لئے حاضر ہونا پڑا۔ ایک شخص ایک کار چوری کر کے اس طرف بھاگا راستے میں اس نے دو پولیس آفیسرز کو نقصان پہنچایا اور انہیں ڈاج دے کر بھاگ آیا۔ پولیس آفیسرز نے وائرلیس پر فوری طور پر امداد طلب کر لی اور پھر پولیس اس علاقے میں چاروں طرف پھیل گئی لیکن ابھی تک اس شخص کا پتہ نہیں چل سکا، تب ہمارے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ممکن ہے وہ آپ کی اس عمارت کی جانب آنکلا ہو۔"

"اگر آنکلا ہو گا تو یہیں کہیں مرا ہوا پڑا ہو گا اس عمارت میں گھسنے کی کوشش کا نتیجہ تمہیں تو اچھی طرح معلوم ہے آفیسر..........." جنرل نے بے پروائی سے کہا اور آفیسر بے بسی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ویسے آپ کی اس عمارت میں تو کوئی داخل نہیں ہوا جنرل؟" اس نے بے چارگی سے پوچھا۔

"تم داخل ہونے کی کوشش کر کے دیکھ لو۔ اگر تم داخل ہو جاتے ہو تو کوئی دوسرا بھی داخل ہو جائے گا۔ ابے میں کہتا ہوں تم لوگوں کی عقلوں کو کیا ہو گیا ہے۔ جاؤ دیوار کے چاروں طرف چکر لگا لو اور ٹھنڈے ٹھنڈے واپس چلے جاؤ بس۔ میرا وقت بہت قیمتی ہے۔" جنرل نے ہاتھ نچا کر کہا اور واپس پلٹ پڑا۔

پولیس والے اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔ منور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی جنرل نے واپسی کے لئے قدم آگے بڑھا دیئے تھے منور بھی تیزی سے اس کے ساتھ چل پڑا لیکن راستے میں اس نے کہا۔

"تم ان لوگوں کے ساتھ کافی بداخلاقی سے پیش آئے جنرل............!"

"بس بس والد صاحب بننے کی کوشش مت کرو' ابے تم آخر مجھے کیا بتانا چاہتے ہو کیا میں ان کے سامنے چوہا بن جاؤں۔ کیا ایک دن میں ان لوگوں سے اپنے سارے جھگڑے نمٹا دوں۔ دیکھو پیارے دوست تمہاری عظمت سر آنکھوں پر لیکن ہر آدمی کے سامنے مجھے چوہا بننے کے لئے مت کہنا ورنہ اچھی بات نہ ہو گی۔ کیا سمجھتے ہو تم اپنے آپ کو؟" جنرل برس پڑا اور منور ہنستا ہوا اس کے ساتھ چلتا رہا۔ اس بگڑے ہوئے سانڈ کو سمجھانا واقعی مشکل کام تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس اپنی جگہ پہنچ گئے۔ وہاں گیتی بھی موجود تھی۔ گیتی ویژن سیٹ پر شاید ان لوگوں کی ساری گفتگو سن چکی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

☆=======☆=======☆

گیتی کئی گھنٹے تک اس کے ساتھ رہی تھی۔ وہ کار میں یہاں تک آ گئی تھی اور خود ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ راستے میں منور نے اس سے بہت سی باتیں کی تھیں اور گیتی اس سے بے حد متاثر ہو گئی تھی۔ پھر منور کی خواہش پر اس نے ایک جگہ کار روک دی۔

"ہمیں فوری طور پر ایک انتظام ضرور کرنا ہو گا گیتی!" منور نے کہا۔

"وہ کیا ثاقب؟"

"شہر میں ایسی کوئی عمارت ضرور ہونی چاہئے جو ہماری شہری قیام گاہ ہو۔ جنرل کی کوٹھی اب تک کسی قسم کی تحریک سے پاک رہی ہے اس طرف زیادہ آمدورفت کو شک کی نگاہ سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اس لیے شہری کارروائیوں کے لئے ہمیں یہیں قیام گاہ کی ضرورت ہے۔"

"خدا کی قسم متحیر کر دیتے ہو ثاقب۔ میں تمہاری ذہانت پر ششدر رہ جاتی ہوں۔ تمہارے سیارے کے تمام لوگ تمہاری طرح ذہین ہوتے ہیں؟"

"پتہ نہیں زمین پر ذہانت کا کیا تعین ہے۔ ویسے میں اپنے سیارے کا بیوقوف ترین انسان سمجھا جاتا ہوں۔"

"کبھی کبھی تو تم پر واقعی شک ہونے لگتا ہے۔"

"کیسا شک؟"

"یہی کہ تم زمین کے لئے اجنبی نہیں ہو۔ مثلاً وہ مرغ اور بھینس کا معاملہ' جنرل کو اگر ساری زندگی دودھ دینے کا خطرہ نہ ہوتا تو وہ تمہارے کان کھا جاتا۔ میں نے اس وقت تمہیں ایک چالاک آدمی سمجھا تھا جس نے بہ آسانی اپنی جان چھڑا لی تھی۔"

"تم جو کچھ بھی سمجھو گیتی۔ بہرحال اب تو میں اس زمین کے لئے واقعی اجنبی نہیں ہوں۔ مجھے اس لئے یہاں کے رہنے والوں سے محبت ہے۔ اچھا اب مجھے اجازت دو۔ میں خود واپس پہنچ جاؤں گا اور اس کے بعد ہم کسی شہری قیام گاہ کا بندوبست کریں گے!"

"تمہیں دقت تو نہیں ہو گی؟"

"تم دیکھنا گیتی ابھی تو میں تم لوگوں کو کافی حد تک حیران کر دوں گا!" منور نے کہا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ "اچھا۔ میں چلتا ہوں۔" گیتی آنکھیں پھاڑتی ہوئی رہ گئی اور منور آگے بڑھ گیا۔ ممکن ہے گیتی نے اسے آوازیں دی ہوں اور جواب نہ پا کر ہی آگے بڑھی ہو۔

بہرحال منور کو یہ سفر پیدل ہی طے کرنا تھا۔ تھوڑی سی دقتیں بھی ہو گئی تھیں وہ کسی سے مخاطب نہیں ہو سکتا تھا۔ نہ ہی ٹیکسی وغیرہ استعمال کر سکتا تھا لیکن اس کے

باوجود وہ اپنی موجودہ کیفیت سے پوری طرح مطمئن تھا اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے بہت سے منصوبے بنا چکا تھا۔

فیروز الدین کی خوبصورت کوٹھی میں داخل ہوتے ہی نوشاب نظر آ گئی۔ وہ پھولوں کے کنج سے کچھ پھول توڑ کر گلدستہ بنا رہی تھی۔ سامنے ہی فیروز الدین اور ان کی بیگم بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے چائے کے برتن سجے ہوئے تھے۔ منور نوشاب کے نزدیک پہنچ گیا اور پھر اس نے آہستہ سے اسے پکارا۔ نوشاب بے اختیار پلٹی تھی لیکن پھر وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر ایکدم سنبھل گئی اور اس کے بعد چور نگاہوں سے فیروز الدین وغیرہ کو دیکھا۔

"بھیا کہاں ہو؟" وہ دبی آواز میں بولی۔

"تیرے نزدیک ہوں نوشی۔" منور نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اوہ۔ بھیا میرے بھیا۔" نوشاب کا چہرہ شگفتہ ہو گیا۔

"سب خیریت ہے نوشاب؟"

"ہاں بھیا۔ رات سے اپنی مہم میں مصروف ہوں۔ اندر چلوں؟"

"چل سکتی ہو تو چلو۔ چائے وغیرہ پی لی؟"

"ہاں میں نے پی لی۔ تمہارے لئے لاؤں؟"

"میں تمہارے کمرے میں جا رہا ہوں۔ وہیں لے آؤ۔" منور نے کہا۔

"میں ابھی پہنچ رہی ہوں۔" نوشاب نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ متحیرانہ انداز میں چائے کے کپ کو متحرک دیکھ رہی تھی۔ "تم جب چاہو اپنی اصل حیثیت میں آسکتے ہو بھیا؟ میرا دل تمہیں دیکھنے کو چاہ رہا ہے۔"

"ہاں۔ میں اپنی اصل حیثیت میں آسکتا ہوں نوشی لیکن اس کے لئے مجھے ایک مشینی عمل سے گزرنا پڑے گا۔ میں تمہارے سامنے ہوں۔ میری آواز سنو اور میرا چہرہ اپنی نگاہوں میں لے آؤ۔ ابھی میں ایک طویل عرصہ اس طرح گزارنا چاہتا ہوں۔ بہر حال مجھے تو یہ بتاؤ کہ ان اداروں سے رابطہ قائم کیا تھا؟"

"یتیم خانے کے حالات ٹھیک چل رہے ہیں۔ باقی دو اور جگہوں سے بھی خیریت مل چکی ہے لیکن وہ لوگ اس انداز میں گفتگو کرتے ہیں جیسے میری طرف سے مشکوک ہوں۔ اس لئے ہمت نہیں پڑ سکی۔"

"اوہ۔ ہاں وہ محتاط لوگ ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ فیروزالدین صاحب ہماری مہمات کے شدید مخالف ہیں۔"

"یقیناً یہی بات ہے۔"

"بہرحال ٹھیک ہے' ان لوگوں سے میں فون پر بات کرلوں گا۔ ابو امی جان سے کوئی گفتگو ہوئی تھی؟"

"ہاں۔" نوشاب سنجیدہ ہو گئی۔

"کیا نتیجہ رہا؟"

"بھائی جان۔ امی بے چاری تو ابو کی ہم آواز ہیں ان کی اپنی رائے تو کچھ بھی نہیں ہوتی لیکن ابو۔"

"ہاں ہاں کہو نوشاب۔"

"ابو کسی طور آپ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ میں نے ان لوگوں کے ساتھ چائے بھی نہیں پی۔ میری ان سے جھڑپ ہو گئی۔"

"کیا کہتے ہیں؟"

"ان کے خیال میں لندن میں رہ کر آپ نے صرف جرائم کی تعلیم حاصل کی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔"

"خوب۔ پھر ان کا کیا خیال ہے۔"

"وہ پُرامید ہیں کہ پولیس ایک دن آپ کو ضرور گرفتار کرلے گی اور اس کے بعد آپ کو آپ کے کئے کی سزا ملے گی۔"

"تم نے ان سے ایک سوال نہیں کیا نوشاب؟"

"کیا بھیا؟"

"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ ان جرائم سے میرا مقصد کیا ہے۔ اگر میں صرف دولت سمیٹنا چاہتا تو یقینی طور پر ان کا ہم نور ہوتا۔ کلینک کے ذریعہ بہت کچھ کمایا جاسکتا تھا۔ رفاہ عامہ سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"میں نے یہ سوال کیا تھا۔" نوشاب بولی۔

"پھر کیا جواب دیا انہوں نے۔"

"کہنے لگے میں بچی ہوں۔ منور کی ذہنیت نہیں سمجھتی۔ وہ ایک بگڑا ہوا رئیس

زادہ ہے جو دولت کی فراوانیوں سے تنگ آکر زندگی میں کسی خاص تبدیلی کا طالب ہوگیا ہے۔ اس کی فطرت میں اذیت پسندی ہے اور یہ جرائم وہ دولت کے حصول کے لئے نہیں کرتا بلکہ اپنی فطرت کی تسکین کے لئے کرتا ہے خود کو نیچرل پوز کرنے کے لئے۔"

"خوب۔ اور ان اداروں کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے؟"

"ان کے خیال میں سب ڈھونگ ہیں۔"

"گویا مفاہمت کی کوئی صورت نہیں۔" منور نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ اور نوشاب نے گردن جھکالی۔ تب چند ساعت کے بعد منور نے خود ہی کہا۔ "بہرحال نوشاب فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے میرے اور ابو کے درمیان نظریاتی اختلاف ہے۔ خدانخواستہ یہ اختلاف ان کی شان میں گستاخی کبھی نہیں بن سکتا۔ جہاں تک میرے وطن کے غریبوں کے حق کا سوال ہے تو یہ حق تو میں اس ملک کے سرمایہ داروں سے وصول کروں گا۔ یہ لوگ گورنمنٹ کو دھوکہ دے کر ٹیکس بچا سکتے ہیں بلیک مارکیٹنگ کرسکتے ہیں' اسمگلنگ کرسکتے ہیں' لیکن ان مظلوموں کا حق نہیں مار سکتے۔ یہ میری ذمہ داری ہے جسے میں پوری کروں گا۔"

"اور بھیا اگر آپ کبھی' آپ کبھی پولیس کے ہاتھ لگ گئے تو؟" نوشاب کے حلق سے ایک سسکی سی نکل گئی۔

"تُو نماز پڑھتی ہے نوشاب؟"

"باقاعدگی سے بھیا!"

"تو یار میرے لئے دعا کرتی رہا کرو۔ بہنوں کی معصوم دعائیں بھائیوں کے تحفظ کی دیوار ہوتی ہیں۔ بھلا کوئی میرا کیا بگاڑ سکتا ہے اور پھر اتفاق سے اگر پولیس نے کبھی مجھ پر ہاتھ ڈال بھی لیا تو میرا کیا بگڑے گا' میں قاتل تو نہیں ہوں۔ تھوڑی بہت سزا ہوگی اور چھوٹ آؤں گا!"

"خدا نہ کرے بھیا۔" نوشاب تڑپ کر بولی۔

"خدا کرنا چاہے تو اسے کون روکے گا' بہرحال فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب تو میں پوری طرح میدانِ عمل میں آیا ہوں۔ اچھا اب مجھے اجازت دو۔"

"پھر کب ملاقات ہوگی بھیا؟" نوشاب نے پوچھا۔

"ابھی تو یہیں ہوں نوشاب' کئی کام کرنے ہیں' بلکہ تم ایسا کرنا رات کا کھانا کھلاؤ گی مجھے؟" منور نے پوچھا۔

"کیوں نہیں بھیا!"

"تو پھر رات کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے کھانا لے کر میرے کمرے میں پہنچ جانا میں وہیں ہوں گا۔"

"او کے۔" نوشاب نے کہا اور منور اسے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔

پہلے تو اس نے سوچا تھا کہ اپنے ترتیب دیئے ہوئے اداروں میں جائے اور وہاں کا جائزہ لے لیکن پھر اس نے یہ پروگرام ملتوی کردیا اور کوٹھی سے تھوڑی دور ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کے پاس پہنچ کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا' قرب وجوار میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آرہا تھا جو ٹیلی فون کرنے کا ارادہ رکھتا ہو' چنانچہ وہ ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہوگیا' جیب سے سکے نکال کر ڈالے اور ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس نے یتیم خانے کے منیجر مسٹر منصور سے رابطہ قائم کیا تھا۔ منصور اس کی آواز سن کر چونک پڑا۔

"منور بول رہا ہوں۔" اس نے کہا۔

"اوہ منور صاحب خیریت' کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"ایک محفوظ جگہ سے منصور' تم بتاؤ کیا صورتِ حال ہے؟"

"جناب آج دن ہی میں مس فیروز الدین نے ٹیلی فون کیا تھا انہوں نے مجھ سے اس بارے میں پوچھا تھا لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ وہ ہدایت آپ کی طرف سے تھی' چنانچہ میں نے گول مول جواب دیئے' اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں میرے ذہن میں یہی بات تھی کہ کہیں وہ فیروز الدین صاحب کی طرف سے کوئی کوشش نہ ہو۔"

"نہیں نہیں منصور' نوشاب کی بات کچھ اور ہے اگر وہ کسی ضروری سلسلے میں تم لوگوں سے رابطہ قائم کرے تو تم لوگ اس سے تعاون کرنا۔"

"بہت بہتر جناب آپ نے ہدایت فرمادی ہے تو ہم خیال رکھیں گے۔"

"اچھا خیر چھوڑو باقی معاملات کے بارے میں بتاؤ' کیا کیفیت ہے۔"

"سب ٹھیک ہے جناب! میں نے باقاعدگی سے تمام اداروں کی رپورٹ لی ہے عمدگی سے کام ہو رہا ہے' اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔"

"پولیس کی طرف سے کوئی گڑبڑ؟"

"جی ہاں پولیس نے مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا' وہی گھسا پٹا سوال کہ آپ یہاں آئے تو نہیں اور کہاں دستیاب ہوسکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔"

"بہرصورت منصور' ایک بات ضرور کہی جائے گی وہ یہ کہ پولیس نے ابھی تک ان اداروں کے خلاف کوئی خاص ایکشن نہیں لیا۔"

"میری رائے اس سے ذرا مختلف ہے۔" منصور نے جواب دیا۔

"اوہو' وہ کیا؟"

"میرا خیال ہے ہمارے تمام اداروں کی بھرپور نگرانی ہو رہی ہے' مگر ابھی تک اندر سے ان کا جائزہ نہیں لیا گیا' لیکن مجھے یقین ہے کہ پولیس اور سی آئی ڈی کے لوگ ان اداروں کے بارے میں مکمل طور پر مشکوک ہیں اور یہ جاننے کے خواہاں ہیں کہ ان کی آڑ میں کوئی اور غیر قانونی کام تو نہیں ہو رہا۔ یہ صورتِ حال خاصی تکلیف دہ ہے' میں خوفزدہ ہوں کہ کہیں کسی وقت ان اداروں کے خلاف کسی غیر قانونی سرگرمی کا چارج نہ لگا دیا جائے۔"

"کیا فرق پڑتا ہے منصور اگر ایسا کوئی چارج لگا بھی دیا گیا تو ظاہر ہے کہ ہم کسی غیر قانونی کام کے مرتکب تو نہیں ہوں گے۔ البتہ اب ہمیں اس سلسلے میں کچھ نئے پروگرام ترتیب دینا ہوں گے۔"

"وہ کیا جناب؟"

"میں اس سلسلہ میں تفصیلات بعد میں بتاؤں گا۔ فی الوقت تمہیں مزید کچھ ذمہ داریاں سنبھالنا ہوں گی۔"

"حکم دیں جناب۔" منصور نے کہا۔

"تمام اداروں کی مکمل نگرانی کرو' اور اس بات کا خیال رکھو کہ ان میں کوئی مشکوک شخصیت نہ داخل ہونے پائے' جس نئے شخص کی شمولیت ہو پہلے اس کے بارے میں اطمینان کرلو اور اگر مشکوک پاؤ تو اس سے معذرت کرلو۔"

"اوہ۔ میں سمجھ رہا ہوں۔ آپ کا یہی مقصد ہے نا جناب کہ حکومت کی طرف سے جاسوس اداروں میں نہ آسکیں۔"

"ہاں منصور۔ ہمارے ہاتھ صاف ہیں لیکن اس کے باوجود ہمیں محتاط رہنا چاہئے

میں ایک اور بات بھی سوچ رہا ہوں۔"

"وہ کیا جناب؟"

"مشن کے لئے فنڈز وصول کرنے کی مہم ابھی محدود ہے لیکن اب اسے اعلیٰ پیمانے پر شروع کرنا ہے اور اس کے بعد امید ہے ہمارے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور یہ دشمن ان اداروں کے بھی دشمن ہوں گے۔ چنانچہ وہ ادارے بند کرانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرسکتے ہیں۔ ہمیں اس سلسلے میں محتاط رہنا ہوگا۔"

"جناب۔ آپ کی نکتہ رسی کی داد دیتا ہوں۔" منصور نے کہا۔

"شکریہ منصور۔ بس اپنا کام ہوشیاری سے انجام دیتے رہو۔"

"آپ بے فکر رہیں' انشاء اللہ میں پوری کوشش کروں گا ویسے مجھے ایک اجازت اور دے دیں تو شکرگزار ہوں گا۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"کم از کم چار افراد اپنی مدد کے لئے رکھنا ہوں گے جو اداروں کی دیکھ بھال کریں' میری مراد ایسے لوگوں سے ہے جو دیکھ بھال کے کام میں مہارت رکھتے ہوں' میرا مقصد آپ سمجھ گئے ہوں گے جناب' آپ کی اس نئی ہدایت کے مطابق کچھ ایسے لوگ جو باقاعدگی سے اداروں میں کسی سازش کے امکان کا جائزہ لے سکیں۔" منصور نے کہا اور منور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"خیال برا نہیں ہے منصور' لیکن ایک چیز کا خاص طور پر دھیان رکھنا ہوگا۔"

"جناب؟" منصور نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"یہ لوگ ایسے کردار کے مالک نہ ہوں جو حکومت کی نگاہوں میں مشکوک ہو۔ ان کی اپنی حیثیت بھی مستحکم ہونی چاہئے' ہم ایسے لوگوں کو اپنے ان اداروں سے دور رکھنا چاہتے ہیں جو حکومت کی نگاہ میں کسی بھی طور مشکوک ہوں' دراصل منصور ہمیں حکومت کو کسی بھی شبہ کا موقع نہیں دینا چاہئے' تم سمجھتے ہو ہر نیک کام کی راہ میں روڑے اٹکانا قوموں کی تاریخ ہے' نیکیوں کے راستے بڑے دشوار گزار ہوتے ہیں' یہ بات ہمیشہ ذہن میں رہنی چاہئے۔"

"بے شک جناب میں جانتا ہوں۔" منصور نے جواب دیا۔

"اچھا تو ٹھیک ہے' تم ایسے لوگوں کو ملازم رکھ لو' جو تنخواہیں چاہو مقرر کرلینا'

ہمارے پاس اللہ کا احسان ہے فنڈ کی کمی نہیں ہے اور میں مزید فنڈ جمع کرنے کے لئے مزید کارروائیاں شروع کرنے والا ہوں' چنانچہ اس سلسلے میں فکر مند ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔"

"جو حکم جناب۔"

"ویسے میں وقتاً فوقتاً تم سے رابطہ قائم کرتا رہوں گا' بس تمہاری یہ ڈیوٹی ہے کہ تم تمام اداروں کی نگرانی کا چارج سنبھال لو۔ میرا خیال ہے کہ باقی لوگ بھی تم سے تعاون کریں گے۔"

"ایک درخواست تھی جناب' اگر آپ ان لوگوں کو بھی ہدایت کردیں تو بہتر ہوگا"۔ منصور نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں انہیں ہدایت کردوں گا۔" منور نے جواب دیا اور پھر وہ کچھ دوسرے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

☆======☆======☆

گیتی اور جنرل ٹابو بے چینی سے ثاقب کی واپسی کا انتظار کررہے تھے۔ گیتی اپنے ذہن میں ایک عجیب سی بے چینی محسوس کررہی تھی۔ نہ جانے کیوں۔ رات کی تنہائیوں میں جب جاگ رہی ہوتی ثاقب اس کی نگاہوں میں درآتا تھا۔ ایک حسین پُروقار شخصیت کا مالک' ایک پاکیزہ فطرت کا نوجوان۔

کئی بار اس نے سہمے ہوئے انداز میں سوچا۔ کہیں اس کے دل میں ثاقب کے لئے کوئی اور جذبہ تو نہیں جاگ رہا' لیکن اس احساس سے وہ خود ہی خوفزدہ ہوجاتی تھی' اگر ایسا کوئی خیال کبھی اس کے ذہن میں آیا بھی تو وہ اسے روکے گی اور نہ روک سکی تو خود کو فنا کرلے گی ثاقب کی زندگی لینے سے کیا فائدہ۔

وہ انسان تو نہ تھی۔ اس کی شدت پسندی نے اسے ایک ناگن بنادیا تھا۔ ہاں وہ ایک زہریلی ناگن تھی۔ اتنی زہریلی کے سانپ بھی اسے ڈستا تو ہلاک ہوجاتا اور یہ گیتی کی زندگی کا ایک دردناک المیہ تھا۔ اس کی اس خصلت میں بھی ایک کہانی تھی۔ ایک غم انگیز کہانی اس وقت جب اس نے ان درندوں سے انتقام لینے کے لئے ایک طویل مجاہدے کے بعد خود کو تیار کیا تھا تو جنرل ٹابو مل گیا اور جنرل ٹابو نے اسے اس طرح مجبور کیا کہ وہ اس کے ساتھ چلنے سے انکار نہ کرسکی۔

لٹی ہوئی گیتی جو زندگی کی انتہائی پستیوں میں جاگری تھی اور جس کے نزدیک زندگی کا مفہوم صرف یہ رہ گیا تھا کہ رات کو کوئی بھیڑیا آئے اس کے بدن کو نوچے اور صبح کو اسے نڈھال کرکے چند نوٹ اس کے حوالے کرکے واپس چلا جائے۔ اس کے علاوہ ان راستوں پر جس طرح پہنچی تھی اس کا احساس اس کے رگ وپے میں کھولتے ہوئے لاوے کی طرح دوڑتا رہتا تھا۔ اسے لوٹنے والوں سے بے پناہ نفرت تھی پھر اسے انتقام کا ایک راستہ مل گیا۔

ایک ایسا فارمولا' ایک ایسی بات اس کے علم میں آگئی جس کے تحت اس نے سوچا کہ اب تو وہ ان لوگوں کی زندگی حرام کردے گی' چنانچہ اس نے اس فارمولے پر عمل کرنا شروع کردیا' جسم کو فروخت کرنے کے بعد جو رقم اسے ملتی تھی اس کا ایک مخصوص حصہ وہ بچاتی رہی یہاں تک کہ اس کے پاس اچھا خاصا اثاثہ جمع ہوگیا' اس کے بعد اس نے چند ماہ کے لئے خود کو قید کرلیا۔ اسے اپنی زندگی سے کوئی خاص دلچسپی تو نہیں تھی' ہاں ذہن میں جو چیز کھولتی رہتی تھی وہ صرف انتقام تھا اور اب اسے انتقام کے لئے ایک راستہ مل گیا تھا۔

وہ راستہ یہ تھا کہ گیتی نے نشہ آور ادویات کا شدید استعمال شروع کردیا اور اس کے لئے بھی اس نے ایک مخصوص انداز اختیار کیا تھا' نشہ آور ادویات اس کے خون میں شامل ہوتی رہیں اور اس کے بعد اس نے فارمولے کے دوسرے منصوبے پر عمل کیا یعنی زہریلے سانپ' وہ شدید ترین زہر استعمال کرلیا کرتی تھی' یہاں تک کہ وہ سانپوں سے اپنے آپ کو ڈسوانے لگی' سانپوں کے دانتوں کے زخموں کے نشانات جابجا اس کے جسم پر چھپے ہوئے تھے' اب گیتی کے بدن میں زہر ہی زہر تھا اس کی سانسیں سم آلود تھیں اور اب اس کے جذبات کی تسکین صرف بدن پر رینگتے ہوئے سانپ تھے وہ اب کسی بھی مرد کی قربت میں جاتی تو دوسرے دن اس مرد کی لاش ہی لوگوں کو ملتی۔ یہ اس کی جسمانی کیفیت تھی اور گیتی اس کیفیت سے بے پناہ خوش تھی لیکن جنرل ٹابو۔

جنرل ٹابو ایسے وقت میں اسے ٹکرایا جب وہ انتقام لینے کا مکمل ارادہ کرچکی تھی اور نہ جانے کیوں وہ اس کی شخصیت سے اس طرح مسحور ہوگئی کہ اس کی باتوں کو نہ ٹھکرا سکی اور اس کے ساتھ چلی آئی' زندگی کے رخ بدل گئے تھے لیکن گیتی کے جسم میں جو زہر حلول کرگیا تھا وہ ظاہر ہے ختم نہیں ہوا تھا' البتہ جنرل ٹابو نے اس کی ساری کیفیت معلوم کرکے اس کو اس قابل بنادیا تھا کہ وہ صرف ایک زہریلی ناگن نہ رہے بلکہ عورت بھی نظر آئے۔ جنرل ٹابو نے اسے اتنا اعتماد اتنی محبت دی کہ اس کی اندر کی تپش ختم ہوگئی۔ اس نے بارہا جنرل ٹابو کی شخصیت سے نفرت کا اظہار کیا اسے طرح طرح سے زک پہنچائی۔ مقصد یہی تھا کہ جنرل اسے اپنی زندگی سے نکال دے اور اسے ہوس کی گلیوں میں گھومتے ہوئے خونخوار درندوں سے انتقام لینے کا موقع مل جائے۔

لیکن جنرل نے اس کے اندر کی عورت دیکھ لی تھی۔ اپنی فطرت کے خلاف اس

نے گیتی کی ہر حرکت برداشت کی اور اسے اتنا اعتماد دیا کہ گیتی انسان بن گئی۔ اس کے انتقام کا بت ٹوٹ گیا اور یہ تو اسے بعد ہی میں معلوم ہوسکا کہ خود جنرل بھی دکھوں کا پہاڑ ہے۔ وہ اپنے ناتواں ڈھانچے میں غموں کی ایک دنیا آباد کئے ہوئے ہے۔

تب اس نے جنرل کے خلوص پر یقین کرلیا اور اس سے مکمل مفاہمت کے لئے تیار ہوگئی اور اب ایک طویل عرصے کے وہ جنرل کے ساتھ بڑے خلوص سے رہ رہی تھی۔ بھنبھوڑنے والوں نے اسے اپنی قربت کا عادی بنا لیا تھا لیکن اسے مردوں کی ذات سے بے پناہ نفرت تھی چنانچہ اس نے سانپوں کی پرورش کی اور یہ سانپ اس کی تسکین بن گئے۔ سانپ جنرل نے فراہم کئے تھے اور اسے گیتی کی ساری کیفیت معلوم تھی۔

ان تمام حالات کے بعد............ کسی نوجوان کا خیال بھی گیتی کے لئے ایک گناہ تھا۔ وہ ذہین تھی۔ ثاقب جس انداز میں سامنے آیا تھا اس پر تو شک نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن اس کی باتوں سے اس کے انداز سے اس بات کا اظہار ہوتا تھا کہ وہ ذہین ہے اور کوئی چالاک انسان ہے اور گیتی نے اسے آزمایا' لیکن ثاقب اگر ذہین تھا اور کوئی انسان تھا تو شاید زمین پر بسنے والوں میں سب سے مختلف۔

یہاں تک کہ گیتی ایک دن اسے اپنی خواب گاہ میں بھی لے آئی تھی۔ اس نے سوچا کہ اس کے بدن کی کشش ثاقب کی ذات کے سارے خول توڑ دے گی لیکن یہ دوسرا مرد تھا جس نے اسے شکست دی اور شکست خوردہ گیتی اس کے لئے مخلص بن گئی۔ اب اسے اس نوجوان سے الفت تھی لیکن رات کی تنہائیوں میں تقدس کا تصور نہیں داخل ہونا چاہئے تھا............ یہ تو ایک مذموم خیال تھا۔ کسی نیک اور شریف نوجوان کے ساتھ تو اسے اپنا تصور بھی وابستہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ورنہ اس نوجوان کی شخصیت بھی داغدار ہوتی ہے۔

لیکن' تنہائیوں میں ذہن میں رینگ آنے والے خیال کو وہ کیا کرتی' جو اکثر ثاقب کی طرف چلا جاتا تھا' نہ جانے کیوں وہ ابھی تک واپس نہیں آیا............ گیتی نے سوچا اور ایک دن اس نے جنرل سے اس کا اظہار بھی کردیا۔

"جنرل ثاقب ابھی تک نہیں آیا............"

"میں خود بھی پریشان ہوں گیتی۔" جنرل ٹابو نے جواب دیا اور پھر گیتی کی طرف

دیکھتا ہوا بولا۔ ”کیا وہ تمہیں بھی یاد آرہا ہے............؟“

”ہاں جنرل‘ عجیب نوجوان ہے‘ میں تو آج تک یہ فیصلہ نہیں کرپائی کہ آیا اس کا تعلق کسی سیارے ہی سے ہے یا وہ ہماری ہی زمین کا فرشتہ صفت انسان ہے۔“

”نہیں گیتی‘ یہ بات تو سوچی بھی نہیں جاسکتی‘ تم غور کرو وہ ہمارے تجربے کے نتیجے میں ہم تک آیا‘ کیا تم جنرل ٹابو کو اتنا ہی احمق سمجھتی ہو کہ اس کے تجربات اتنے احمقانہ ہوں گے............ اور پھر اس عمارت میں کسی بیرونی نوجوان کا گھس آنا جس قدر ناممکن ہے اس بات کو بھی تم بہتر طور سے جانتی ہو............ چنانچہ یہ بات تو ہم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ کوئی مقامی نوجوان ہے‘ ہاں یہ حیرت انگیز بات ہے کہ اس کے سیارے کی مخلوق بالکل ہماری زمین کے انسانوں جیسی ہے اور اس کے اندر سمجھ لینے کی قوت بہت زیادہ ہے۔“

”لیکن جنرل اب تو مجھے اس کے لئے تشویش ہونے لگی ہے۔“

”نہیں گیتی اس کی جو موجودہ کیفیت ہے اس کے تحت وہ کسی جال میں تو نہیں پھنس سکتا‘ ممکن ہے دنیا کو دیکھ لینے کے شوق میں آگے بڑھ گیا ہو‘ لیکن وہ واپس ضرور آئے گا۔“ جنرل نے کہا اور جنرل کا اندازہ درست ہی نکلا۔

اسی شام جب وہ دونوں خاموشی سے چائے پی رہے تھے اور دونوں ہی اداس تھے جنرل کے سامنے سے اس کی چائے کی پیالی کھسک گئی۔ چمچے کی لرزش پر جنرل نے چونک کر میز کی سمت دیکھا اور اچھل پڑا۔ دوسرے لمحے اس نے اندازے سے ہاتھ مارا اور منور کی کلائی اس کے ہاتھ میں آگئی۔

”پکڑ لیا............“ وہ سرد لہجے میں چیخا اور گیتی بوکھلا کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی اس لئے وہ پیالی کی حرکت نہیں دیکھ سکی تھی۔ پھر اس نے جنرل کے ہاتھ کی طرف دیکھا اور تعجب سے سوال کیا۔

”کیا پکڑ لیا جنرل............؟“

”چائے کا چور............“ جنرل کی آواز خوشی سے لرز رہی تھی۔ پھر وہ اٹھ کر منور سے لپٹ گیا تب گیتی بھی خوشی سے اچھل پڑی۔

”ثاقب!“ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”کیسی ہیں مس گیتی؟“ منور کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

”سخت ناراض۔“ گیتی نے مسکرا کر کہا اور اس کے لئے چائے بنانے لگی۔

”اوہ کیوں............؟“

”اتنے دن لگا دیئے............ ہم تو بے حد پریشان ہوگئے تھے۔ میں نے جنرل ٹابو کو اس قدر اداس کبھی نہیں دیکھا۔“

”تمہاری دنیا دیکھ رہا تھا مس گیتی۔ بہت کچھ دیکھا بہت کچھ سوچا اور بہت کچھ محسوس کیا۔ یہ دنیا اتنی بری تو نہیں ہے گیتی۔“

”پھانس لیا اس نے تمہیں؟“

”نہیں............ بے چاری مصائب و آلام میں خود اس قدر پھنسی ہوئی ہے کہ کسی کو پھانسنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔“

منور نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

”یہ بتاؤ تم آج کس طرح............؟“ جنرل نے سوال کیا۔

”کچھ لوگ میرے ہم سفر بن گئے تھے‘ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر اس خوب صورت جھیل کے کنارے ایک پارٹی یہاں پکنک منانے آئی ہوئی ہے‘ میں اس کے ساتھ یہاں تک پہنچ گیا۔“

”ظاہر ہے انہیں کیا معلوم ہوا ہوگا کہ ان کے ساتھ ایک اور ہم سفر بھی ہے۔“ گیتی ہنس کر بولی۔

”ہاں میں نے ان پر ظاہر کرنا مناسب بھی نہیں سمجھا‘ ورنہ خواہ مخواہ اس علاقے کے بارے میں عجیب وغریب روایات مشہور ہوجاتیں۔“ منور نے جواب دیا۔

”لیکن میں کچھ اور پوچھ رہا ہوں منور۔ میرا مقصد ہے کہ تم عمارت میں کس طرح داخل ہوئے............؟“

”بڑی آسانی سے جنرل‘ تمہاری اس عمارت میں داخلہ زیادہ مشکل تو نہیں ہے۔ شاید تمہیں اپنے اس تجربے کے بارے میں مکمل تفصیل معلوم نہیں ہے۔ جنرل میرا وزن بالکل ختم ہوگیا ہے۔ زمین کی کشش میرے اوپر ذرا بھی اثر انداز نہیں ہوتی‘ میں اگر چھلانگ لگاؤں تو ایک معمولی سی کوشش مجھے اس چھت تک پہنچا سکتی ہے اور اگر زیادہ کوشش کروں تو اس چھت سے کئی گنا زیادہ بلند ہوسکتا ہوں۔“

”خدا کی پناہ............ خدا کی پناہ............“ جنرل نے متحیرانہ انداز میں کہا اور

دیر تک خلا میں گھورتا رہا۔ اپنی دانست میں وہ منور کی صورت دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اس نے پُر خیال لہجے میں کہا۔

"کچھ بھی ہو جائے ثاقب ایک کام تو میں ضرور کروں گا۔"

"وہ کیا جنرل؟" منور نے اپنی چائے کی پیالی اٹھا کر اس کے سپ لیتے ہوئے پوچھا۔

"میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ خلا میں نشر کرنے کی یہ کوشش ایک دوسری حیثیت کیوں اختیار کر گئی اور تم یہ سب کچھ کیسے بن گئے' جو بہر صورت اپنے اندر ایک خاص کیفیت ضرور رکھتا ہے۔"

"ضرور معلوم کرنا جنرل' لیکن اس سے قبل ہمیں بہت سے کام ہیں۔" منور نے کہا۔ گیتی مسکراتے ہوئے چائے کے گھونٹ لے رہی تھی۔ پھر اس نے پوچھا۔

"تو ہماری یہ دنیا تمہیں پسند آئی؟"

"ہاں' بہت حسین ہے یہ دنیا تو۔ اس کے حسن کو لوٹنے کی کوششیں بھی شدید ہیں لیکن بھلا چند لوگ اسے کیا تاریک کریں گے۔"

"کیا کیا دیکھا ثاقب؟"

"اتنا کچھ دیکھا جنرل کہ مزید کچھ دیکھنے کا حوصلہ کھو بیٹھا۔ یہاں دھوپ چھاؤں کا صحیح مفہوم نظر آتا ہے اور یہ دونوں اتنے قریب ہیں کہ سیاہ و سفید کی تلاش مشکل نہیں ہوتی۔ ایک عمارت کے حسین لان پر ضیافت ہو رہی ہوتی ہے' کھانوں کی اتنی اقسام میزوں پر چنی ہوتی ہیں کہ کھانے والا ان کے ساتھ انصاف نہیں کر پاتا اور اسی عمارت کے باہر درخت کے سائے میں ایک بھوکا بھوک سے دم توڑ رہا ہوتا ہے۔" منور نے غم زدہ لہجے میں کہا۔

"اس کے باوجود تم اس دنیا کو حسین کہتے ہو۔"

"ہیرے اپنی اصل شکل میں خوبصورت نہیں ہوتے جنرل۔ ان کا حُسن نکھارنے کے لئے تراشنے والے ہاتھوں کی مہارت ضروری ہوتی ہے۔"

"تم بہت پُر امید ہو؟" جنرل نے پوچھا۔

"ہاں جنرل میں تو بہت کچھ کرنے کے منصوبے لے کر آیا ہوں۔"

اگر تم سمجھتے ہو کہ ہماری کاوش اس دنیا کے رنگ

نکھار سکتی ہے تو میں تو تم سے بھرپور تعاون کا وعدہ کر رہا ہوں۔"

"میں نے ان دنوں میں زندگی کے ہر شعبہ کا جائزہ لیا ہے جنرل اور اس کے لئے بے شمار پروگرام ترتیب دیئے ہیں۔ اگر آپ کو ضرورت ہو تو آج بیٹھ کر ان کا تعین کر لیں اور ایک فہرست ترتیب دے لیں اور اس کے مطابق عمل شروع کر دیں۔"

"بالکل میں تیار ہوں" جنرل ثابو نے کہا اور اس کے بعد سب خاموشی سے چائے پیتے رہے۔ پھر چائے کے کمرے سے باہر نکل آئے۔ جنرل نے دوستانہ انداز میں منور کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا تب اس نے کہا۔

"تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟"

"میں تو فارغ ہوں اور میرا خیال ہے گیتی بھی باقاعدگی سے ہمارے ساتھ اس گفتگو میں شریک ہو گی۔"

"تو پھر آیئے جنرل کسی مناسب جگہ بیٹھ کر اس کام کی ابتدا کر دیتے ہیں۔" اور تھوڑی دیر کے بعد وہ تینوں ایک پُرسکون گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے' گیتی نے منور کی ہدایت کے مطابق کاغذ اور قلم سنبھالا ہوا تھا اور وہ تینوں ایک میز کے گرد بیٹھے ہوئے سوچ میں گم تھے۔

جنرل بار بار اس کرسی کی جانب دیکھنے لگتا تھا جس پر منور بیٹھا ہوا تھا' کرسی پورے طور سے خالی نظر آ رہی تھی۔ تب منور کی آواز ابھری۔

"میں نے تمہاری دنیا میں جو کچھ دیکھا جنرل وہ بڑا عبرت ناک ہے' حالانکہ ہم لوگ اس موضوع پر بارہا گفتگو کر چکے ہیں لیکن اس بار جو گفتگو ہو گی وہ ہمارے آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دے گی۔ تمہارے ہاں چار طبقے ہیں جنرل' پہلا طبقہ وہ جو محنت مزدوری کی زندگی گزار رہا ہے اور اس پر زندگی کی ہر آسائش حرام ہو چکی ہے وہ اس طرح سے پسا ہوا ہے کہ اسے انسانیت کے زمرے میں شامل ہی نہیں کیا جا سکتا۔"

"دوسرا طبقہ وہ ہے جو کسی حد تک تعلیم یافتہ ہے' یہ لوگ ملازمتیں کرتے ہیں اور خود کو صاف ستھرے انداز میں رکھتے ہیں کیونکہ جو ملازمتیں وہ لوگ کرتے ہیں وہ معاشرے میں باعزت حیثیت رکھتی ہیں اور اس حیثیت کو برقرار رکھنے کے لئے انہیں اپنی سفید پوشی بھی قائم رکھنا ہوتی ہے۔"

"لیکن جنرل اس طبقے کی مظلومیت نچلے طبقے سے بھی کچھ زیادہ بڑھی ہوئی ہے

کیونکہ اس کی ذہنیت اس انداز میں زندگی کے بار کو قبول نہیں کرپاتی جس طرح چوتھے طبقے کے لوگ گزارا کرلیتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ طبقہ بھی چوتھے طبقے کے برابر ہی مظلوم ہے اور زندگی کی آسائشوں سے محروم' لیکن سب سے زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ وہ اپنی حالت کا اظہار نہیں کرسکتا۔ تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو خوش حال لوگ کہلاتے ہیں' ان کے اپنے وسائل اتنے ہیں کہ وہ زندگی کی ضروریات اور آسائشوں کو پورا کرلیتے ہیں۔"

"باقی رہ گیا آخری طبقہ......... تو یہ وہ لوگ ہیں جنرل جنہیں اپنی دولت کا کوئی اندازہ نہیں ہے' ان کا ہر قدم ان کے سامنے دولت کے انبار لگادیتا ہے اور یہ دولت انہی غریبوں کے ذریعے ان کے پاس جمع ہو رہی ہے جو زندگی میں سکھ کی ایک سانس سے بھی محروم ہیں۔ چنانچہ ہماری جنگ اسی آخری طبقے سے ہے۔"

"ہم یہ نہیں کہتے جنرل کہ ہم اس آخری طبقے کو پہلے طبقے کی صف میں لاکر کھڑا کردیں۔ اسے بھی زندگی گزارنے اور زندگی کی آسائشوں سے لطف اندوز ہونے کا پورا پورا حق ہے' لیکن وہ اپنی بے پناہ دولت تجوریوں میں محفوظ رکھنے کی بجائے ملک کے معاشی نظام کو سدھارنے کے لئے باہر نکالے اور اسے اس طرح پھیلادے کہ غریبوں کی ضروریات بھی پوری ہو جائیں اور وہ خود بھی قلاش نہ ہوں' میں سمجھتا ہوں جنرل کہ اگر یہ دولت متحرک ہوجائے تو وہ تجوریاں بھی خالی نہیں ہوسکتیں جو بھری رہتی ہیں اور اس چوتھے طبقے کا بھی بھلا ہو سکتا ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں جنرل کہ یہ آخری طبقہ اس چوتھے طبقے کو پیسنے کے لئے ایک منظم سازش کرچکا ہے۔ وہ لوگ نہیں چاہتے کہ یہ نچلے لوگ خوشحال ہو کر ان کے سامنے سیدھے کھڑے ہوسکیں' وہ ان کی کمر اتنی جھکا دینا چاہتے ہیں کہ وہ سیدھے کھڑے ہونا بھول جائیں اور اس طرح ان کے جھکے ہوئے سر انہیں ان کی برتری کا احساس دلاتے رہیں تو جنرل جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ ہماری جنگ اس بڑے طبقے سے ہے جس نے غریبوں پر عرصۂ حیات تنگ کردیا ہے۔ اس جنگ کی بنا پر یہ دونوں طبقے جنہیں ہم چوتھا اور تیسرا کہہ سکتے ہیں کسی حد تک خوشحال ہوسکتے ہیں' کم از کم اس حد تک ضرور کہ انہیں بھی زندہ انسانوں میں شمار کیا جاسکے اور اس سلسلے میں' میں نے جو پروگرام ترتیب دیا ہے جنرل وہ یہ ہے......... مس گیتی براہ کرم آپ میرے ان الفاظ کو تحریر کریں۔" اس نے

گیتی کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا اور گیتی نے گردن ہلادی۔

"جنرل! سب سے پہلے ہمیں اپنے طبقے کے ان لوگوں کو دیکھنا ہوگا جو معذور ہیں اور اپنے ہاتھ پاؤں کی جنبش سے اپنے لئے روزی نہیں کماسکتے' یہ طبقہ بھکاریوں کا طبقہ کہلاتا ہے۔ میں مانتا ہوں جنرل کہ بھیک مانگنے والے اب اپنے اس کام کے اتنے عادی ہوگئے ہیں کہ اگر انہیں ان کی جگہ سے اٹھاکر کسی محفوظ مقام پر پہنچایا جائے جہاں ان کی وہ ضروریات پوری ہوسکیں جو وہ بھیک مانگ کر پوری کرتے ہیں تو شاید وہ خوشی سے تیار نہیں ہوں گے......... تو ان لوگوں کے ساتھ ہمیں سخت رویہ اختیار کرنا ہوگا......... میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ہم اس سلسلے میں حکومت سے بھی مدد مانگیں' بشرطیکہ حکومت ہماری یہ امداد کرنے کے لئے تیار ہوجائے' اور میرا خیال ہے کہ گداگری کی لعنت ختم کرنے کے لئے حکومت کچھ نہ کچھ ضرور کر رہی ہوگی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے اقدامات اتنے مؤثر نہیں ہیں کہ یہ لعنت فوری طور پر ختم ہوسکے......... تو جنرل اس کے لئے ہمیں کچھ غیر قانونی ذرائع بھی اختیار کرنا ہوں گے جو ہم یقیناً کریں گے......... اس کے بعد معاشرے کے کچھ دوسرے چھوٹے چھوٹے کردار آتے ہیں۔

"مثلاً وہ یتیم بچے جنہیں اس قسم کے اداروں میں پرورش کیا جاتا ہے جہاں ان کی ذہنی تربیت تو کیا ان کے ذہن خراب کرنے کا معقول بندوبست ہے' انہیں بھیک مانگنا سکھایا جاتا ہے اور انہیں اس طرح سڑکوں پر لاوارث چھوڑ دیا جاتا ہے کہ کوئی بھی بدعنوان طبقہ انہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کرسکے۔ چنانچہ ایسے یتیم بچے اکثر بیگار کیمپوں میں چلے جاتے ہیں' فقیر بن کر سڑکوں پر آجاتے ہیں' جیب تراشی سیکھ لیتے ہیں اور چوری جیسے مذموم کام میں دلچسپی لینے لگتے ہیں' اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان اداروں میں ان کی ذہنی تربیت اور ان کی نگرانی کا کوئی معقول بندوبست نہیں ہے' چنانچہ اس کے لئے ہمیں ملک گیر پیمانے پر ایسے ادارے قائم کرنا ہوں گے جہاں ان بچوں کو پرورش کیا جائے اور انہیں ایک اچھا شہری بنانے کی کوشش کی جائے۔

"اس کے بعد تیسرے نمبر پر ایسی نادار بیوہ اور لاوارث عورتیں آتی ہیں جو زندگی کے ہر سہارے کو کھو بیٹھتی ہیں اور اس کے بعد ان کی نگاہوں کے سامنے ایسا کوئی باعزت ذریعہ نہیں ہوتا کہ وہ عزت کی زندگی گزار سکیں' حادثوں کا شکار ہوتی

ہیں' ہوس کی بھینٹ چڑھتی ہیں' یہاں تک کہ ان بدنام جگہوں تک پہنچ جاتی ہیں جہاں وہ پورے معاشرے میں زہر پھیلانے کا باعث بن جاتی ہیں.......... یقینی طور پر جنرل آپ کی اس دنیا میں' آپ کے اس شہر میں ایسے چند ادارے ضرور ہوں گے جو اس قسم کی عورتوں کو پناہ دیتے ہوں لیکن پھر ان گلی کوچوں میں بجی ہوئی جوانیاں کہاں سے آتی ہیں' آپ اگر ان کے قریب جاکر ان کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کریں گے تو یقیناً کوئی المیہ داستان آپ کا انتظار کر رہی ہوگی.......... میں یہ چاہتا ہوں جنرل کہ ایسی ہی پناہ گاہیں ان کے لئے بھی بنائی جائیں جہاں انہیں مؤثر اور معقول زندگی گزارنے کا سہارا مل سکے.......... اور پھر جنرل ہم سرمایہ داروں کو مجبور کریں گے کہ وہ نئی صنعتیں لگائیں اور ہمارے ملک سے بے روزگاری ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے۔ ہمارے کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے لئے تنخواہوں کا تعین ان کی جائز ضروریات کا اندازہ لگانے کے بعد کیا جائے اگر کسی صنعت میں نقصان ہوتا ہے تو ہماری ذمے داری ہوگی کہ ہم اس نقصان کو پورا کریں اور صنعت کار کو دیوالیہ ہونے سے بچائیں اور اس سلسلے میں ایک ایسی ایسوسی ایشن قائم کی جائے جو زیادہ منافع والی صنعتوں سے ایک فنڈ جمع کرلے اور اس فنڈ سے کم منافع اور نقصان میں چلنے والی صنعتوں کی مالی امداد کی جائے۔ ہمیں پورے ملک میں اسپتالوں کا جال پھیلانا ہوگا اور ان اسپتالوں کی کفالت بھی اسی انداز میں کرنی ہوگی۔ یہ ہمارے پروگرام کا پہلا مرحلہ ہے جنرل اور اس کے بعد ہم دوسرے مرحلے پر غور کریں گے۔ یہ دوسرا مرحلہ ملک کی مزید خوش حالی کے لئے ہوگا۔ زراعت کے خانے کو ابھی ہم نے خالی چھوڑ دیا ہے ہمیں اپنی بے کار زمینوں کو قابلِ کاشت بنانے کے لئے ملک گیر پیمانے پر کام کرنا ہوگا۔ میں اس زمین کو زمین دیکھنا چاہتا ہوں جنرل اور تمہارے خیال میں کیا انسان صرف اسی زمین پر بستے ہیں۔ زمین کے جس چپے پر بھی انسان موجود ہیں جنرل وہاں ان کی بہتر زندگی کے لئے کوشش کی جائے گی۔ آج ہماری یہ مہم ملک گیر ہے کبھی عالم گیر ہوگی۔ ہم عالمی پیمانے پر کام کریں گے۔ اس کے بعد تیسرا مرحلہ بھی ہے۔"

"بہت خوب۔ یہ تیسرا مرحلہ کیا ہوگا؟" جنرل نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہم پوری دنیا میں اصلاحات کی آگ لگادیں گے جنرل۔ ہم اس زمین کو جہنم کی طرح سرخ نہیں ہونے دیں گے۔ تیسرے مرحلے میں ہم دنیا سے ہتھیاروں کے خاتمے

کے لئے کام کریں گے۔"

"اور اس کے بعد ہماری آنکھ کھل جائے گی۔" جنرل ہنس پڑا۔

"ہماری آنکھ کھلی ہے جنرل' بے شک یہ ایک دیوانے کا خواب ہے لیکن ہم خود کو ناکام کیوں سمجھیں کم ازکم اس وقت تک جب تک سانسوں کی دھونکنی چل رہی ہے۔ ہر انسان ایک مقصد کے تحت جیتا ہے۔ ہمارا بھی ایک مقصد ہے۔"

"یہ بتاؤ بیٹا کھانا کھایا تھا ان دنوں میں۔ یوں لگتا ہے سالے کسی فٹ پاتھ پر آلو چھولے کھاتے رہے ہو۔ اب حکومت تمہیں ان حرکتوں کی اجازت دے گی۔ کیا تم نے یہ کسی باقاعدہ حکومت کا منصوبہ نہیں پیش کردیا؟"

"میں آپ کا مقصد سمجھ رہا ہوں جنرل' لیکن اس میں کون سی ایسی بات ہے جو حکومت کے لئے تکلیف دہ ہو۔"

"خود حکومت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ ملکوں کا ایک نظام ہوتا ہے ثاقب' اور اس نظام سے رُوگردانی انقلاب لاتی ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ کیا سرمایہ دار بے آواز ہوتے ہیں کیا حکومتیں ان کے بغیر چلتی ہیں؟"

"پھر جنرل ٹابو کو چاہئے کہ اس عمارت کو گھوڑوں کا اصطبل بنادے' اس لیبارٹری کی مشینوں کو فروخت کرکے خچر خرید لے۔ اس کے علاوہ یہ عمارت کس کام آئے گی۔"

"کیا بکتے ہو.......... کیا بکتے ہو..........؟" جنرل ٹابو غصیلے انداز میں بولا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں جنرل' اگر تم یہ نہیں کرسکتے تو پھر بہتر ہے کہ مجھے میرے سیارے پر پہنچادو۔ میں اتنے عظیم انسان کو اتنا بے بس نہیں دیکھ سکتا۔"

"اب تو حکومت ان کاموں کی اجازت کس طرح دے گی؟"

"ہم اجازت لیں گے ہی نہیں۔"

"مجرم کہلاؤ گے؟"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے جنرل ہمارے ضمیر تو مجرم نہیں ہوں گے۔"

"گویا اب ہمیں مجرموں کی زندگی بسر کرنا ہوگی۔"

"سوفیصد۔"

"تم تو پولیس سے بچ جاؤ گے لیکن ہم دونوں کا کیا ہوگا؟"

آپ بھی یہ تجربہ اپنے اوپر کرلیں جنرل' بہرحال اس سے خوبصورت زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔"

"گیتی' اس سیارے والے کو سمجھاؤ۔"

"اس کا جذبہ سمجھنے سے بے نیاز ہے جنرل' کم از کم میں اس کے ساتھ ہوں۔"

"چوہا جنرل ٹابو بھی نہیں ہے لیکن ہمیں اس پروگرام کی ابتدا کے لئے کچھ ترمیمیں کرنا ہوں گی۔" جنرل کو بھی غصہ آگیا۔

"مثلاً کیا ترمیمیں؟" منور نے پوچھا۔

"دیکھو ثاقب' جنرل ٹابو کی حیثیت سے میں حکومت کے لئے اجنبی نہیں ہوں اس لئے اپنا نام تو میں سامنے آنے ہی نہیں دوں گا۔ ایک گمنام انسان کی حیثیت سے پہلے ہمیں حکومت کی امداد کرنا ہوگی۔ اس کے کچھ منصوبوں کے لئے سرمایہ فراہم کرنا ہوگا۔ اس کے بعد ایک نیک نام انسان کی حیثیت سے ہم سامنے آئیں گے۔"

"مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے جنرل' لیکن سامنے آگئے تو کچھ نہ کرپائیں گے۔ اگر ہمیں حکومت کا تعاون حاصل ہو بھی گیا تو سرمائے داروں کا تعاون تو نہ حاصل ہوگا۔ اس کام کی ابتدا کے لئے میں ایک مخصوص طریقے سے کام شروع کردوں گا۔"

"وہ کیا طریقہ ہوگا؟"

"سب سے پہلے ملک میں ان بڑے بڑے سرمایہ داروں کا تعین جو ہمارے لئے کارآمد ہوسکتے ہیں' پھر انہیں بلیک میل کرکے ان سے بڑی بڑی رقومات حاصل کریں گے تاکہ ہمارا ایک فنڈ بن سکے اور اس کے بعد اس فنڈ سے ان منصوبوں پر کام شروع ہوجائے گا' حکومت جب ہمارے معاملات میں آڑے آئے گی تو ہم اسے اپنی خلوص نیتی سے آگاہ کریں گے بعد میں صورتِ حال جو کچھ بھی ہو.........." منور نے کہا۔

"بہرحال مجھے تم سے اختلاف نہیں ہے' لیکن یہ صورتِ حال مجرمانہ سرگرمیوں کی طرف لے جاتی ہے لیکن اگر تم اسی طور کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو تمہاری مرضی۔" جنرل ٹابو نے کہا۔

ہاں جنرل میں تھوڑا بہت تجربہ کرچکا ہوں اور اس کے بعد تم سے کھلے الفاظ میں کہہ چکا ہوں کہ اگر ہم نے باقاعدگی اور شرافت کے ساتھ اس منصوبے کا آغاز کیا تو چند ہی ماہ میں اس منصوبے سمیت جہنم میں غرق ہوجائیں گے' اس کے لئے تو اگر ہمیں

کچھ دہشت گردی بھی کرنا پڑی تو ہم مجبور ہیں۔"

"لیکن بھائی تمہاری یہ مجبوری ہم لوگوں کے لئے پھانسی کا پھندا بن جائے گی۔"

"یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے جنرل' اگر آپ پسند نہ کریں تو اس منصوبے میں شریک نہ ہوں' البتہ مجھے کام کرنے سے نہ روکیں۔" منور نے کہا۔

"دیکھو تم پھر بکواس پر اتر آئے.......... اب کیا میں ڈرتا ہوں کسی سے' کیا کہا ہے میں نے کسی کا' ٹھیک ہے تمہارا جو دل چاہے وہ کرو اور میرے سپرد جو کام کرنا ہو وہ تم ہی مجھے بتاؤ' اب تو میں یہ محسوس کررہا ہوں جیسے میں واقعی گدھا ہوں اور تم بے حد ذہین.......... سالے سیارے سے بھاگ کر یہاں آئے اور اب زمین پر آکر اصلاحات کرنے لگے۔" جنرل نے کہا اور منور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' اس شخص کی فطرت سے بخوبی طور پر واقف ہوچکا تھا' دل سے تسلیم کرتا تھا لیکن اداکاری کیے بغیر نہیں رہتا تھا۔ آخر کافی ردوقدح کے بعد جنرل سے معاملات طے ہوگئے۔ تب جنرل نے کہا۔

"میں تمہیں جتنا سرمایہ تم طلب کرو دے سکتا ہوں' اس کام کا آغاز کرنے کے لئے مجھے کیا خدمات انجام دینا ہوں گی؟"

"کچھ نہیں جنرل' ہم شہر میں ایک عمارت حاصل کرتے ہیں اور اس کے بعد میں اپنے کام کی ابتدا کروں گا۔ تم اس وقت تک آرام سے بیٹھے رہو۔ جب مجھے تمہاری ضرورت ہوگی میں تمہیں تکلیف دوں گا' اس وقت تک تم پُرسکون رہو۔" منور نے کہا اور جنرل ٹابو پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

"لیکن مجھے ان سارے معاملات سے لاعلم نہیں رکھنا ثاقب۔"

"بے فکر رہو جنرل.......... ظاہر ہے میرا تمہارے سوا ہے کون.........."
منور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

شام کو گیتی سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی' گیتی نے بھی اسے محتاط رہنے کی ہدایت کی تھی۔

"ابھی تو یہ لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے گیتی.......... اس کی وجہ یہ ہے کہ میں کسی کی نگاہوں ہی میں نہیں آسکتا' بعد میں اگر کبھی کوئی الجھن پیش آئی تو دیکھا جائے گا.......... اور پھر وہی بات میں تم سے بھی کہوں گا کہ مقصد کے لئے انسان زندہ رہتا

ہے اگر مقصد ہی کے لئے زندگی سے ہاتھ بھی دھونا پڑیں تو کیا مہنگا ہے۔"

"تم عجیب وغریب انسان ہو ثاقب.......... میں نہیں کہہ سکتی کہ تمہاری اصلیت کیا ہے.......... ہاں اگر تم برا نہ مانو تو میرے دل میں ایک بات ہے اگر سننا پسند کرو تو کہہ ڈالوں..........؟" گیتی نے سوال کیا۔

"ہاں ہاں گیتی ضرور.........."

"دعوے سے کہتی ہوں ثاقب تمہارا تعلق کسی سیارے سے نہیں ہے.......... تم اس زمین کے باشندے ہو اور سیارے کا انسان ظاہر کرنے کے لئے تم نے جو کچھ کیا ہے وہ تم ہی بہتر جانتے ہو گے۔"

"گیتی اگر میرا تعلق اس زمین سے ہے بھی تو اس سے تمہیں یا جنرل کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔"

"نہیں نہیں بالکل نہیں.......... لیکن یہ اعتراف کیوں نہیں کر لیتے کہ تم اس زمین کے رہنے والے ہو.........."

"کیسے اعتراف کروں گیتی' میرا خیال ہے اگر ہم اس احساس ہی کو ذہن سے نکال دیں تو بہتر ہے۔"

"ہاں میرے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں ہے کہ میں تمہاری زبان کھلوا سکوں بہرحال خاموش ہو جاتی ہوں.........." گیتی نے مسکراتے ہوئے کہا اور منور معنی خیز انداز میں گردن ہلانے لگا۔

☆======☆======☆

کروڑ پتی سیٹھ گلاب بھائی چونا والا کی کوٹھی بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔ شہر کے معزز ترین لوگ موجود تھے۔ مشروبات کے دور چل رہے تھے کھنک اور قہقہے گونج رہے تھے اور ان کی بیٹی صفیہ ایک خوبصورت لباس میں ملبوس مہمانوں کے درمیان تھرکتی پھر رہی تھی۔ ایک میز پر گلاب بھائی موجود تھے لیکن ان کا چہرہ اترا ہوا تھا اور آنکھوں میں اداسی تیر رہی تھی۔ ان کے دوست ہم عصر قہقہے لگا رہے تھے اور بار بار انہیں مخاطب کر رہے تھے لیکن ان کے مخاطب کرنے پر گلاب بھائی اس طرح چونک پڑتے تھے جیسے سوتے سے جاگے ہوں۔ نہ جانے وہ کس سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

پھر ایک شخص ان کے قریب پہنچ گیا۔ "سیٹھ صاحب مرشد آپ کو طلب کر رہے

ہیں۔"

"کاکے کو طلب کر رہے ہیں بابا۔ ابھی ان کو بولو کہ اندر جا کر آرام کریں۔ تھک گئے تو بیمار ہو جائیں گے اور پھر مہینوں علاج کرانا پڑے گا۔" گلاب بھائی منہ بنا کر بولے۔

"ان کی صحت آپ سے کہیں اچھی ہے گلاب بھائی آپ بلاوجہ ان کی صحت کے لئے فکر مند ہو رہے ہیں دیکھئے کس محبت سے ان خاتون سے گفتگو کر رہے ہیں۔" گلاب بھائی کے کسی بے تکلف دوست نے ہنستے ہوئے کہا۔

"عورت کے قرب میں تو ارسطو بھی گھوڑا بن گیا تھا بھائی۔ اپنے مرشد کیا چیز ہیں۔" اس کے دوست نے کہا اور میز پر قہقہہ پھوٹ پڑا۔ گلاب بھائی جھلائے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ اس وقت ان قہقہوں سے بیزار تھے۔ جو ہنگامہ برپا ہو رہا تھا اس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ کم از کم پچیس تیس ہزار روپے اس پر ضرور خرچ ہو گئے ہوں گے۔ اتنا بڑا خرچ انہیں ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ سالگرہ تو ہر سال منائی جاتی تھی لیکن گلاب بھائی ایک لمبے چوڑے لیکچر کے ذریعہ صفیہ کو دھوم دھام سے روک دیتے تھے اس بار دھوکہ کھا گئے تھے۔ بیٹی نے آخر کار چوٹ دے ہی دی تھی۔ وہ اس برے وقت کو کوس رہے تھے جب صفیہ کی باتوں میں آ گئے تھے۔

"پانچ چھ ہزار میرے اکاؤنٹ میں موجود ہیں ڈیڈی۔ تھوڑے بہت پیسے آپ کے خرچ ہو جائیں گے اور ڈیڈی ہم نے اپنی اس نئی کوٹھی میں کوئی تقریب بھی تو نہیں کی ہے۔ ایک پنتھ دو کاج ہو جائیں گے۔"

"پانچ چھ ہزار تمہارے اکاؤنٹ میں ہیں۔" اس ساری گفتگو میں گلاب بھائی کو ایک ہی بات زیادہ دلکش محسوس ہوئی تھی۔

"ہاں ڈیڈی' میں وہ سب خرچ کر دوں گی۔"

"ارے توبہ توبہ۔ ارے اس فضول خرچی کی کیا ضرورت ہے صفیہ۔ سالگرہ جیسے مناتی ہو منالو۔ پیسے مجھے دے دینا۔ دھندے میں لگا دوں گا۔ ایک سال کے بعد اس کے بارہ پندرہ ہزار ہو جائیں گے۔ پانچ فیصد کمیشن کاٹ کر باقی سب تمہارا۔ وعدہ۔" گلاب بھائی نے اسے پیار سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن صفیہ اڑ گئی مجبوراً گلاب بھائی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ "تمہاری مرضی بابا۔ میں نے تو تیرے کو ایک

فائدے کی بات بولی۔ نہیں مانتی تو نہ مان پر زیادہ بل نہ بننے پائے۔" اور صفیہ نے پورے خلوص سے وعدہ کیا کہ زیادہ خرچ نہیں ہو گا۔

پھر گلاب بھائی کو تو معلوم بھی نہیں ہو سکا کہ کیا کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے اس دن کے بعد سے توجہ ہی نہیں دی تھی' کام کرنے والے دوسرے تھے لیکن جب تقریب شروع ہوئی اور شہر کے سارے معزز امنڈ آئے تو گلاب بھائی کا چہرہ اتر گیا۔ یہ انتظامات دیکھ کر ان کا کلیجہ منہ کو آ گیا۔ ان سارے ہنگاموں کا جو بل آئے گا وہ تو تمہیں ہی ادا کرنا ہو گا۔ صفیہ کے پانچ ہزار تو صرف روشنی کے بل میں ہی ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ اس فکر میں ہلکان ہو رہے تھے اور ان کا دل اس تقریب میں نہیں لگ رہا تھا۔ اوپر سے مرشد آ گئے تھے۔

گلاب بھائی مرشد کے معتقد تھے اور خلوص دلی سے ان کی بزرگی اور برکتوں کے قائل تھے لیکن خرابی تھی مرشد میں تو صرف ایک۔ آتے تھے تو مہینوں کے لئے آتے تھے۔ خوب کھاتے تھے اور پھر بیمار پڑ جاتے تھے دوا دارو بھی کرنی پڑتی تھی اور دوسرے نئے آنے والوں کی خاطر داری بھی۔ گلاب بھائی مرشد کی برکتوں کے تو قائل تھے لیکن ان اخراجات سے پریشان بھی ہو جاتے تھے۔

مرشد کو بھی آج ہی آنا تھا۔ تقریب کا سن کر انہوں نے سخت شکایت کی تھی کہ انہیں مدعو نہیں کیا گیا اور گلاب بھائی کو قسمیں کھانی پڑیں کہ انہیں اس دھوم دھام کا کوئی علم نہیں تھا۔ بہرحال مرشد نے خلوصِ دل سے معاف کر دیا اور بڑے اہتمام سے اس تقریب میں شریک ہوئے۔

"کیا بات ہے گلاب میاں۔ تمہارا چہرہ کچھ اترا ہوا ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" مرشد نے انہیں اپنے سامنے بٹھا کر ہمدردی سے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے مرشد' بس اس اولاد نے پریشان کر دیا ہے۔" گلاب بھائی بیزاری سے بولے۔

"ارے ارے کیا ہوا' کوئی خاص بات ہے؟" مرشد نے پوچھا۔

"یہ ساری جو آپ کو نظر آ رہی ہے' عام بات ہے مرشد' آپ خود سوچیں کتنا خرچہ کیا ہو گا ان لوگوں نے' میں تو خون پسینہ ایک کر کے ایک ایک پائی بچاتا ہوں' اتنی محنت کی کمائی میرے مرشد یقین کریں دوسروں کی نہیں ہو گی لیکن یہ لوگ ارے باپ

رے باپ!" گلاب بھائی پریشانی سے گردن ہلا کر بولے اور مرشد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"گلاب! بچے خدا کی نعمت ہوتے ہیں اور پھر انسان کماتا کس لئے ہے؟" مرشد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں اس لئے کماتا ہے کہ ان مفت خوروں کو بلائے اور بلا کر کھلا دے۔" گلاب نے جواب دیا۔

"ارے ارے کیسی باتیں کر رہے ہو' اگر کوئی سن لے گا تو میرا خیال ہے ایک منٹ بھی یہاں رکنا پسند نہیں کرے گا۔" مرشد نے گلاب بھائی کو سمجھاتے ہوئے کہا اور گلاب بھائی سر ہلا کر خاموش ہو گئے۔

تقریبات جاری رہیں' مشروبات اڑتے رہے اور طرح طرح کی چیزیں ٹرالیوں میں گردش کرتی رہیں' اس کے بعد سالگرہ کی یہ محفل ختم ہو گئی۔ لوگ رخصت ہونے لگے۔ انہوں نے صفیہ کو درازی عمر کی دعائیں دی تھیں۔ پھر جب آخری مہمان بھی چلا گیا تو گلاب بھائی اپنے کمرے میں آ کر مسہری پر لیٹ گئے' تھوڑی ہی دیر کے بعد صفیہ' گلزار اور گلاب بھائی کی بیگم' گلاب بھائی کے کمرے میں پہنچ گئیں۔ صفیہ پیار سے گلاب بھائی کے نزدیک بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے ڈیڈی' آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ٹھیک رہنے دو تم لوگ اتنا ہنگامہ کر ڈالا اور مجھے پتہ تک نہیں۔ کتنا خرچ ہوا ہو گا میں کہتا ہوں یہ کام کیا پانچ چھ ہزار میں ہو گیا۔"

"اوہ ڈیڈی اٹھئے تو سہی۔ ہم آپ کو بلانے آئے ہیں۔"

"نہیں جاؤں گا ماں قسم کہیں نہیں جاؤں گا' تم سب میری جان کے دشمن ہو۔"

"ڈیڈی پلیز۔ ذرا میرے کمرے تک تو چلئے۔ دیکھئے تحائف کے ڈھیر لگ گئے ہیں۔ ہزاروں روپے کی چیزیں ہوں گی۔" صفیہ نے کہا اور گلاب بھائی پہلی بار چونکے وہ صفیہ کو گھور رہے تھے۔

"کیا کیا تحفے ہیں؟"

"آپ چل کر دیکھیں۔ آپ تو یہاں لیٹے ہوئے ہیں۔ مرشد بھی آپ کو پوچھ رہے تھے۔" گلاب بھائی کو کچھ تقویت حاصل ہوئی تھی۔ وہ اٹھ گئے اور پھر وہ صفیہ

کی خواب گاہ میں داخل ہو گئے۔"

واقعی تحفوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ساڑھیاں' سوٹ پیس' چاندی کے ٹی سیٹ' ڈنر سیٹ وغیرہ وغیرہ نے' اور ایک ایک چیز کو دیکھ کر گلاب بھائی کا چہرہ کھلتا جارہا تھا۔ ان کے چہرے سے اداسی دور ہوتی جارہی تھی۔

"ارے واقعی' ارے واقعی یہ تو بہت کچھ ہے' بڑی بڑی قیمتی چیزیں ہیں مگر بیٹے صفیہ اتنی ساری ساڑھیوں کا تو کیا کرے گی' اپنی ماں کو دے دے' تیرے ہی لئے رکھ دے گی ہمارے کس کام کی' سنو جی یہ ساری چیزیں اٹھا کر رکھ دو' بڑی اچھی اچھی چیزیں آئی ہیں۔ اور اگر یہ بات ہے بیٹی پھر تو یہ سالگرہ بڑے کام کی چیز ہے' پر ہم بے چارے سیدھے سادے آدمی' ہمیں کیا معلوم کہ کیا کچھ ہوتا ہے۔"

"آپ خوش ہوئے نا ڈیڈی!" صفیہ نے مسرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں تیری خوشی میں ہی تو ہماری خوشی ہے۔"

"بہت بہت شکریہ ڈیڈی۔ میں یہی تو کہہ رہی تھی ان سب لوگوں سے کہ ڈیڈی اتنے کنجوس نہیں ہیں' وہ تو صرف ہجوم سے گھبراتے ہیں اور اسی لئے میری سالگرہ کبھی دھوم دھام سے نہیں منائی گئی۔ ورنہ میرے ڈیڈی کوئی معمولی آدمی نہیں۔" صفیہ نے پیار سے باپ کے سینے پر سر رکھ دیا اور کہنے لگی۔ "ڈیڈی یہ بل ادا کردیں۔" صفیہ نے کچھ کاغذ نکال کر ان کے سامنے رکھ دیئے اور گلاب بھائی کو یوں محسوس ہوا جیسے ان کے سینے میں سوئی چبھ گئی ہو' انہوں نے چونک کر صفیہ کا سر سینے سے ہٹایا۔ صفیہ شرارت آمیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"دیکھو بھئی ہر وقت مذاق مت کیا کرو۔" گلاب بھائی امید و بیم کی کیفیت میں صفیہ کو دیکھ کر بولے۔

"کیا مطلب ڈیڈی؟" صفیہ نے حیرت سے کہا۔ گلزار دوسری طرف منہ کرکے مسکرانے لگا تھا۔

"ارے بھائی کاہے کے بل ہیں' کیسے بل ہیں؟"

"ڈیڈی ان تمام لوگوں کو ادائیگیاں کرنی ہیں' بڑے اخراجات ہوئے ہیں آپ کیا سمجھتے ہیں' کم از کم تیس پینتیس ہزار روپے خرچ ہوئے ہیں۔ میرے پاس تھے کتنے پیسے بس پانچ چھ ہزار روپے تھے جو میں نے کارڈوں وغیرہ کی تقسیم میں خرچ کردیئے۔ اب

یہ رقم تو آپ ہی کو ادا کرنی ہے ڈیڈی۔" اور گلاب بھائی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ وہ چند لمحاتی خوشی جو انہیں ملی تھی ایکدم کافور ہوگئی تھی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے صفیہ کو دیکھ رہے تھے۔ "تیس پینتیس ہزار" ان کے منہ سے ڈوبتی ہوئی آواز نکلی۔

"ہاں ڈیڈی' آپ کے لئے کچھ زیادہ نہیں اور پھر یہ تو آپ کی بیٹی کی خوشی تھی۔"

"ارے تمہارا ستیاناس' ارے تمہارا ستیاناس' کیوں میری جان لینے کی فکر میں لگے رہتے ہو ہر وقت' دکھاؤ تو سہی' دکھاؤ تو سہی۔" گلاب بھائی نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا اور صفیہ نے اطمینان سے بل ان کے سامنے رکھ دیئے۔ گلاب بھائی ایک ایک کاغذ کو دیکھتے جارہے تھے اور ان کی حالت غیر ہوتی جارہی تھی۔ پھر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"کب کرنی ہے یہ ادائیگی انہیں؟"

"ڈیڈی کیسی باتیں کررہے ہیں آپ' وہ لوگ باہر موجود ہوں گے' اب اتنے بڑے سیٹھ کا معاملہ اور ہم لوگ ان سے ادھار کریں گے۔" صفیہ نے کہا اور گلاب بھائی کی حالت غیر ہوگئی۔

"اتنے بڑے سیٹھ صاحب۔ اتنے بڑے سیٹھ صاحب۔ ارے صفیہ۔ ارے صفیہ' ارے صفیہ کی ماں' سنبھال ان بچوں کو۔ ارے سنبھال ان سانپ کے بچوں کو' میں نے ان کی اس لئے پرورش نہیں کی کہ یہ ہر وقت میری زندگی لینے کے چکر میں رہیں۔ ہائے پینتیس ہزار اور ابھی دینے ہیں۔ ابھی دینے ہیں۔ ارے گلزار تیرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تو بہن کی خوشی میں کوئی حصہ نہیں لے گا؟"

"اوہ ڈیڈی آپ میرے پاس کچھ چھوڑیں تو میرے پاس کچھ ہو۔ مجھے ملتا ہی کیا ہے۔" گلزار نے نفرت بھرے لہجے میں کہا اور گلاب بھائی کافی دیر تک اسی طرح سر پکڑے بیٹھے رہے۔ پھر ایک بار انہوں نے دوبارہ کاغذ کے ان پرزوں کو دیکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

بل تو ادا کرنے ہی تھے حالت کچھ بھی ہوتی۔ چنانچہ انہیں اٹھنا پڑا۔ نقد ادائیگی اور جاں سوز تھی۔ پینتیس ہزار روپے کیش ادا کرنا معمولی بات نہیں تھی۔ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے وہ باہر نکل آئے اور اس کمرے میں داخل ہوگئے جہاں زیر زمین

تہہ خانہ تھا۔ اس تہہ خانے میں ان کی خفیہ تجوریاں تھیں' نقد رقم وہ بڑی احتیاط سے رکھتے تھے۔ ان تجوریوں میں ان کے وہ کاغذات بھی تھے جن کے لئے وہ ساری دنیا میں کسی پر اعتبار نہیں کرسکتے تھے۔ ان کاغذات میں ان کے کالے دھندوں کی تفصیل تھی۔

وہ یہ فائل کبھی ترتیب نہ دیتے لیکن یاد داشت کب تک ساتھ رہتی' اور پھر کالے کام کرنے والے ایماندار کہاں ہوتے ہیں۔ کاغذات میں ذرا سی گڑبڑ ہوئی اور بڑی رقمیں غائب' گلاب بھائی ان فائلوں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے وہ تہہ خانے میں اتر گئے۔ کمرے کا دروازہ مضبوطی سے بند کرلیا گیا تھا۔ ویسے اپنی چھٹی حس سے وہ پوری طرح واقف تھے طبیعت بلاوجہ تو اداس نہیں تھی پورے پینتیس ہزار کی چپت لگی تھی۔ تحفے بھی تو آئے ہیں' ان کی مالیت اس رقم سے کہیں زیادہ ہوتی۔ آخر صفیہ کی شادی پر بھی تو خریداری کرنی ہی ہوگی۔ ایک ایک چیز رکھوادوں گا۔ ارے ہاں' فضول خرچی کی بھی تو انتہا ہوتی ہے۔

خود کو تسلیاں دیتے ہوئے وہ تجوریوں تک پہنچ گئے' کمرے میں تیز روشنی ہوگئی تھی لیکن جونہی انہوں نے تجوری کو ہاتھ لگایا' ایک بار پھر ایک سوئی ان کے ذہن میں چبھ گئی۔ ان تجوریوں کو وہ زندگی سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور ضرورت بھی تھی کیونکہ انہی میں ان کی جان تھی۔

لیکن صاف پتہ چل رہا تھا کہ تجوری کھولی گئی ہے۔ گلاب بھائی کی آنکھوں میں اندھیرا آگیا۔ طرح طرح کے وسوسے ان کے دل کو مٹھیوں میں جکڑنے لگے۔ اب وہ تجوری والا خانہ کھولیں گے اور..........اور..........

خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے انہوں نے تجوری کھولی۔ نوٹوں کی گڈیاں اوپر تک چنی ہوئی تھیں اور ان میں کوئی خلا نہیں نظر آرہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے ان کا دل ٹھہرا لیکن وسوسے کہاں پیچھا چھوڑتے ہیں۔ ممکن ہے چالاک چور نے' نیچے کاغذ وغیرہ رکھ کر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہو کہ تجوری سے کچھ نہیں لیا گیا۔

چنانچہ جب تک انہوں نے ایک ایک گڈی چیک نہ کرلی انہیں قرار نہیں آیا۔

پھر زیورات کے خانے۔ ان کے بعد کاغذات لیکن کاغذات پر نگاہ پڑتے ہی ایک بار پھر

ان کا دماغ چکرا گیا تھا۔

سارے فائل بے ترتیب تھے۔ انہیں تو ان کی فائلوں کی ترتیب کے سلسلے میں اپنی یادداشت پر پورا بھروسہ تھا۔ یہ فائل اس طرح نہیں رکھے تھے۔ دوسرے لمحے انہوں نے ایک ایک فائل کھول کر دیکھنا شروع کردیا۔

ان میں سے بھی کوئی چیز غائب نہیں تھی۔ سیٹھ گلاب نے سر پکڑ لیا۔ یہ تیسرا موقع تھا جب انہیں اپنے کاغذات میں گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔ ایک بار ان کے دفتر میں اس خفیہ الماری کے کاغذات بے ترتیب ملے تھے جس میں وہ کاروباری امور کے انتہائی خفیہ راز رکھتے تھے لیکن کوئی چیز غائب نہیں ہوئی تھی۔ دوسری بار انہیں اپنی خواب گاہ کی الماری میں اس کا احساس ہوا تھا اور اب تیسری بار۔

لیکن یہاں تک کسی کا پہنچنا اس سے زیادہ خوفناک تھا۔ گلاب بھائی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ پہلے انہیں گلزار پر شبہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ گلزار رقم کی تلاش میں ہے۔ انہوں نے گلزار سے بازپرس کی تھی لیکن اس نے کسی طور اعتراف نہیں کیا تھا کہ اس نے ایسی کوئی حرکت کی ہے لیکن آج گلاب کی سوچ میں تبدیلی آگئی تھی۔ اگر گلزار رقم کی تلاش میں یہاں تک پہنچا تھا تو یہاں رقم موجود تھی لیکن نوٹوں کی گڈیوں کو چھوا بھی نہیں گیا تھا اور ظاہر ہے نکمے گلزار کو ان کاغذات سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی' اس نے تو آج تک کبھی کاروبار کے معاملات میں دلچسپی ہی نہیں لی تھی' پھر ان کاغذات کو دیکھنا کیا معنی۔ اس کا مقصد ہے کہ کوئی اور اجنبی ہاتھ ان کاغذات تک پہنچا ہے اور کسی اجنبی ہاتھ کا کاغذات تک پہنچنا سیٹھ گلاب بھائی کی موت کے مترادف تھا' وہ سوچ رہے تھے آخر یہاں تک پہنچنے والا کون ہوسکتا ہے اور کس مقصد کے تحت وہ یہاں تک پہنچا ہے۔

حکام سے ان کے گہرے تعلقات تھے اور انہیں اچھی طرح علم تھا کہ ابھی تک کسی کو ان کے کالے دھندوں کے بارے میں شبہ بھی نہیں ہوسکا ہے اور اگر اتفاقیہ طور پر کسی کو شبہ ہو بھی جاتا تو وہ اس معاملے کو باآسانی ہموار کرسکتے تھے' کیونکہ ان کی پہنچ ایسے لوگوں تک تھی جن کے ذریعے ہر کام ممکن تھا۔ اس کے باوجود وہ خوفزدہ تھے۔ دیر تک وہ اس جگہ کھڑے سوچتے رہے' اور پھر انہیں خیال آیا کہ باہر سب لوگ ان کا انتظار کررہے ہوں گے' تقریب کے سلسلے میں بلوں کی ادائیگی کرنی تھی۔

چنانچہ انہوں نے پینتیس ہزار روپے کی رقم نکالی اور تجوریاں بند کر کے پریشانی کے انداز میں باہر نکل آئے۔

پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد انہوں نے خفیہ کمرے کا دروازہ بند کر لیا اور باہر نکل آئے۔ ان کی حالت بہتر نہیں تھی۔ گو تعلقات بہت وسیع تھے لیکن اس کے باوجود وہ اس خوف سے مبرّا تو نہیں ہو سکتے تھے جو ان کے ذہن میں جاگزیں ہو گیا تھا۔

خاموشی سے انہوں نے یہ رقم صفیہ کو دے دی اور صفیہ کو شدید حیرت ہوئی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ابھی اور بھی بہت سی باتیں سننے کو ملیں گی اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ گلاب بھائی کی عادت سب ہی کو معلوم تھی۔ گلاب بھائی نے رقم ادا کی اور پھر اپنے کمرے میں پہنچ گئے، مسہری پر چت لیٹ کر انہوں نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے اب وہ صرف اسی بارے میں سوچ رہے تھے کہ آخر وہ کون ہو سکتا ہے جس نے ان کے خفیہ کاغذات تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ بے چارہ گلزار بے قصور تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے فیصلہ کیا کہ گلزار سے باز پُرس ضرور کریں گے ممکن ہے گلزار کوئی گہری چال چل رہا ہو۔

وقت گزرتا گیا اور گلاب بھائی کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی تب انہیں مرشد کا خیال آیا۔ مرشد بہرحال ایک نیک اور بزرگ انسان تھے اور گلاب بھائی دل سے ان کی قدر کرتے تھے۔ ان کی کچھ باتوں سے گلاب بھائی کو اختلاف ضرور تھا لیکن ابھی تک یہ اختلاف ان کے ذہن ہی میں رہا تھا۔

مرشد کے تصور سے انہیں کچھ تقویت ہوئی، اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کمرے تک پہنچ گئے جہاں مرشد کا قیام تھا۔

مرشد ایک آرام کرسی پر دراز کسی سوچ میں گم تھے، باہر سے ان سے ملنے کے لئے آنے والوں کو ابھی تک ان کی آمد کے بارے میں اطلاع نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ وہ اس وقت تنہا نہ ہوتے۔ گلاب بھائی کو دیکھ کر انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"آؤ گلاب میاں، میں پہلے بھی اندازہ کر رہا تھا کہ تم پریشان ہو، لیکن بزرگوں سے پریشانیاں چھپائی نہیں جاتیں بیٹے۔ کیا بات ہے، مجھے بتاؤ۔" مرشد نے پُرشفقت لہجے میں کہا۔

"مرشد آپ تو روشن ضمیر ہیں۔ یہ اپنا گلزار سالا برے راستوں پر جا نکلا ہے۔ دونوں کے دونوں ہی بچے مجھ سے مختلف ہیں، میری سوچ کچھ ہے اور ان کی سوچ کچھ۔ ان دونوں کی وجہ سے میں بڑا پریشان رہتا ہوں۔" گلاب بھائی نے کہا۔

"گلاب میاں بچوں کا ذہن کچا ہوتا ہے، تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ ابھی تمہاری عمر تک نہیں پہنچے، جب وہ تمہاری عمر کو پہنچیں گے تو ان کا اندازِ فکر بھی تمہارے جیسا ہی ہو گا۔"

"لیکن جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہو گی۔" گلاب بھائی کھلکھلا کر بولے۔

"اب ایسا بھی مت کہو گلاب میاں۔ دائی سے پیٹ چھپاتے ہو۔ تمہارا ایک ہی بیٹا ہے دس بیٹے ہوتے اور دن رات عیش میں گزارتے تب بھی یہ نوبت نہ پہنچتی کہ ان کی جیبیں خالی ہوتیں۔"

"آہستہ بولیئے مرشد۔ آپ سے واقعی کچھ نہیں چھپا، لیکن قارون کے خزانے بھی خالی ہو جاتے ہیں۔ مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"ایک پریشانی کا شکار ہوں مرشد۔ آپ میری رہنمائی کریں۔"

"کہو۔ کیا پریشانی ہے؟"

"کچھ دنوں سے مجھے احساس ہو رہا ہے جیسے کوئی میرے کاغذات کی تلاشی لے رہا ہو۔ حالانکہ کچھ غائب نہیں ہوتا لیکن وہ کون ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"اوہ۔ تمہارا شبہ گلزار پر ہے۔"

"پہلے تھا اب نہیں۔ اس نکمے کو صرف نوٹوں کے کاغذ پسند ہیں۔ باقی کسی قسم کے کاغذ سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"کوئی چور وغیرہ بھی نہیں ہو سکتا۔"

"کوئی نہیں مرشد۔ ورنہ رقمیں اور زیورات غائب ہوتے۔"

"ہوں، معاملہ کافی الجھا ہوا ہے، لیکن تم پریشان نہ ہو۔ ہم کشف کریں گے۔ ہماری نگاہوں سے کون سی چیز دور ہے۔"

"میں سخت پریشان ہوں مرشد، اور اس بار میں آپ کو اس وقت تک نہیں جانے دوں گا جب تک آپ یہ معمہ حل نہیں کریں گے۔"

"اوہو ٹھیک ہے' یہ تمہاری محبت ہے' ویسے تم نے یہ نہیں پوچھا کہ ہم اچانک آئے کیوں ہیں؟"

"مرشد جو ہیں آپ' آپ کو میری پریشانی کا اندازہ نہ ہوگا تو کسے ہوگا' میں مانتا ہوں کہ آپ مجھے اس مشکل سے نکالنے آئے ہیں۔" سیٹھ گلاب نے عقیدت سے کہا اور مرشد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں' ہماری زندگی تو تم لوگوں کے لئے وقف ہے۔ تمہاری ہی مشکلات ہمیں تڑپاتی رہتی ہیں اب ہمارے ایک مرید عظمت علی کا بیٹا کرامت علی چارٹرڈ اکاؤنٹینسی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وطن واپس آیا تو اس کے باپ کو اس کے لئے نوکری کی تلاش ہوئی' غریب آدمی ہے اسے نہ جانے کیا کیا جتن کرکے بیٹے کو تعلیم دلائی۔ اب پھل کھانے کا وقت آیا ہے۔ بس' دوڑا آیا اپنے مرشد کے پاس' اب بتاؤ کیا کرے۔ سوائے اس کے کہ اپنوں پر نگاہ ڈالے۔ میں نے اس کی نوکری پکی کردی۔"

"مرشد کا یقین ہے۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ آپ کا سایہ ہم پر ہے لیکن وہ میرے سلسلہ میں مرشد!"

"ہاں۔ ہم تمہارے لئے کشف کریں گے اور تمہاری مشکل حل کرکے ہی جائیں گے۔ ابھی دو تین دن ہمارے مرید ہم سے ملنے آئیں گے اس کے بعد ہم چلہ کریں گے اور تمہارے مجرم کو تمہارے سامنے لا کھڑا کریں گے۔"

"زندگی بھر ممنون ہوں گا مرشد۔" سیٹھ گلاب بھائی عقیدت سے ہاتھ جوڑ کر بولے۔

"ہاں وہ کرامت علی کو کہاں فِٹ کرو گے؟" مرشد نے کہا

"جی؟"

"میں چاہتا ہوں تمہارے ہاں وہ ایک اعلیٰ حیثیت پر کام کرے۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ اسے تنخواہ کم از کم پانچ ہزار ملے گی۔"

"کب؟ کسے؟" گلاب بھائی کا دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔

"میاں عظمت علی کے بیٹے کرامت علی کی بات کررہا ہوں۔" مرشد نے کہا اور سیٹھ گلاب کا دل بیٹھ گیا۔

"مم میں نہیں سمجھا مرشد' میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"ارے بھئی اس میں نہ سمجھنے والی کیا بات ہے' میں نے عظمت علی سے جو وعدہ کیا ہے وہ تمہارے ہی بھروسے پر کیا ہے' میں جانتا ہوں تمہارا کاروبار ماشاء اللہ بڑا ہی عظیم الشان ہے اور کرامت علی جیسے نوجوان کو تمہاری ہی فرم میں اس کا صحیح مقام مل سکتا ہے' عظمت علی نے بڑی شدید محنت کی ہے بیٹے اپنی اولاد کی تعلیم کے لئے اور اسے اس کا صحیح پھل ملنا چاہئے۔ تم اسے پانچ ہزار روپے ماہوار ادا کرنا' یقینی طور پر وہ تمہاری فرم کے لئے انتہائی سود مند ثابت ہوگا۔" مرشد کہہ رہے تھے اور گلاب بھائی کی حالت خراب تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے مرشد کو دیکھ رہے تھے۔ آج کا دن نحوستوں کا انبار لے کر آیا تھا اور رات تک ان نحوستوں سے پیچھا نہیں چھوٹا تھا۔

پینتیس ہزار روپے تقریب کا بل ادا کرنا پڑا تھا۔ اوپر سے کاغذات کی پریشانی اور اس پر پانچ ہزار روپے کا یہ ماہانہ بوجھ مزید ان کے سر پر آپڑا تھا۔

وہ بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے مرشد کو دیکھتے رہے۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ مرشد کو اٹھا کر کندھے پر رکھیں اور دروازے سے باہر چھوڑ آئیں۔ بھلا اپنے مریدوں پر ایسے بوجھ ڈالے جاتے ہیں کبھی۔ پانچ ہزار روپے ماہوار ایک چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کو جبکہ ایک اکاؤنٹنٹ پہلے ہی دو ہزار روپے ماہوار تنخواہ پا رہا تھا۔ بھلا پانچ ہزار کا یہ بوجھ' لیکن ان کی زبان بند ہوگئی تھی' کیا کہتے وہ مرشد سے۔

مرشد کرامت اللہ کی خوبیوں کے گن گا رہے تھے اور پھر انہوں نے کہا۔

"پرسوں وہ یہاں پہنچ جائے گا' میں تو مراقبے میں ہوں گا' تم اس سے گفتگو کرلینا اور ہاں اس کی رہائش کی ذمہ داری بھی تمہارے ہی سپرد۔"

"اور میری رہائش کسی قبرستان ہی میں مناسب رہے گی مرشد۔" گلاب بھائی نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا مطلب۔ میں نہیں سمجھا۔"

"کچھ نہیں۔" گلاب بھائی مُردہ سے لہجے میں بولے۔

"ہاں میاں تم ہی لوگوں کے بھروسے پر میں اتنے بڑے بڑے کام کرنے کا بیڑہ اٹھا لیتا ہوں اور مجھے فخر ہے کہ میرے مرید مجھے مایوس نہیں کرتے' تو پھر میں ایسا کروں گا کہ ٹیلی فون پر عظمت علی کو اس کے بیٹے کی ملازمت پکی ہونے کی اطلاع دے دوں گا' ویسے تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟"

"نہیں مرشد اور کوئی پریشانی نہیں ہے۔" گلاب بھائی نے چکراتے ہوئے ذہن پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ویسے میاں ایک مشورہ ضرور دوں گا تمہیں۔" مرشد بولے اور گلاب بھائی ان کی صورت دیکھنے لگے۔

"تم گلزار کی شادی کردو۔"

"جی؟" گلاب بھائی چونک پڑے۔

"ہاں تمہارے ہی بھلے کی بات کر رہا ہوں۔ جو کچھ خرابیاں ہیں دور ہو جائیں گی۔ ورنہ یاد رکھو یہ مرشد کی پیش گوئی ہے کہ سر پر ہاتھ رکھ کر روؤ گے' صاحبزادے غلط راہوں پر جا رہے ہیں۔"

"مم میں نہیں سمجھا مرشد میں نہیں سمجھا۔ خدا کے واسطے کھل کر بتایئے۔" گلاب بھائی پریشانی سے بولا۔

"میاں ابھی تھوڑے دن پہلے کی بات ہے میرے ایک مرید کے ہاں میرے اعزاز میں مجرا ہوا تھا۔ اس مجرے میں اس شہر کی کچھ گانے والیاں بھی پہنچی تھیں۔ ایک صاحبزادی تھیں میاں بڑی ہی حسین تھیں اور نام ان کا گل رخ تھا۔ اور میاں یہ دیکھ کر تو میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کہ وہاں آپ کے صاحبزادے بھی موجود تھے۔ انہوں نے شاید مجھے نہیں دیکھا تھا لیکن میں نے انہیں بخوبی دیکھ لیا اور پھر ان کی نگاہوں سے رُوپوش رہنے کی کوشش کی۔ صاحبزادے نوٹ پر نوٹ نکال کر دے رہے تھے۔"

"نوٹ پر نوٹ؟" گلاب بھائی کی آواز بیٹھ گئی۔

"ہاں۔ ہماری نگاہوں سے بات کیا چھپی رہتی۔ سب کچھ معلوم کرلیا ہم نے۔ آپ کے گلزار میاں گل رخ کے ساتھ ہی آئے تھے شدید قسم کا عشق فرمایا جا رہا ہے اس رقاصہ سے۔"

"آہ۔ آج کا دن میرے لئے کتنا منحوس دن ہے مرشد۔ رات ہوئی پر میری نحوستوں کی تاریکی نہیں چھٹی۔"

"شادی کردو میاں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"گولی کیوں نہ ماردوں اس بدبخت کو۔ شادی پر خرچ کروں پھر اس کی بیوی پر

خرچ کروں۔ سب کچھ خرچ کردوں ارے لوٹ لیا اس کمبخت اولاد نے۔ برباد کردیا مجھے۔" گلاب بھائی عورتوں کی طرح بین کرنے لگے۔

"صبر کرو گلاب میاں۔ ہمت سے کام لو۔ نیکیاں کرتے رہا کرو۔ غریبوں کو لیتے دیتے رہا کرو بلائیں رفع ہوتی ہیں۔" مرشد نے تلقین کی۔

"اگر یہ دونوں زندہ رہے مرشد۔ اگر یہ دونوں زندہ رہے تو ایک دن میں خود بھیک مانگ رہا ہوں گا۔ گل رخ۔ نوٹ پر نوٹ۔ ہائے نوٹ پر نوٹ۔" گلاب بھائی پھر رونے لگے اور مرشد اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

بے شمار الجھنیں اور پریشانیاں سمیٹے ہوئے گلاب بھائی اپنی خواب گاہ میں واپس آرہے تھے۔ ساری رات ان کی جیب سے نوٹ کھسکتے رہے۔ کبھی گل رخ کے گھنگھروؤں کی جھنکار سنائی دیتی اور کبھی ان کی خفیہ تجوری کی درازیں کھلتیں اور وہ تمام فائل اچھل اچھل کر باہر آگرتے جن میں ان کے کالے کاروبار کی تفصیل موجود تھی۔

خواب اور بے خوابی کی اس کیفیت میں صبح کی روشنی نمودار ہوگئی۔ صبح کو جاگے تو ان کا سر بھاری تھا۔ طبیعت میں شدید چڑچڑاہٹ تھی۔ ناشتے کے لئے بھی منع کردیا۔ بیوی نے پوچھا تو اسے ڈانٹ دیا پھر انہوں نے ایک ملازمہ سے کہا کہ گلزار کو بلا لائے۔

تھوڑی دیر کے بعد گلزار پہنچ گیا۔ "کیا بات ہے ڈیڈی۔ آپ بیمار ہیں کیا؟" اس نے آتے ہی پوچھا۔

"ہاں بیٹے بیمار ہوں' تم سے کچھ کام ہے۔"

"اوہ۔ سوری ڈیڈی۔ آج رات میں بے حد مصروف ہوں۔ آج کے علاوہ............"

"کوئی خاص کام نہیں ہے بیٹے۔ صرف تھوڑی دیر لوں گا۔" گلاب بھائی بولے اور گلزار نے گردن ہلا دی۔

"ایسا ہے تو کوئی بات نہیں ہے ڈیڈی۔ فرمایئے۔"

"اندرونی کمرے میں جو تجوری رکھی ہوئی ہے۔ اس میں تیس ہزار روپے ہیں۔ وہ ذرا نکال تو لاؤ۔" گلاب بھائی نے کہا اور ایک چابی گلزار کی طرف بڑھا دی۔

"اوہ۔ خوب یاد آیا ڈیڈی۔ مجھے بھی کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔"

"انہی میں سے لے لینا میرے لعل۔ جاؤ جلدی کرو۔" گلاب بھائی نے کہا اور گلزار نے جلدی سے چابی لے لی۔

"میں ابھی لایا۔" وہ بولا اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا لیکن اس کے باہر نکلتے ہی گلاب بھائی بھی اپنی جگہ سے اٹھے اور پھر انہوں نے مسہری کے نیچے سے اپنا بید نکالا اور اندرونی کمرے کی طرف چل پڑے۔

اندرونی کمرہ کوٹھی کا بس آخری کمرہ تھا۔ اس رہائش گاہ سے دور۔ اس طرف شاذونادر ہی کوئی جاتا تھا۔ گلاب بھائی گلزار کے پیچھے پیچھے اس کمرے تک پہنچ گئے۔ گلزار اندر تھا اور تجوری کھولنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن بھلا گلاب بھائی اس تجوری کی اصل چابی دے سکتے تھے۔

وہ بے آواز کمرے میں داخل ہو گئے لیکن دروازہ بند ہونے کی آواز گلزار نے سن ہی لی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور بولا۔ "میں آرہا تھا ڈیڈی۔ آپ نے سوچا شاید میں یہیں سے بھاگ جاؤں گا لیکن چابی۔" وہ خاموش ہو گیا۔ اس کی نگاہ گلاب بھائی کے ہاتھ میں لئے ہوئے بید پر جا پڑی تھی۔

"کیا بات ہے ڈیڈی؟"

"آگے آؤ۔" گلاب بھائی خونخوار لہجے میں بولے۔

"مم۔ مگر آپ کے ہاتھ میں چھڑی ہے۔" گلزار نے کلبلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم نے بکرے کے بدن سے کھال اترتے دیکھی ہے نا کبھی۔ ماں قسم آج یہی تجربہ کرنے آیا ہوں۔" گلاب بھائی سرد لہجے میں بولے۔

"ڈ۔ ڈیڈی۔ مم۔ ممی۔ ممی۔" گلزار گھٹی گھٹی آواز میں چیخا اور گلاب بھائی نے آگے بڑھ کر ہاتھ گھما دیا لیکن گلزار اچھل کر ایک طرف جا گرا تھا اور پھر اس نے چیخنا شروع کر دیا۔ ارے بچاؤ۔ مر گیا۔ باس مر گیا۔ ہائے ممی۔ مر گیا۔ ارے مر گیا۔"

"ابھی تو مرو گے بیٹے۔ بس آج قصہ ہی ختم کر دوں گا۔ بول گل رخ کون ہے؟"

گلاب بھائی نے پھر چھڑی گھمادی اور گلزار پھر اس وار سے بچ گیا لیکن اس بار اس کے منہ سے ذبح ہونے والے بکرے کی سی آواز نکلی تھی۔

"بچاؤ۔ بچاؤ۔ ارے مار ڈالا۔ بچاؤ۔"

"کون بچائے گا تجھے اس رتت۔ بول گل رخ کون ہے۔ بول گل رخ کون

ہے؟"

"پٹاخہ ہے ڈیڈی۔ خدا کی قسم' اے ون فنٹوش ہے۔ مم۔ مگر مار کیوں رہے ہو۔ ارے مر گیا۔" گلزار نے پھر ایک طرف چھلانگ لگائی۔ گلاب بھائی ابھی تک ایک بار بھی اس کے بدن کو چھو نہیں سکے تھے لیکن اس بات کا انہوں نے خیال رکھا تھا کہ وہ دروازے تک نہ پہنچ پائے۔ ویسے وہ اس کی چیخم دھاڑ سے نروس ہو گئے تھے' کمبخت کے پڑجاتی تو شاید چھت ہی گرا دیتا لیکن غصے سے ان کا برا حال تھا۔

"اے ون فونٹوش ہے۔ کیوں۔ بول کتنی رقم خرچ کر چکا ہے اب تک اس پر۔ بول جواب دے۔"

"چھ سو تیئس روپے ڈیڈی۔ خدا کی قسم چھ سو تیئس روپے صرف۔" گلزار نے کہا اور ایک لمحے کے لئے گلاب بھائی نرم پڑ گئے۔

"چھ سو تیئس۔ صرف چھ سو تیئس۔"

"ہاں ڈیڈی۔ خدا کی قسم جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"کب سے جا رہا ہے اس کے ہاں؟"

"ایک سال ہو گیا۔"

"اور اس ایک سال میں تُو نے صرف چھ سو تیئس خرچ کئے ہیں۔"

"ہاں ڈیڈی۔"

"اور وہ طوائف تجھے اپنے گھر میں گھسنے دیتی ہے؟"

"آپ ہی کا بیٹا ہوں ڈیڈی۔ تین ہار دیئے ہیں اب تک اسے جن کی قیمت پونے چار سو بنتی ہے۔ آپ فدا حسین سے پوچھ لیں جو نقلی زیورات کا کاروبار کرتا ہے۔ باقی پیسے کھانے پینے میں۔ گل رخ سمجھتی ہے کہ ان ہاروں کی قیمت کم از کم دو تین لاکھ ہے۔ نقلی پتھر لگے ہوئے ہیں ان میں۔"

"مگر تُو وہاں جاتا ہی کیوں ہے یوں۔ یہ چھ سو روپے کھاتا تو بدن کو نہ لگتے۔"

"پھر کہاں جاؤں ڈیڈی۔ وہی ایک نئی نئی طوائف ہے۔ ورنہ باقی سب تو کھرے کھوٹے کی خوب تمیز رکھتی ہیں۔ اگر ساکھ نہ ہوتی تو اب تک یہاں سے بھگا دیا جاتا۔"

"ساکھ؟" گلاب بھائی پھر چونک پڑے۔

"تو اور کیا۔ آپ مجھے جیب خرچ ہی کیا دیتے ہیں جو کچھ تفریح کر سکوں۔ بس

لوگ سمجھتے ہیں کہ اتنے بڑے سیٹھ کا بیٹا کوئی معمولی چیز تو اسے نہیں دے سکتا۔ گل رخ بائی بھی اس چکر میں ہے اس لئے اس نے اب تک ان زیورات پر توجہ نہیں دی۔"

"تو۔ تو یوں میرا نام روشن کرتا پھر رہا ہے۔"

"پھر کیا کروں ڈیڈی۔ آپ کون سے نیک کام کرتے ہیں جو آپ کا نام روشن ہو۔ صرف کاروباری لوگ ہی آپ کو جانتے ہیں اس کے علاوہ اور کیا حیثیت ہے آپ کی بتایئے کوئی رفاہی کام کیا ہے آپ نے؟"

"اور تو رفاہی کام کرتا پھر رہا ہے۔ مار ڈالوں گا' جان سے مار ڈالوں گا۔" گلاب بھائی پھر اس پر پل پڑے۔

"مار ڈالو۔ ارے مار بھی ڈالو۔" گلزار ان کے واروں سے بچتا ہوا پورے کمرے میں دوڑنے لگا اور گلاب بھائی زچ ہو گئے۔ ان کے دل میں حسرت تھی کہ کم از کم ایک بید ہی لگا دیں اسے لیکن انہیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ حسرت دل کے دل میں رہے گی اور کمبخت ایسے چیخ رہا تھا کہ اگر کوئی سن لے تو منتظر رہے کہ اب کمرے سے گلزار کی لاش ہی برآمد ہو گی۔

"بول۔ اب جائے گا گل رخ کے پاس' اب رکھے گا وہاں قدم؟"

"اب وہاں قدم رکھنے ہی کون دے گا ڈیڈی۔ اس بار دو ہزار مانگ لئے ہیں سسری نے۔ نقد دو ہزار' میں کہاں سے لاؤں گا۔ ویسے میں اس زیادتی پر احتجاج کرتا ہوں بیٹی کی سالگرہ پر تیس چالیس ہزار خرچ کر دیئے گئے اور میں گل رخ کو دو ہزار بھی نہیں دے سکتا۔"

"ہوں۔ اس لیے تو آج کل میری تجوریوں کو ٹٹولتا پھر رہا ہے۔" گلاب بھائی نے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا سے ڈرو ڈیڈی۔ کبھی آپ نے کسی تجوری کی اصلی چابی بھی رکھی ہے اپنے پاس۔ جتنی بار آپ کی چابیاں اڑائیں نقلی ہی نکلیں۔ ارے میں خوب سمجھتا ہوں یہ سارے جتن آپ میری وجہ سے کرتے ہیں۔"

"اس دن میری الماری کی تلاشی کس نے لی تھی؟"

"کبھی رکھا ہے الماری میں کچھ۔ کیا میں اتنا بے وقوف ہوں۔"

"تو اس دن تہہ خانے میں نہیں گھسا تھا؟" گلاب بھائی دھاڑے۔

"حسرت ہے ڈیڈی۔ صرف ایک بار اس کی زیارت کرا دو۔ آخر آپ کا بیٹا ہوں مجھے یقین ہے وہاں بہت کچھ ہے۔"

"کاغذات تو نے نہیں دیکھے تھے؟"

"تہہ خانے میں؟" گلزار نے طنزیہ کہا۔

"ہاں ہاں وہیں کی بات کر رہا ہوں۔"

"مذاق مت کرو ڈیڈی۔ آج تک نیچے نہیں اترا۔"

"جھوٹ بول رہا ذلیل' جھوٹ بول رہا ہے۔" گلاب بھائی نے آخری کوشش کی کہ کم از کم اس کی قیمت ہی وصول ہو جائے اور ایک زور دار ہاتھ کارآمد پڑ جائے لیکن ان کی تقدیر ہی میں نہیں تھا۔ اوپر سے کمبخت چیخ رہا تھا اور شاید اس کی چیخوں سے ہی گلاب بھائی کے اعصاب کشیدہ ہو رہے تھے۔

باہر شاید آوازیں پہنچ گئی تھیں۔ اس لئے زور دار آواز سے دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔ بیگم گلاب بھائی قسمیں دے رہی تھیں۔ عاجز آ کر گلاب بھائی نے دروازہ کھول دیا۔ تین چار ملازم' بیگم صاحبہ' صفیہ سب بھرا مار کر اندر گھس آئے تھے۔

"کیا ہو رہا ہے یہ۔ میں کہتی ہوں یہ کیا ہو رہا ہے۔" بیگم صاحب دہاڑیں اور گلزار اس موقع سے فائدہ اٹھا کر پھرتی سے باہر نکل گیا۔

"کوئی خاص بات نہیں ممی۔ میں اور ڈیڈی ایک ڈرامے کی ریہرسل کر رہے تھے۔ آپ نے بلاوجہ مداخلت کی۔ کیوں ڈیڈی؟" گلزار نے کہا اور تیزی سے باہر کی طرف مڑ گیا۔

☆------☆------☆

گیتی خیالات میں گم تھی۔ سامنے ہی جنرل ثابو اپنے کام میں مصروف تھا۔ وہ کئی گھنٹے سے مصروف تھا اور گیتی پر اکتاہٹ سوار ہونے لگی تھی لیکن ثاقب کا خیال اس کی شخصیت کا یہ پہلو خود میں جذب کرلیتا تھا۔ چنانچہ کافی دیر سے گیتی نے اس سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ وہ ثاقب کے بارے میں عجیب سے انداز میں سوچنے لگی تھی۔ ایک عورت کی حیثیت سے وہ اب دنیا کے ہر نوجوان کے لئے ناکارہ تھی۔ اس کی قربت موت کی قربت تھی۔ جنس اس کے ذہن میں ایک ناسور کی حیثیت رکھتی تھی جس کے تصور سے ہی وہ اذیت کا شکار ہوجاتی تھی لیکن اس کے باوجود ثاقب کا خیال اس کے دل میں سرور کی ہلکی ہلکی لہریں بیدار کردیتا تھا۔ اس نے اس موضوع پر بہت سوچا تھا۔

اور آخر کار اسے سکون کے راستے نظر آگئے تھے۔ ثاقب مرد تھا لیکن ان سارے مردوں کی نفی کرتا تھا جو اس دنیا میں آباد تھے۔ وہ تو ایک سائے دار درخت تھا جس کے نیچے سکون تھا۔ چاہت کا مطلب لینا تو نہیں ہے۔ اس کی چاہ تو ثاقب کو نقصان نہیں پہنچائے گی۔

چنانچہ وہ دل ہی دل میں اسے بے پناہ چاہنے لگی تھی۔ وہ محسوس کرتی تھی کہ وہ ثاقب کے لئے ہزار بار مرکر زندہ ہوسکتی ہے۔ وہ ہے ہی اس قابل۔

"غائب۔" اچانک جنرل ثابو کے حلق سے مسرت آمیز آواز نکلی اور گیتی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ جنرل ثابو اس ریسیور مشین کے پاس کھڑا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر مسرت کے آثار تھے۔ گیتی اسے دیکھتی رہی۔

"ارے گیتی۔ ابے وہاں مررہی ہو۔ ادھر آؤ۔ جلدی آؤ۔" جنرل نے کہا اور گیتی ایک گہری سانس لے کر اٹھ گئی۔

"کیا ہوا جنرل؟"

"خرگوش غائب۔ نہیں ہے اس میں موجود تھا۔"

"اوہ۔ کیا وہ نشر ہوگیا؟"

"نشر ہوجانا کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ارے اس طرف سے نکل بھاگے گا اور پھر ہم زندگی بھر اسے نہیں پکڑ سکیں گے۔"

"کون نکل بھاگے گا جنرل؟"

"ادھر بیٹھو' آؤ ادھر بیٹھو۔ ہاتھ ڈالو اس میں دیکھو اندر موجود ہے؟" جنرل نے کہا اور گیتی نے ناچار اس کی ہدایت پر عمل کیا لیکن اندر ایک خرگوش کا بدن محسوس کرکے وہ اچھل پڑی۔

"ارے.........یہ.........یہ........." وہ تعجب سے بولی۔

"میں نے کہا تھا میدان مار لیا۔ اور اب.......... اور اب۔" جنرل خاموش ہوگیا۔ پھر اس نے اندر ہاتھ ڈال کر نظر نہ آنے والے خرگوش کو پکڑ لیا۔ "آؤ اسے پنجرے میں بند کردیں بڑے کام کی چیز ہے۔"

جنرل ثابو خرگوش کو لٹکائے ایک طرف بڑھ گیا۔ پھر خرگوش کو ایک مخصوص پنجرے میں بند کردیا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر گیتی کو گھورنے لگا۔

"کیوں؟" اس نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔

"اب کیا ہوا؟"

"تمہاری فطرت کے خلاف ہے گیتی' بتاؤ کیا ہوا تھا؟"

"جنرل۔ تم پھر پٹری سے اتر رہے ہو۔" گیتی ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"جانتی ہو اس دن ثاقب خلا میں کیوں نشر نہ ہوسکا؟"

"اس کی خوش بختی تھی۔ ورنہ نہ جانے وہ واپس بھی آسکتا یا نہیں!"

"سو فیصد واپس آتا لیکن کنٹرول بورڈ پر تم سوگئی تھیں۔"

"جنرل۔ میں ایک بار پھر وارننگ دیتی ہوں۔"

"ثابت کرسکتا ہوں گیتی' ثابت کرسکتا ہوں۔ اب اس شک و شبہ کی بات ہی نہیں ہے تم نے نیگیٹو ریز بڑھادی تھیں اور نشریاتی لیور بند کردیا تھا۔ اس کے جسم میں ریڈیو ایکٹو سرایت کرگئے یہاں تک کہ اس کا وجود غائب ہوگیا اور وزن ختم ہوگیا۔"

اس کے علاوہ کوئی اور بات ہو تو گولی مار دینا۔"

"ممکن ہے۔ ایسا ہوا ہو۔ میں بھی تو انسان ہوں۔"

"تم ایک مستعد لڑکی ہو۔"

"کسی شک کو ذہن میں جگہ دینا بے سود ہے جنرل۔ پہلی غلطی پر آپ اس طرح بازپرس کر رہے ہیں۔"

"واہ۔ چلو جانے دو۔ بہرحال ثاقب کے بارے میں معلوم ہو گیا۔"

"یعنی اب اسے اصلی حالت میں واپس لایا جا سکتا ہے۔"

"سوچوں گا۔ فرصت سے سوچوں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ اسے اسی حالت میں رہنے دیا جائے جنرل۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے اس کے تحت اس کی موجودہ پوزیشن ہی ٹھیک ہے۔"

"ہوں۔" جنرل نے پُرخیال انداز میں گردن ہلائی۔ کافی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

"آیا نہیں۔ میں اس کے لئے پریشان رہنے لگا ہوں۔ جس عظیم الشان پروگرام کی اس نے ابتدا کی ہے اسے سنبھالنا آسان کام نہیں ہے۔ ویسے شرم کی بات ہے گیتی وہ ہماری زمین کے مسائل سلجھانے میں کوشاں ہے وہ اس زمین کے لئے کتنا درد رکھتا ہے۔"

"لیکن تعجب کی بات ہے جنرل۔ اس کی ملاقات اس شخص سے کیسے ہو گئی؟"

"منور فیروز سے؟"

"ہاں۔ یہی نام بتایا تھا اس نے۔"

"اب اس کی تفصیل تو وہ خود بتائے گا۔ ٹرانسمیٹر پر زیادہ گفتگو مناسب نہیں ہوتی۔" جنرل پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر بولا۔ "کافی پلواؤ گیتی' بڑی تھکن محسوس ہو رہی ہے۔"

"او کے جنرل" گیتی نے کہا اور پھر اس نے نائن کو ہدایت دے دی۔ تھوڑی دیر کے بعد کافی آ گئی اور گیتی جنرل کے لئے کافی کا کپ بنانے لگی۔ پھر اس نے ایک کپ جنرل کے سامنے رکھ دیا اور دوسرا خود لے کر بیٹھ گئی۔

جنرل اب بھی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر اس نے کافی اٹھانے کے لئے ہاتھ

بڑھایا لیکن پیالی تھوڑی سی سرک گئی۔ جنرل نے دوبارہ پیالی اٹھانا چاہی لیکن' اس بار پیالی کافی دور سرک گئی اور دوسرے لمحے جنرل خوشی سے اچھل پڑا۔ "ثاقب۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور گیتی نے بمشکل پیالی سنبھالی کافی چھلک گئی تھی۔

"کیا ہوا جنرل؟" اس نے پوچھا۔

"بھئی ثاقب اب بول پڑو۔ صورتِ حال ناقابلِ برداشت ہو رہی ہے۔"

"تب پھر ثاقب کا آداب قبول ہو۔" ثاقب کی آواز ابھری اور گیتی نے پیالی رکھ دی۔ وہ بے اختیار کھڑی ہو گئی تھی۔

"اوہ ثاقب۔ کہاں ہو تم؟"

"جنرل کی کافی پی رہا ہوں۔" ثاقب کی آواز سنائی دی اور گیتی دوڑ کر اس کے نزدیک پہنچ گئی۔ اس نے ثاقب کا شانہ پکڑ لیا تھا۔

جنرل ثابو نے گیتی کے اس بے اختیارانہ انداز کو دیکھا اور اس کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے۔ گیتی کہہ رہی تھی۔

"اوہ مائی ڈیئر ثاقب۔ تم۔ تم' مگر تم بہت برے ہو۔ تم نے ہم لوگوں سے اس طرح فاصلے اختیار کر لئے ہیں کہ اب ہم یہ بھی نہیں جان پاتے کہ تم اس وقت کہاں ہو۔"

"مگر' میری ذمے داریاں تو تم لوگوں کے علم میں ہیں۔ میں کوئی ایسا کام تو نہیں کر رہا جس کا کہیں پتا نہ ہو۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم ہماری نگاہ سے جس طرح اوجھل رہتے ہو ہمیں اس سے بڑی تشویش ہوتی ہے۔"

"قصور میرا تو نہیں ہے گیتی.........." ثاقب کی آواز ابھری اور گیتی کی آنکھیں جھک گئیں۔ جنرل ثابو گہری نگاہوں سے گیتی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"مگر ثاقب ہماری اس دنیا سے ناواقفیت کے باوجود تم جس انداز میں سارے کام کر رہے ہو مجھے اور گیتی کو اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"نقصان یا فائدے کی میرے سیارے پر کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اب جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔"

"ہونہہ' ٹھیک ہے۔ بہت زیادہ خود اعتمادی کا مظاہرہ کر رہے ہو تم' لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارا اٹھنے والا ہر قدم میرے علم میں رہے۔" گیتی بدستور ثاقب کا شانہ پکڑے ہوئے تھی اور اس کے چہرے پر جذبات کے سائے لرزاں تھے۔

☆------☆------☆

سیٹھ گلاب بھائی بڑی ذہنی اذیت کا شکار تھا۔ قیامت کا کنجوس انسان تھا۔ ایک چھوٹی سی بات پر اس طرح وسوسوں میں گرفتار ہو جاتا تھا کہ زندگی مشکل ہو جائے اس کے لئے' اور اب تو بات چھوٹی رہی بھی نہیں تھی۔ مرشد کرامت شاہ صاحب نے ایسی ایسی دل ہلا دینے والی باتیں بتائی تھیں کہ گلاب سیٹھ کی راتوں کی نیند اڑ گئی تھی اور پھر جو حقیقتیں سامنے آئی تھیں وہ بھی بڑی تشویش ناک تھیں اور گلاب سیٹھ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ ان تمام پریشان کن خیالات نے اسے ذہنی طور سے دیوالیہ کر کے رکھ دیا تھا اور وہ ہر وقت سہا سہا نظر آنے لگا تھا۔ سارے کام ہی بگڑ گئے تھے۔ گلزار لاکھ اسے یہ بتائے کہ وہ گل رخ پر کوئی خرچہ نہیں کر رہا اور سارے کام چار سو بیسی پر چل رہے ہیں لیکن بھلا یہ کوئی اعتبار کرنے والی بات تھی۔ وہ جانتا تھا کہ نوجوان لڑکا ایک جھٹکے میں حلال ہو جائے گا۔ بھلا اس کی اتنی عقل کہاں کہ گل رخ اور اس کے خاندان سے نمٹ سکے۔ ہر طرف سے تباہی نازل ہو رہی تھی۔ ہر طرف سے کھیل خراب ہو رہا تھا اور یہ ساری صورتِ حال اس کے لئے بڑی تشویش ناک تھی۔ ادھر کرامت شاہ صاحب اپنی تاک میں لگے ہوئے تھے۔ وہ یہاں دوبارہ آ کر مقیم ہو گئے تھے کہ ایک چلہ پڑھنے جا رہے ہیں جس سے تمام حقیقتِ حال واضح ہو گی۔ کرامت شاہ صاحب جو کچھ بھی تھے اس کی تفصیل ذرا دقت طلب ہے لیکن بس دنیا دار آدمی تھے اور دنیا کا بدترین کام کر رہے تھے۔ ڈاکہ زنی ایک غلیظ عمل ہے لیکن اس سے بھی زیادہ غلیظ عمل یہ ہے کہ کسی کے ناآسودہ جذبات سے کھیلا جائے اور اس کی حسرت اور آرزوؤں کو اپنے مفاد کا ذریعہ بنایا جائے لیکن کرامت شاہ جیسے لوگ ان باتوں پر غور نہیں کرتے تھے۔ دولت ان کا ایمان ہوتی ہے اور وہ اس کے حصول کے لئے دنیا کا ہر عمل کر سکتے تھے۔ ان کے مرید بھی ان جیسے ہی لوگ تھے۔ جو ان کے چیلوں کی حیثیت سے کبھی کبھی ایسے کام کر دیتے تھے جو بڑے بڑے جرائم پیشہ لوگوں کے تصور میں بھی نہ آئیں۔ انہیں پتا تھا کہ گلاب سیٹھ بہت دولت مند آدمی ہے لیکن وہ کبھی ان

کے جال میں نہیں پھنسا تھا۔ تھوڑی بہت رقومات کا مسئلہ اپنی جگہ۔ گلاب سیٹھ کسی نہ کسی طرح دے ہی دیا کرتا تھا لیکن کبھی کوئی بڑی رقم ان کے ہاتھ نہیں آئی تھی۔ یہاں گلاب سیٹھ کی کوٹھی میں مختلف حیلے بہانے کر کے قیام کر کے وہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے کہ آخر گلاب سیٹھ اپنی دولت کہاں رکھتا ہے' لیکن آج تک انہیں یہ بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ اب جو یہ صورتِ حال پیش آئی تو انہیں یہ احساس ہوا کہ شاید ان کی اس مشکل کا حل مل جائے اور یہ حل انہیں آخر کار مل گیا۔ چلہ کشی کے بعد جب وہ واپس آئے تو انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں سیٹھ گلاب پر اثرات ڈالنا شروع کئے تو گلاب سیٹھ نے انہیں ساری تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

"اوہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ تجوریاں کھلی ملتی ہیں لیکن ان میں سے مال غائب نہیں ہوتا۔"

"ہمیں اس جگہ کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ ایک نگاہ اسے دکھا دو۔ تاکہ ہم وہاں حصار کھینچ دیں۔ اس حصار سے کوئی اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ تمہیں یہ کام ہم سے بہت پہلے کرا لینا چاہئے تھا۔ اگر ہم حصار کھینچ دیتے تو وہاں کسی کے قدم نہیں جا سکتے تھے۔"

"آپ آیئے مرشد' یہ تو واقعی آپ نے بڑی اچھی بات بتائی اگر وہاں حصار قائم ہو جائے تو میری ساری مشکلات کا حل نکل آئے۔"

"ہم کس لئے ہیں؟" اور پھر کرامت شاہ صاحب اس تہہ خانے میں اتر گئے جہاں گلاب سیٹھ کی تجوریاں نصب تھیں۔ تجوریوں میں انہوں نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر ان پر غشی سی طاری ہونے لگی یہ اتنی بڑی دولت تھی کہ اگر ایک دفعہ حاصل ہو جاتی تو کرامت شاہ صاحب کو پھر یہ سارے ڈرامے کرنے کی ضرورت نہیں پیش آ سکتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے یہ منصوبہ اپنے ذہن میں مکمل کر لیا کہ اب یہ دولت یا اس کا ایک بہت بڑا حصہ ان کا اپنا ہونا چاہئے اور انہوں نے اس کے لئے اپنے دو مخصوص چیلوں کو جو انتہائی سنگدل اور کمینہ فطرت کے طاقت ور جوان آدمی تھے' ساری تفصیلات بتائیں اور خود گلاب سیٹھ کی کوٹھی میں منتقل ہو گئے اور پھر اس رات انہوں نے اپنے مذموم عمل کا آغاز کیا۔ ایک چور دروازے سے اپنے دونوں چیلوں کو اندر داخل کیا اور انہیں راستہ بتاتے ہوئے تہہ خانے میں لے گئے بدقسمتی اور حالات

کی چرخیاں جس انداز میں بھی چلتی ہیں اس میں وہ صورتِ حال کا انتخاب کرتی چلی جاتی ہیں۔ ان دنوں چونکہ گلاب سیٹھ کو خود بھی نیند نہیں آرہی تھی رات کی تنہائیوں میں وہ جاگتا رہتا تھا اور اکثر تہہ خانے میں اتر کر صورتِ حال کا جائزہ لیتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس رات بھی وہ عین اس وقت تہہ خانے میں اترا جب مرشد کے لوگ وہاں گلاب سیٹھ کی تجوریاں خالی کررہے تھے۔ گلاب سیٹھ نے انہیں دیکھا اور اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ مرشد بھی سامنے ہی موجود تھے اور اب مرشد کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ گلاب سیٹھ کو ختم کردیا جائے چنانچہ ان دونوں نے اس پر حملہ کیا۔ اس کا منہ بھینچا اور پھر خنجر سے اس کے بدن کے دو ٹکڑے کردیئے۔ گلاب سیٹھ اپنی ہی دولت کے لالچ میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ مرشد نے بات یہیں ختم نہیں کی۔ ساری دولت سمیٹ کر وہ خاموشی سے باہر نکل گئے۔ تہہ خانے کا دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا تھا اور پھر بہت بعد میں اس بات کا علم ہوا تھا جب تہہ خانے سے بدبو اٹھنے لگی تھی اور گلزار اور صفیہ تہہ خانہ تلاش کرتے ہوئے نیچے پہنچے تھے۔ سب کچھ لٹ چکا تھا۔ سب کچھ خالی تھا۔ تجوریوں کا اندازہ ہوگیا تھا اور یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ گلاب سیٹھ کو مرے ہوئے کتنا وقت گزر چکا ہے۔ ایس پی حیدر زمان اس سلسلے میں تفتیش پر متعین کئے گئے۔ حیدر زمان ابتدائی طور پر فیروز الدین کے حاشیہ برداروں میں سے تھے۔ بہت ذہین آدمی تھے اور بعد کے جو حالات پیش آئے تھے۔ اس میں انہیں منور کے مسئلے میں مکمل معلومات حاصل ہوگئی تھیں۔ ویسے بھی اب بات ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ منور نے جس طرح بڑے بڑے دولت مندوں کی تجوریاں خالی کی تھیں اور اس سلسلے میں اپنے طور پر جن جن کاموں کا آغاز کیا تھا وہ پولیس کی نگاہوں سے محفوظ نہیں تھے۔ گلاب سیٹھ کے قتل کی تفتیش بھی حیدر زمان کے سپرد کی گئی تھی۔ عوامل بتاتے تھے کہ ڈاکہ زنی کی واردات ہے اور ڈاکہ زنی کے دوران ہی یہ قتل ہوا ہے۔ کچھ اس قسم کے حالات اور شواہد حیدر زمان صاحب نے جمع کئے کہ یہ بات ان کے ذہن میں جم کر رہ گئی کہ اس کے پسِ پردہ یقینی طور پر منور کا ہاتھ ہے اور جب وہ سادہ لباس میں ملبوس فیروز الدین کے پاس پہنچے اور انہوں نے ساری صورتِ حال بتائی تو فیروز الدین کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔

"آپ کو یقین ہے انسپکٹر صاحب کہ قتل اسی نے کیا ہے۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا حالانکہ پہلے اس نے جو وارداتیں کی ہیں اس میں صرف ڈاکہ زنی کی وارداتیں ہیں یہ اس نے پہلا قتل کیا ہے۔"

"آہ............اس کا مطلب ہے کہ اب وہ قاتل بن گیا۔"

"لازمی بات ہے اور قاتل کو صرف سزائے موت ہوتی ہے۔" فیروز الدین سر پکڑ کر رہ گئے تھے۔ نوشاب البتہ چونک کر بولی تھی۔

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے ایس پی صاحب کہ ڈاکہ منور ہی نے ڈالا ہے اور قاتل وہی ہے۔"

"بی بی' طریقۂ واردات کی بھی بات ہوتی ہے۔ طریقۂ واردات یہی بتاتا ہے کہ مجرم منور کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے پھر بھی ہم ثبوت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور اس کے بعد ہی اس پر فردِ جرم عائد کی جاسکتی ہے۔" ایس پی حیدر زمان نے کہا۔ بہرحال اس واردات کے بعد فیروز الدین کی جان ہی نکل گئی تھی۔ ویسے بھی ان دنوں وہ بہت چڑچڑا ہوگیا تھا۔ گھر والوں سے لڑتا ہی رہتا تھا اور خود اس نے اپنی زبان سے کہا تھا کہ آخرکار ایک دن منور موت کی دہلیز پر پہنچ جائے گا۔ وہ بڑا دلبرداشتہ ہوکر کہتا تھا کہ کاش منور اس طرح نہ ہوتا لیکن نوشاب جانتی تھی کہ منور کس طرح کا انسان ہے۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے۔ دوستی میں زخم کھانے ہی پڑتے ہیں اور پھر وہ تو وطن دوست تھا۔ اپنے پیارے وطن کا دوست۔

☆------☆------☆

جنرل ٹابو............جب تک چراغ بیگ تھا اس نے نہ جانے کیسی کیسی مشکلات میں زندگی گزاری تھی۔ وہ ایک انوکھی کتاب تھی جس کا تعلق اس کی زندگی سے تھا۔ پھر بعد میں وہ اپنی تکمیل کے بعد جنرل ٹابو بن گیا اور اس کی زندگی کو ایک محور مل گیا۔ دنیا سے بے زار تھا وہ لیکن اس بات کا اعتراف اس نے دل میں بارہا کیا تھا کہ دنیا ایسی ہی بری جگہ ہے کہ نہ کسی کی ہوتی ہے نہ کسی کو اپنا بناتی ہے۔ بس انسان اس کے جال میں پھنس کر کچھ ایسا اپنے آپ سے کھوجاتا ہے کہ وہ خود اپنا تجزیہ بھی نہ کرسکے اور زندگی اسی انداز میں گزر رہی تھی کہ گیتی اس تک پہنچ گئی اور پھر اس نے گیتی کے ساتھ ایک نئے مستقبل کا آغاز کیا اور گیتی اس کی بہت اچھی ساتھی ثابت ہوئی۔ وہ ہر طرح سے گیتی سے اپنے دل کی بات کرلیا کرتا تھا۔ گیتی بھی دنیا سے اتنی ہی بیزار تھی

کہ بارہا اس نے اس بات کی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ جنرل ' واقعی انسان اگر خود کشی نہ کرے تو کم از کم کوئی ایسی کیفیت ضرور دریافت کرلے جس سے اسے اس دنیا سے چھٹکارا حاصل ہوجائے اور جنرل ٹابو نے گیتی کو اپنا نظریہ پیش کردیا تھا۔ گیتی کو اس بات کا کبھی بھروسہ نہیں ہوا تھا کہ کوئی ایسا وقت بھی آسکے گا جب وہ کسی سیارے پر پہنچ جائیں۔ یہ تو صرف کہانیاں تھیں یا پھر جنرل ٹابو کی دیوانگی کہ وہ ہمیشہ ہی اس بات کے لئے پُرامید رہتا تھا۔ بہرحال اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ جنرل ٹابو ایک ناقابلِ یقین شخصیت کا مالک اور ذہانت کا مالک سائنس دان تھا جس نے اپنی رہائش گاہ میں وہ سب کچھ ایجاد کرلیا تھا جسے صرف قصے کہانیوں کی بات ہی کہی جاسکتی ہے لیکن گیتی اس کی گواہ تھی۔ خود گیتی کے ماضی میں بھی جو کچھ تھا اس کا اظہار اس کے اردگرد پھیلے ہوئے سانپوں سے ہوتا تھا جن سے جنرل ٹابو بے حد خوف زدہ تھا لیکن بہرحال اس نے گیتی کے مشاغل کو تسلیم کیا تھا اور یہ مانا تھا کہ انسان اپنی زندگی کے لئے کوئی نہ کوئی فیصلہ کرتا ہے اور اس کے فیصلے میں کبھی کسی شکل میں رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔

بہرحال یہ سارا سلسلہ چل رہا تھا لیکن ان دنوں جنرل ٹابو کے ذہن کو جو کرید لگی ہوئی تھی وہ ذرا مختلف قسم کی تھی۔ منور کا نام جس طرح سے اس کے سامنے آیا تھا' اس نے جنرل ٹابو کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔ کسی غیر سیارے کا باشندہ دوسرے سیارے سے اس قدر واقفیت حاصل کرلے کہ وہاں کے معاملات میں براہِ راست داخل ہوجائے یہ ناممکن سی بات تھی اور وہ گیتی کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ درحقیقت ثاقب دوسری دنیا کا نہیں بلکہ اسی دنیا کا باشندہ ہے۔ ایک ذہین نوجوان جس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے ذہن میں کوئی تخریب نہیں رکھتا ہے بلکہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ وہ ایک محبِ وطن انسان ہے اور اپنی آگ میں جل رہا ہے لیکن اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے۔ نہ جانے کیوں اسے یہ احساس ہوتا جارہا تھا کہ منور اور ثاقب ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں لیکن یہ غلط تھا یہ بات اس کی فطرت کے خلاف تھی کہ وہ جسے چاہے' پسند کرے وہ اس کے سامنے بھی دغابازی کی کوئی بات کرے اور حقیقتوں کو اس پر منکشف نہ کرے۔ گیتی سے بھی اسے شکایت ہوگئی تھی وہ گیتی کی آنکھوں میں ثاقب کے لئے محبت کے وہ نقش دیکھ چکا تھا جنہیں گیتی نے کبھی کسی زمانے میں دفن کردیا تھا اور اپنے ساتھ گزارے ہوئے واقعات کی بنیاد پر یہ تصور کرلیا تھا کہ اب وہ

انسانوں میں شمار ہی نہیں ہوتی لیکن جنرل ٹابو جانتا تھا کہ انسانی فطرت اسے کبھی باز نہیں رہنے دیتی۔ گیتی غیر فطری طور پر ثاقب سے متاثر ہوگئی تھی اور پھر ثاقب کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا وہ اپنی نوعیت کا بالکل ہی الگ واقعہ تھا۔ مگر نہ جانے کیوں جنرل ٹابو کو ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہو رہا تھا اور شاید طویل عرصے کے بعد وہ کسی ایسے عمل میں مصروف تھا جس کی اطلاع گیتی کو بھی نہیں تھی لیکن اس میں گیتی کے لئے کوئی شک و شبہے کا مسئلہ نہیں تھا۔ گیتی پر تو وہ آنکھیں بند کرکے اعتبار کرتا تھا لیکن جو کام وہ کر رہا تھا اس پر اسے شبہ تھا کہ گیتی اسے اس کی اجازت نہیں دے گی جبکہ اس سلسلے میں اسے لازمی طور پر اپنے اس شبہے کی تصدیق یا تردید کرنی تھی۔ اسی پر اس کے مستقبل کا دارومدار تھا چنانچہ اپنی تجربہ گاہ میں وہ ایسے اوقات میں تجربات میں مصروف رہتا جب گیتی آرام کررہی ہوتی اور اسے یہ خطرہ نہ ہو تاکہ وہ اس کے پاس پہنچ جائے گی۔ خرگوش کو گم کرنے کے بعد اس نے اس کے مخالف تجربات شروع کردیئے تھے اور وہ اپنے طور پر شدت کے ساتھ اس بات کا متمنی تھا کہ خرگوش دوبارہ واپس اپنی اصلی شکل میں آجائے۔ اب یہ الگ بات تھی کہ ابھی تک اسے اپنے اس تجربے میں نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوسکی تھی اور وہ مسلسل اپنی کاوشوں میں مصروف تھا۔ بہرحال وقت گزرتا رہا اور گیتی کو اپنے طور اس بارے میں اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ جنرل ٹابو ان دنوں کیا کررہا ہے۔ بس وہ خود عجیب وغریب کیفیات میں مبتلا تھی اور ایک انوکھے احساس کا شکار جو اسے خود بھی الجھائے رکھتا تھا۔ اس کا اپنا ماضی اور اس کے بعد ایک سیارے کا باشندہ یا پھر اگر وہ سیارے سے تعلق نہیں رکھتا تو' تو مزید خرابی کی بات ہے۔ اگر اسے گیتی کے ماضی کا پتا چل گیا تو وہ اپنے دل میں گیتی کے لئے کوئی نرم گوشہ رکھ سکے گا؟ بس ان احساسات نے گیتی کو پریشان کررکھا تھا۔

☆======☆======☆

بات کچھ بگڑ ہی گئی تھی۔ فیروز الدین نے ساری باتوں کے باوجود ہر ممکن کوشش کرڈالی تھی بلکہ اس سلسلے میں نوشاب کو بھی اس نے اپنا شریکِ کار بنالیا تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے منور کو اس قتل کے الزام سے بچالے لیکن حالات اور شواہد اور ثبوت اور اس کے بعد مرشد کرامت شاہ کا انکشاف جس میں اس نے پورے وثوق

اور اعتماد کے ساتھ یہ بات کہہ دی تھی کہ اصل ڈاکو منور ہے جس نے اپنے طور پر ایک طرف رفاہی اداروں کا ڈھونگ رچا رکھا ہے اور دوسری جانب انسانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ اخبارات منور کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اسی طرح کیا کرتے تھے اور بعض اخبارات تو یہ لکھتے تھے کہ ڈاکہ زنی کے لئے ایک اور منفرد طریقۂ کار اپنایا گیا ہے لیکن جن لوگوں کو منور کے ہاتھوں فائدہ پہنچا تھا بس وہی جانتے تھے کہ منور کیا چیز ہے اور انسانیت کے لئے وہ کس طرح اپنے آپ کو ذلیل وخوار کر چکا ہے مگر نوشاب کا کہنا بھی درست تھا۔ وہ یہ کہ دوستی کے لئے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ نوشاب اپنے بھائی سے پوری طرح متفق ہوگئی تھی اور یہ بات فیروز الدین کے لئے دکھ کا باعث تھی۔ وہ خود بھی خاصہ پریشان رہتا تھا اور نہ جانے کیا کیا احساسات اس کے دل میں جاگزیں رہتے تھے۔ ایک طرح سے وہ ذہنی بیماری کا ہی شکار ہوگیا تھا۔ منور اکثر بہن سے ملنے آجایا کرتا تھا اور نوشاب اپنے بھائی کے لئے چشم براہ رہتی' ہر ہر آہٹ پر اسے یہ احساس ہوتا کہ منور اس کے پاس آگیا ہے۔ بارہا اس نے منور سے روتے ہوئے اس بات کا اظہار کیا کہ کیا وہ اب بھی اس کی اصل شکل نہیں دیکھ سکتی تو منور نے بڑی محبت سے اپنی بہن کو بتایا کہ بہن یہ تو تقدیر نے ایک تحفہ دیا ہے مجھے کہ میں ان ظالم انسانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوں جو میری زندگی کے درپے ہیں۔ البتہ نوشاب کو اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس نے گلاب سیٹھ کو قتل کیا ہے یا نہیں۔ اس کے بعد سے اس کی ملاقات ابھی تک نوشاب سے نہیں ہوئی تھی اور نوشاب بے چینی سے اس بات کی منتظر تھی کہ وہ آئے۔ ادھر ایس پی حیدر زمان نے اپنے طور پر تفتیش کا آغاز کرتے ہوئے آخر کار اس بات کی تصدیق کردی تھی کہ منور ہی سیٹھ گلاب کا قاتل ہے اور اس کی گرفتاری یقینی طور پر فیروز الدین کی کوٹھی سے ہی عمل میں آئے گی چنانچہ بڑی ذہانت کے ساتھ اس نے اپنے آدمیوں کو فیروز الدین کی کوٹھی کے اردگرد پھیلا دیا تھا۔ نہ صرف یہ کیا تھا بلکہ رات کی تاریکیوں میں اس کے چالاک اور پھرتیلے مخبر کوٹھی میں اتر جاتے تھے اور چوروں کی حیثیت سے کوٹھی کا جائزہ لیا کرتے تھے اور اس رات بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ مخبر کوٹھی ہی میں موجود تھے۔ رات کا تقریباً ایک بج چکا تھا۔ تقریباً سارے ہی کمرے تاریک ہوگئے تھے لیکن پھر مخبروں میں سے ایک نے کوٹھی کے ایک کمرے میں روشنی ہوتے ہوئے دیکھی۔ اصل میں یہ نوشاب کا

کمرا تھا اور نوشاب نے آہٹیں سن کر روشنی جلائی تھی اور اس کے بعد اسے منور کی آواز سنائی دی تھی۔

"نوشی میں مانی ہوں۔"

"مانی' کہاں غائب تھے؟ تم کہاں غائب تھے؟ کیا جو کچھ علم میں آیا ہے اس میں کوئی سچائی ہے؟"

"صرف یہی معلومات حاصل کرکے میں تم تک پہنچا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے لاتعداد دشمن پیدا ہوگئے ہیں اور وہ ہر ممکن طریقے سے مجھے زندگی کی چوٹ دینے پر آمادہ ہیں یعنی ان کی آرزو ہے کہ میں اس دنیا سے مٹ جاؤں۔ بہرحال یہ تو تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں نوشی۔ تقدیر نے اگر میرا کھیل ختم کردیا ہے تو بھلا میری کیا مجال کہ میں ایک پل اپنی مرضی سے سانس لے سکوں اور تقدیر نے اگر میری زندگی لکھی ہے تو پھر مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"مجھے یہ بتاؤ کہ.........؟"

"ہاں' میں بھی وہ سارے واقعات سن چکا ہوں کہ گلاب سیٹھ کا قتل کردیا گیا ہے اور قتل کا الزام مجھ پر رکھا گیا ہے۔ نوشی تمہیں میں نے دنیا کی ہر بات سچائی کے ساتھ بتائی ہے ایسی کوئی بات ہے نہیں۔ میں نے گلاب سیٹھ کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی اس کے ہاں میں نے ڈاکہ ڈالا ہے۔ کوئی اور ہی میری آڑ میں کام دکھا گیا ہے اور اب میں کوشش کررہا ہوں کہ اصل مجرم کو منظرِ عام پر لاؤں۔ تم بھی میرے لئے دعائیں کرو کیونکہ یہ صورت حال خاصی سنگین ہے۔ نوشی مجھے تو اہلِ وطن سے پیار ہے جن لوگوں سے میں اپنے وطن والوں کے لئے رقومات حاصل کرتا ہوں وہ بھی میرے ہم وطن ہی ہیں۔ میں انہیں مالی چوٹ پہنچا سکتا ہوں۔ جسمانی طور پر میں نے ابھی تک کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔"

"مجھے اپنے بھائی پر پورا پورا یقین ہے مگر کیا کہوں ان بے وقوفوں کو جو اس بات پر یقین نہیں رکھتے۔"

"کوئی بات نہیں ہے آخر کار انہیں یقین آجائے گا لیکن تم اس بات کو ذہن میں رکھنا کہ میں اس سلسلے میں ملوث نہیں ہوں اور جن لوگوں نے یہ کھیل کھیلا ہے آخر کار میں انہیں بھی منظرِ عام پر لے آؤں گا۔" منور جذباتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ادھر مخبر

اس کمرے کے دروازے تک پہنچ گئے تھے۔ جہاں منور اپنی بہن سے بات کر رہا تھا۔ انہیں یہ تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اندر جو گفتگو ہو رہی ہے وہ کس نوعیت کی ہے لیکن ایک مرد اور ایک لڑکی کی آواز سے انہیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ منور اندر موجود ہے۔

☆------☆------☆

ایک نے دوسرے کو اشارہ کیا اور دوسرا برق رفتاری سے باہر کی جانب دوڑ گیا پھر ایک سنسان گوشے میں جا کر اس نے ٹرانسمیٹر پر ایس پی حیدر زمان کو کال کیا اور رات زیادہ ہونے کی وجہ سے تھوڑی سی دیر بے شک لگی لیکن حیدر زمان نے اس کا پیغام وصول کر لیا تھا۔

"سر ملزم منور اس وقت اپنے گھر میں موجود ہے۔"

"کیا کون بول رہا ہے؟"

"سر آپ کا خادم فقیر حسین۔"

"فقیر حسین تمہیں یقین ہے؟"

"سر میں نے اپنے کانوں سے اس کی آواز سنی ہے اپنی بہن نوشاب کے پاس بیٹھا ہوا باتیں کر رہا ہے۔"

"بس چند منٹ کے بعد ہم لوگ پہنچ رہے ہیں تم لوگ مستعد رہو ٹرانسمیٹر آن رکھو اور مجھے صورتِ حال سے آگاہ کرتے رہو۔"

"یس سر.........." فقیر حسین نے جواب دیا اور پھر ایک ایسی جگہ منتخب کر لی جہاں سے وہ اس راہداری پر نظر رکھ سکتا تھا جس کے ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی اور منور ابھی تک وہاں سے باہر نہیں نکلا تھا۔ وہ پوری مستعدی سے اپنے فرائض سرانجام دیتے ہوئے حیدر زمان کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

☆------☆------☆

جنرل ٹابو مسرت سے اچھل پڑا اپنی مخصوص تجربہ گاہ میں وہ بہت ہی اہم تجربے میں مصروف تھا۔ بس اس پر دیوانگی سوار ہو گئی تھی اپنے نئے تجربات میں اس نے گیتی کو بھی شامل نہیں کیا تھا جبکہ عموماً جب بھی وہ لیبارٹری میں کام کر رہا ہوتا تھا گیتی بھی اس کے ساتھ شامل ہوتی تھی۔ گیتی کے علاوہ اس کا کوئی اور راز داں نہیں تھا۔ دنیا سے کنارہ کش ہو کر وہ اپنے جیسے جانداروں میں سے ایک یعنی گیتی سے متعلق تھا یا پھر

یہاں دوسرے جاندار تھے ان میں بندر، چوہے خرگوش یا پھر گیتی کے سانپ بس یہی اس کی کل کائنات تھی لیکن اس وقت نہ جانے کیوں اسے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ کم از کم ثاقب کے معاملے میں گیتی نے اس سے کچھ فاصلہ اختیار کیا ہے۔ ایک نوجوان لڑکی اور نوجوان مرد کے درمیان جو رابطہ قائم ہو سکتا تھا وہ جنرل ٹابو کا گیتی سے نہیں ہو سکا تھا اور اس کا جنرل ٹابو کو پورا پورا احساس تھا لیکن گیتی کو وہ اپنی بیٹیوں جیسا مقام دیا کرتا تھا اور اس وقت اس کی اس بے رخی سے وہ تھوڑا سا بددل بھی تھا لیکن بہر حال اس کے اپنے تجربات جاری تھے۔ اس نے ایک چوہے اور خرگوش کو اپنی اس مشین میں داخل کر کے نظر نہ آنے والا بنا دیا تھا لیکن اب وہ اس چکر میں تھا کہ انہیں واپس ان کی اصل حیثیت میں لائے چنانچہ وہ اس کوشش میں مصروف تھا اور اس کے لئے اس نے الگ مشین بنائی تھی جو بہر حال اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ بہت جلد اپنے تجربات میں کامیاب ہو جائے گا۔ ایک بڑی نسل کا بندر غالباً اس سلسلے میں بہت زیادہ مشتعل ہو گیا تھا کیونکہ اس نے لیبارٹری میں خاص اچھل کود مچائی تھی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ نظر بھی نہیں آ سکتا تھا۔ چنانچہ جنرل ٹابو کو اس کی وجہ سے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا وہ بندر کو سکھا رہا تھا اور اس سے درخواست کرتا تھا کہ اس کے تجربے میں اس سے معاونت کرے۔ اس وقت بھی بندر اس کی تجربہ گاہ میں موجود تھا اور جنرل ٹابو اپنی اس مشین پر مصروفِ عمل تھا بندر کے بارے میں اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اب وہ کس سمت ہے لیکن جنرل ٹابو مشین کے مختلف گوشوں پر مصروف عمل تھا کہ اچانک اس کے کانوں میں بندر کی آواز ابھری اور وہ چونک کر عقب میں دیکھنے لگا لیکن دوسرے لمحے اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہی تھی بندر اب اس کی نگاہوں کے سامنے موجود تھا۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے بند دروازے کو دیکھا لیکن اپنے بندر کو وہ اچھی طرح پہچانتا تھا یہ وہی بندر تھا اور نگاہ کے سامنے تھا۔ ٹابو خود بھی خوشی میں بندروں کی طرح اچھلنے لگا لیکن اپنی اصل حیثیت میں واپس آنے والے بندر کو اس کی یہ اچھل کود ناپسند تھی وہ اب تک یہ نہیں سمجھ پایا تھا کہ وہ اصلی حالت میں ہے یا نہیں اور اس کا موڈ مسلسل خراب تھا ٹابو نے اس کی جانب لپکتے ہوئے کہا۔

"او میری جان تو نے میرے اس تجربے کو دوام بخشا ہے میں تیرا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا۔" ٹابو بندر کے قریب پہنچا تو بندر نے ایک زور دار ہاتھ ٹابو کے منہ پر

رسید کردیا اور ٹابو چکر کھا کر گر پڑا۔ طاقت ور اور قوی ہیکل بندر شدید غصے میں تھ
اس سے پہلے اس نے ٹابو کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا تھا لیکن بہرحال جانور تو جانو
ہی ہوتا ہے۔ غالباً بندر کو ابھی تک اس بات کا یقین نہیں آیا تھا کہ وہ اصلی حالت میر
آگیا ہے ٹابو نے بندر کو ایک گالی دی اور قریب پڑا ہوا لوہے کا ایک راڈ اٹھالیا۔

"تُونے مجھ پر حملہ کیا ہے بھوتنی کے 'کم از کم ایک ہفتے کے لئے تجھے بستر پر لیٹنا
ہوگا تُونے بے شک میرے تجربے کو کامیاب کرایا ہے۔" اس نے لوہے کی سلاخ بندر
کے دے ماری اور بندر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا وہ اس مشین کے قریب پہنچ گیا تھا جو
جنرل ٹابو نے زبردست محنت کے بعد تیار کی تھی اور اسی مشین کے ذریعے وہ شعاعی
حصار ختم ہوا تھا جو بندر کو اصل حالت میں لانے کا باعث بنا تھا مشین آن تھی اور اس
کے حصار میں کچھ ایسی چیزیں موجود تھیں جو نظر میں آنے والی حیثیت اختیار کر گئی تھیں
وہ نظر آنے لگی تھیں۔ بندر نے اس مشین کے قریب پہنچ کر اسے دونوں ہاتھوں سے
اٹھایا اور اونچا بلند کردیا۔ جنرل ٹابو سکتے میں رہ گیا تھا یہ بہت قیمتی مشین تھی اور بندر
اس وقت شدید غصے میں' جنرل اپنا غصہ بھول گیا اور بندر کو سمجھانے اور چمکارنے لگا
لیکن غصہ ور بندر نے وہ مشین اسے پھینک ماری مشین دیوار سے ٹکرائی اور ریزہ
ریزہ ہوگئی ساتھ ہی جنرل ٹابو کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ دیوار سے جا ٹکا۔ اس
خوف ناک بندر نے اس کی بہت قیمتی محنت ضائع کردی تھی اور اس کے نتائج جنرل ٹابو
جانتا تھا کہ بہت سنگین ہوں گے۔ وہ سکتے کے سے عالم میں ایک دیوار سے ٹکا ہوا ٹوٹی
مشین کو دیکھ رہا تھا بندر خونخوار نگاہوں سے اسے گھورتا رہا اور اس کے بعد لیبارٹری
کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

☆------☆------☆

گیتی سحرزدہ تھی اس کی آنکھوں کی نیند اڑ گئی تھی اور اس وقت بھی وہ اپنے بستر
پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ انسان بڑی عجیب و غریب کیفیتوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ بہت
بُرے حالات سے گزری تھی وہ۔ ایک اچھی پُروقار شخصیت کی مالک تھی وہ لیکن اسی
دنیا کے رہنے والوں نے اس سے اس کا سب کچھ چھین لیا تھا۔ اتنا برا بنادیا تھا اسے کہ
وہ اپنے آپ کو لفظ برائی سے زیادہ برا سمجھنے لگی تھی اور نہ جانے اس کی زندگی کا
گھناؤنا سفر کب تک جاری رہتا اگر جنرل ٹابو کا سہارا اسے حاصل نہ ہوجاتا۔ جنرل ٹابو

عجیب و غریب شخصیت کا مالک تھا لیکن بعد میں اسے جنرل ٹابو کے بارے میں بھی اندازہ
ہوگیا تھا کہ دنیا نے اس کے ساتھ بھی بہت برا سلوک کیا تھا اور وہ دنیا سے بیزار اس
دنیا کو ہی چھوڑ دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ گیتی اس کے منصوبے سے منحرف نہیں تھی۔
بہرحال اس کا اپنا ایک مزاج تھا۔ اس کے وجود میں ایک پیاس ایک تشنگی ایک دیوانگی
پل رہی تھی اور جب یہ دیوانگی اسے حد سے زیادہ بے قرار کردیتی تو اس کے پالے
ہوئے ننھے ننھے سانپ اس کے وجود کے ان گوشوں کی تسکین کرتے جو اس کے لئے
بڑے درد انگیز تھے لیکن پھر زندگی میں ایک اور تبدیلی رُونما ہوئی اور ثاقب کی حیثیت
سے ایک وجود اس کی زندگی میں داخل ہوا۔ وہ تو اپنے آپ کو انسانوں سے دور کی
کوئی چیز سمجھنے لگی تھی لیکن دوسری دنیا سے آنے والے نے اسے یہ احساس دلایا کہ وہ
اپنے آپ کو جتنا برا سمجھ رہی ہے اتنی بری ہے نہیں۔ اس دنیا میں رہنے والا کوئی
انسان اسے ایک اچھی حیثیت بھی نہیں دے سکتا تھا۔ وہ یہی سوچتی تھی کہ یہ ناآشنا
شخص دنیا کی اقدار سے واقف نہیں ہے اور جب بھی کبھی اسے دنیا کا ادراک ہوا تو وہ
اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھے گا نفرت کرے گا اور حقارت سے مسکرا کر دیکھے گا اور کہے
گا کہ گیتی کیا اب بھی تم اپنے آپ کو عورت سمجھتی ہو لیکن اس وقت تک جب تک
اسے ان حقیقتوں کا ادراک نہ ہو ایک بہلاوا ہی سہی اور گیتی اس سے کافی مانوس
ہوگئی لیکن رفتہ رفتہ اسے نہ جانے کیوں یہ احساس ہونے لگا کہ ثاقب وہ نہیں ہے جو
ظاہر ہو رہا ہے پھر یوں ہوا کہ ایک رات ثاقب نے کسی جذباتی کیفیت کا شکار ہو کر اپنے
آپ کو اس کے سامنے کھول دیا اور یہ مختصر وقت پہلے کی بات تھی ثاقب نظر نہ آنے
والی کیفیت میں مبتلا فرض سرانجام دے رہا تھا اور گیتی اس کے بارے میں تفصیل
جاننے کے لئے بے چین تھی تو ثاقب نے اس سے کہا۔

"ہاں گیتی اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں تمہارے سامنے کوئی جھوٹ نہیں بول
سکتا۔ گیتی میں کسی سیارے کا انسان نہیں ہوں میرا تعلق اسی زمین سے ہے اور تمہیں
اس کا اندازہ ہوگیا ہے یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ گیتی میرا نام منور ہے اور
میں یہاں کے بہت بڑے آدمی فیروز الدین کا بیٹا ہوں۔" پھر اس کے بعد ثاقب نے
منور کی حیثیت سے اپنی زندگی کا ایک ایک راز اسے سونپ دیا اور گیتی نے اس سے
کہا۔

"تم شاید یقین نہ کرو لیکن تمہارے بارے میں یہ سب کچھ میں پہلے ہی جان گئی تھی۔"

"گیتی میں نہیں جانتا کہ میری منزل کیا ہوگی لیکن اگر زندگی میں کبھی مجھے اپنے مشن سے فراغت ملی تو میں بقیہ زندگی تمہارے قدموں میں ڈال دوں گا اور تم سے کہوں گا گیتی یہ ٹوٹا پھوٹا منور اب تمہارے سامنے ہے اس کے ساتھ جو سلوک تم چاہو کرو۔" گیتی نے فرطِ مسرت سے آنکھیں بند کرلی تھیں اور اس وقت سے لے کر اب تک وہ ان الفاظ کے تاثر میں ڈوبی رہی تھی ذہن میں ہزاروں وسوسے تھے۔ منور نے یہ الفاظ کہہ تو دیئے ہیں لیکن کیا وہ انہیں نبھا بھی سکے گا۔ اس وقت بھی وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ اچانک ہی اسے لیبارٹری میں ایک زوردار چھناکا سنائی دیا اور وہ اچھل پڑی۔ پچھلے کچھ دنوں سے اس بات کا اندازہ تو اسے مکمل طور سے ہوچکا تھا کہ جنرل ٹابو لیبارٹری میں کام کرتا رہتا ہے اور اس سے کچھ ناراض ہے کیونکہ اس کام کے سلسلے میں اس نے گیتی کو کوئی دعوت نہیں دی ہے لیکن بہرحال ٹابو کی پیاری شخصیت سے وہ اچھی طرح واقف تھی کچھ وقت ناراض ہونے کے بعد وہ خود بخود اسے منالے گا اس سے پہلے بھی ایسا ہوتا رہا تھا لیکن یہ چھناکا سن کر وہ چونک پڑی تھی۔ کہیں ٹابو کسی مشکل میں نہ ہو وہ برق رفتاری سے دوڑتی ہوئی لیبارٹری میں داخل ہوگئی۔ تھوڑے فاصلے پر اس نے ایک بندر کو جاتے ہوئے دیکھا تھا اور اسے یہ اندازہ ہوا تھا کہ بندر لیبارٹری سے ہی باہر نکلا ہے پھر وہ لیبارٹری میں داخل ہوئی تو اس نے جنرل ٹابو کو ایک دیوار سے ٹکے ہوئے کھڑے دیکھا۔

"کیا بات ہے جنرل.........؟" اس نے سوال کیا اور جنرل نے سہمی ہوئی نگاہوں سے ٹوٹی ہوئی مشین کو دیکھا۔

"ارے یہ کیا ہوا یہ کیسے ہوگیا؟" گیتی اس کے قریب پہنچ گئی اور جنرل ٹابو کو جیسے ہوش آگیا وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے چکراتا ہوا ایک جگہ جا کر بیٹھ گیا۔

"سب کچھ تباہ ہوگیا گیتی بہت بڑا نقصان ہوگیا لیکن اب یہ سمجھ لو کہ میں ان میں سے ایک ایک بندر کو ختم کردوں گا ایک ایک کو قتل کردوں گا میں' تم دیکھنا تو سہی سارے رابطے توڑ دیئے اس کمبخت نے۔"

"کیسے رابطے؟"

"یہ........... یہ بہت عظیم دریافت تھی میری اور ہاں ثاقب کو اوہو وہ اپنی اصلی حیثیت میں آگیا ہوگا یقیناً وہ اپنی اصلی حیثیت میں آگیا ہوگا۔"

"کون' ثاقب؟"

"ہاں۔"

"کیا مطلب؟"

"اس مشین سے میں نے وہ تمام رابطے اکٹھے کرلئے تھے کہ جو میرے اس ریسیور سے پیدا ہوئے تھے لیکن گیتی اب وہ سب اپنی اصل حیثیت میں آگئے یہ تجربہ میں نے ایک بندر پر بھی کیا تھا۔" جنرل ٹابو گیتی کو تفصیلات بتانے لگا اور گیتی کا سینہ بری طرح دھڑک اٹھا اس کا مطلب ہے کہ منور بھی اپنی اصل حیثیت میں آگیا ہوگا۔ منور........... اس نے سوچا اور اس کے ہونٹ تشویش زدہ انداز میں سکڑ گئے۔

☆------☆------☆

حیدر زمان آندھی اور طوفان کی طرح فیروزالدین کی کوٹھی پر پہنچا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ پولیس کی خاصی نفری اکٹھی کرلی تھی اور پھر اس نے انتہائی احتیاط کے ساتھ پولیس کو چاروں طرف پھیلا دیا اور پھر خود ایک جگہ رک کر فقیر حسین سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کیا۔ بات کسی معمولی آدمی کی نہیں تھی بے شک منور کی وجہ سے فیروزالدین کو بھی خاصی بے عزتی برداشت کرنا پڑی تھی اور اعلیٰ حلقوں میں اس بات پر بڑی نکتہ چینی ہو رہی تھی کہ فیروزالدین کا اکلوتا بیٹا جسے فیروزالدین نے انتہائی اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی ڈاکو اور قاتل ہے لیکن بات بیٹے کی تھی بلکہ اگر بیٹے کا باپ کوئی معمولی حیثیت کا مالک ہوتا تو پولیس یقینی طور پر اس کے ساتھ بھی بدسلوکی کرسکتی تھی لیکن اب بھی فیروزالدین کی اتنی ساکھ تھی کہ ایس پی حیدر زمان اس کی اجازت کے بغیر کوٹھی کی تلاشی نہیں لے سکتا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ کوٹھی میں داخل ہوا ایک بار پھر فقیر حسین سے صورتِ حال کو کنفرم کرلینا تھا۔ رابطہ قائم ہوجانے پر ایس پی حیدر زمان نے کہا۔

"ہاں فقیر حسین کیا کہتے تھے؟"

"سر ابھی تک سب ٹھیک ہے وہ اندر موجود ہے۔"

"گڈ خیال رکھنا اور ایک ایک لمحے مجھے آگاہ کرتے رہنا۔"

پھر اس کے بعد حیدر زمان چار افراد کے ساتھ جو پوری طرح مسلح تھے اندر داخل ہوا اور بڑی احتیاط سے فقیر حسین تک پہنچا تاکہ صورتِ حال کا اندازہ منور کو نہ ہوسکے۔ فقیر حسین بھی اس سے آملا تھا اور نوشاب کے کمرے کی نشاندہی کردی تھی اس نے۔ اس لئے مسلح افراد کو انتہائی احتیاط کے ساتھ اس کمرے کے اطراف میں پہنچادیا گیا پھر فیروز الدین صاحب کو جگایا گیا جو اتنی رات کو پولیس آفیسر کو دیکھ کر پہلے تو حیران ہوئے پھر ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔

"گویا اب نوبت یہاں تک آگئی ہے اتنا بے حقیقت بنا دیا ہے تم نے مجھے۔ یہ وقت آگیا ہے مجھ پر۔ بولو کیسے آنا ہوا؟"

"معافی چاہتا ہوں فیروز الدین صاحب ہم نے تو آپ کے ساتھ ہر لمحہ رعایت برتی ہے لیکن پولیس کی ذمے داریوں کو تو آپ سمجھتے ہیں ہمیں اطلاع ملی ہے کہ منور اس وقت یہاں موجود ہے۔"

"کہاں سے اطلاع ملی ہے یہ آپ کو؟" فیروز الدین غرا کر بولا۔

"آپ اس بات کو جانے دیجئے ہم اپنی ذمے داریاں بہرحال جس طرح بھی بن پڑتا ہے پوری کرتے ہیں آپ براہ کرم ہمارے معاملے میں رکاوٹ نہ ڈالئے تلاشی لینی ہے ہمیں۔"

"ایک بات سمجھ لیجئے ایس پی صاحب یہ میرا گھر ہے اور میرے گھر میں جس طرح آپ داخل ہوئے ہیں اس کے لئے آپ کو بہت سے نقصان برداشت کرنا ہوں گے۔"

"مجھے یقین ہے کہ ایک اچھے انسان کی حیثیت سے آپ پولیس کی مدد کریں گے اور اسے دھمکیاں نہیں دیں گے۔" حیدر زمان نے اپنا اخلاق قائم رکھتے ہوئے کہا اور پھر دیر کئے بغیر فیروز الدین کو ساتھ لئے ہوئے نوشاب کے کمرے کی جانب چل پڑا۔ فقیر حسین کے بیان کے مطابق نوشاب کے کمرے میں روشنی تھی اور خوش قسمتی سے دروازہ بھی کھلا ہوا تھا چنانچہ وہ پوری مہارت کے ساتھ اندر داخل ہوگیا نوشاب کے حلق سے آواز نکل گئی دروازے پر کانسٹیبل تعینات کردیئے گئے۔ ویسے حیدر زمان نے دیکھا تھا کہ نوشاب بے شک اس طرح بیٹھی ہوئی تھی جیسے کسی کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہو لیکن آس پاس کوئی موجود نہیں تھا کمرے میں تیز روشنی تھی قرب وجوار کا ماحول بھی بے حد صاف ستھرا اور شفاف تھا کمرے سے باہر جانے کا اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا

سوائے اٹیچ باتھ کے چنانچہ حیدر زمان نے چٹکی بجائی اور ایک مسلح کانسٹیبل اٹیچ باتھ کی جانب دوڑا دروازہ کھول کر اندر جھانکا لیکن وہاں بھی کوئی موجود نہیں تھا ایک لمحے کے لئے حیدر زمان کا چہرا اتر گیا تھا۔ ادھر نوشاب خوف زدہ نگاہوں سے ایک ایک کو دیکھ رہی تھی وہ پتے کی طرح کانپ رہی تھی پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور سیدھی کھڑی ہوگئی اس کی نگاہیں ان لوگوں پر جمی ہوئی تھیں تب فیروز الدین نے کہا۔

"جی ایس پی صاحب۔" ایس پی حیدر زمان نے نوشاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مس نوشاب اتنی رات گئے آپ کس سے گفتگو کررہی تھیں؟"

"جی وہ.......... وہ.......... وہ.........." نوشاب نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے مس نوشاب ہمیں یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ منور آپ کے پاس موجود تھا کہاں پوشیدہ کیا ہے آپ نے اسے؟ ایک باعزت شہری کی حیثیت سے مجھے فوراً بتا دیجئے۔"

"مم.......... میں وہ دراصل آپ کیا فضول بات کررہے ہیں۔ کہاں ہے منور آپ کو نظر نہیں آرہا کہاں ہے وہ؟" نوشاب نے جیسے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔

"میں آپ سے جواب چاہتا ہوں حیدر زمان صاحب۔" فیروز الدین نے گرجتے ہوئے کہا اور حیدر زمان نے ایک بار پھر چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں ایک طرف ایک خوبصورت پردہ پڑا ہوا تھا کانسٹیبل اس پردے کے پیچھے جھانک کر دیکھ چکا تھا اور ویسے بھی بڑی احمقانہ بات تھی نہایت ہی غیر محفوظ جگہ تھی بھلا وہاں کون چھپنے کی کوشش کرے گا لیکن بس ایس پی حیدر زمان نے چاروں طرف کا جائزہ لیتے ہوئے اس پردے کو سرکایا اور اچانک ہی وہاں موجود لوگوں کے حلق سے آوازیں نکل گئیں۔ منور اس پردے کے پیچھے موجود تھا وہ دیوار سے ٹکا مسکرا رہا تھا۔ حیدر زمان نے فوراً پستول نکال کر اس پر تان لیا۔ فیروز الدین نے بھی تعجب سے بیٹے کو دیکھا اور نوشاب نے بھی۔ نوشاب کے تو حلق سے چیخ نکل گئی تھی اور وہ چکرا کر گر پڑی تھی ایس پی حیدر زمان نے فوراً ہی آگے بڑھ کر منور کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا اور کانسٹیبل سے بولا۔

"ہتھکڑی ڈالو اس کے ہاتھ میں.........." اب پہلی بار منور کے چہرے پر حیرت کے نقوش بیدار ہوئے تھے۔ اس نے چونک کر ایس پی کو دیکھا پھر اپنے ہاتھوں کو پھر

اپنے بدن کو چھو کر دیکھنے لگا اور کچھ لمحے کے لئے اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی تھی ادھر فیروز الدین بھی آنکھیں پھاڑے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ نوشاب کو سنبھال کر صوفے پر لٹا دیا گیا۔ فیروز الدین اس کے پاس پہنچ گئے تب ایس پی حیدر زمان نے خشک لہجے میں کہا۔

"معاف کیجئے گا فیروز الدین صاحب ایک ڈاکو کو اور ایک قاتل کو پوشیدہ رکھنا بھی ایک جرم سے کم حیثیت نہیں رکھتا آپ ایسا کیجئے گا کہ کل صبح پولیس اسٹیشن پہنچ جائیے آپ کے ساتھ بس اتنی رعایت ہی کی جا سکتی ہے کہ اس وقت آپ کو تکلیف نہیں دی جائے گی لیکن آپ مسلسل پولیس کو دھوکا دیتے رہے ہیں......... اسے اچھی طرح جکڑ لو اور لے چلو۔" ایس پی حیدر زمان ملزم کے برآمد ہو جانے کے بعد شیر ہو گیا تھا اور فیروز الدین کے پاس کہنے کو اب کچھ نہیں تھا۔ منور کو پوری طرح جکڑ لیا گیا اور کانسٹیبل اسے دھکے دیتے ہوئے باہر لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے پولیس جیپ میں بٹھا کر پولیس ہیڈ کوارٹر لے جایا جا رہا تھا۔

☆======☆======☆

ڈاکو منور گرفتار ہو گیا تھا۔ اخبارات اس کے لئے طرح طرح کی کہانیاں تراش رہے تھے۔ کچھ تھوڑے سے معاملات جنرل ٹابو کے سامنے بھی آئے تھے' اور چالاک صحافیوں نے جنرل ٹابو کی پُراسرار شخصیت کو منظرِ عام پر لا کر کچھ کہانیاں تراشیں تھیں' لیکن بہرحال لوگ اس وبائی ہیجان کے سلسلے میں جنرل ٹابو کی خدمات کو نہیں بھولے تھے اور اخبارات ذرا محتاط رہے تھے۔

پھر کئی پیشیوں کے بعد منور کے بیان کی باری آئی' اس سے پہلے اس نے خود پر لگائے ہوئے الزامات کو تسلیم کیا تھا اور ڈاکہ زنی کی ان تمام وارداتوں کا اعتراف کیا تھا جو اس نے کی تھیں' لیکن اس نے گلاب بھائی کے قتل کو تسلیم نہیں کیا تھا جبکہ وکیل سرکار اور گلاب بھائی کے بیٹے گلزار کی طرف سے کئے گئے وکیلوں کے پورے پینل نے ہزار دلائل کے ساتھ منور کو گلاب سیٹھ کا قاتل قرار دیا تھا اور اس سلسلے میں بھی منور کی پوزیشن بالکل کمزور تھی' کمرہ عدالت میں جنرل ٹابو' گیتی' فیروز الدین نوشاب وغیرہ سب موجود تھے۔ عدالت کے حکم پر منور نے مسکراتے ہوئے انداز میں کہا۔

"میں اس وقت اپنے آپ کو نہ تو زندہ جاوید کرنے کی کوشش کر رہا ہوں نہ ہی

ایک محبِ وطن کی حیثیت سے اپنے نام کی شہرت چاہتا ہوں' میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میرے وطن کی آبادی میں دو فیصد سے زیادہ نوجوان ایسے نہیں ہیں جنہیں وطن سے عشق نہ ہو جو میری طرح اہلِ وطن کے لئے زندگی کا ہر لمحہ قربان نہ کر دینا چاہتے ہوں۔ وہ دو فیصد جو اس سلسلے میں باقی رہ جاتے ہیں' حالات سے مجبور اور جذبات کے ہاتھوں بھٹکے ہوئے وہ نوجوان ہیں' جو اپنے مسائل سے اس قدر بد دل ہو چکے ہیں کہ انہیں خود اپنے آپ سے نفرت ہو گئی ہے اور جو اپنے آپ سے نفرت کرنے لگیں وہ بہرحال باقی چیزوں سے دور ہی رہ کر بات کرتے ہیں' آپ لوگ چاہیں تو اسے میری خوش فہمی کہہ سکتے ہیں لیکن میں اسی خوش فہمی میں زندہ ہوں۔ بہرحال میرے والد نے مجھے بہترین سرمایہ صرف کر کے دیارِ غیر میں تعلیم دلائی' میں نے اہلِ یورپ کو دیکھا' ان کے اپنے مشاغل ہیں اپنے افکار ہیں' اپنے خیالات ہیں۔ میں نے ان سے اپنا موازنہ کیا تو مجھے یہ احساس ہوا کہ وقارِ وطن کو قائم رکھنے کے لئے وطن کی یادوں کو دل سے لگائے رکھنا بڑا ضروری ہوتا ہے اور خصوصاً جب بات غیروں کے درمیان ہو.......... اور میں نے وہاں اپنے آپ کو اپنے وطن کے ایک خادم کی حیثیت سے زندہ رکھا......... میرے والد نے میرے لئے ایک شاندار کلینک بنایا اور مجھ سے یہ آرزوئیں وابستہ کر لیں کہ وطن واپس آنے کے بعد میں نہ صرف ایک قابلِ ڈاکٹر کی حیثیت سے منظرِ عام پر ابھروں گا بلکہ میرا کلینک سونے کی کان ثابت ہو گا۔ آپ لوگ خود سوچئے ارے سونا تو سونے کی کان سے نکالا جاتا ہے ہم کوئلے کی کان میں سونا تلاش کیسے کر سکتے ہیں' میرے وطن کے سسکتے ہوئے لوگ سونے کی کان تو نہیں ہیں۔ ان کے پاس تو دو وقت کی روٹی بھی پوری نہیں ہے' دارالامان' اسپتال' یہ ساری چیزیں میں نے جس جس طرح بن پڑا تعمیر کرائیں لیکن ان کے لئے فنڈز چاہئے تھے' پہلے میں نے یہ فنڈز ہر اہلِ دل سے مانگے' نام و نمود کے رکھوالوں نے میری تھوڑی بہت مدد کی' لیکن یہ تھوڑی بہت مدد میرے مسائل پورے نہیں کرتی تھی' چنانچہ میں نے اپنے وسائل بڑھائے جو ہاتھ دینے میں گریز کر رہے تھے ان سے چھیننا شروع کر دیا اور بہرحال یہ کام میں نے کیا ہے اور آج پھر آپ لوگوں کے سامنے یہ بات دُہرا رہا ہوں کہ سیٹھ گلاب کو میں نے قتل نہیں کیا۔ میں تو ایک ننھے سے کیڑے کو بھی زندگی دینے کا خواہش مند ہوں اور اپنے ساتھ جتنی بھی آوازیں شامل ہوئیں ان کی عزت کرتا ہوں اور ان کی قدر

کرتا ہوں، میری آرزو بھی یہی رہی ہے کہ زندگی سے موت کی طرف جانے والے کسی بھی شخص کو زندگی کے کچھ سانس اور بخش دوں اگر میرے بس میں ہو..........
میں زندگی لینے والوں میں سے نہیں ہوں، لیکن اگر قانون چاہتا ہے کہ ایک ڈاکو کے بجائے مجھے قاتل بھی قرار دے تو بہرحال قانون کے محافظ بھی میرے وطن کے لوگ ہیں، اگر انہیں ایک چھوٹی سی خوشی مل جائے تو مجھے اعتراض نہیں ہے۔ جج صاحب اور وکیل صاحب آپ اگر میری زبان سے یہ کہلوانا چاہتے ہیں کہ میں گلاب سیٹھ کا قاتل ہوں تو میں آپ لوگوں کی خوشی کی خاطر یہ جھوٹا اقرار کئے لیتا ہوں کہ میں گلاب سیٹھ کا قاتل ہوں، آپ اپنی سزا میں کچھ اور اضافہ کر لیجئے۔"

سچائی چہروں پر بولتی ہے اور منور کے چہرے پر بھی سچ بول رہا تھا لیکن اس کے مخالف اس کی زندگی چھین لینا چاہتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے مناسب بندوبست کر رکھا تھا چنانچہ یہ سسکتا سچ جھوٹ بن کر خاموش ہو گیا اور آخر کار منور کو سزائے موت سنا دی گئی۔

☆------☆------☆

جیل کے حکام منور کو لے کر پھانسی گھاٹ پہنچ گئے، سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا، عدالت کے فیصلے کے بعد فیروز الدین صاحب نے جو کچھ وہ کر سکتے تھے کیا تھا، اپنی دولت کا ایک ایک روپیہ خرچ کرنے پر تل گئے تھے، لیکن مدِ مقابل وہ لوگ تھے جنہیں مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا اور منور کے ہاتھوں شدید نقصانات اٹھانے پڑے تھے، ان کی قوتیں الگ کام کر رہی تھیں، چنانچہ ہر کوشش ناکام ہو گئی، ساری اپیلیں مسترد ہو گئیں اور آخر کار اس کے لئے سزائے موت کا دن مقرر کر دیا گیا۔

ادھر جنرل ٹابو اور گیتی نے بالکل خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ہاں منور کی سزائے موت سے پہلے، صرف دو دن پہلے، اچانک ہی نوشاب اپنے کمرے سے غائب ہو گئی اور فیروز الدین بیٹی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ بہرحال منور کو فیروز الدین اور اپنی ماں سے ملا دیا گیا تھا۔ بڑا مطمئن اور مسرور تھا وہ اور اس نے مسکراتے ہوئے یہی کہا تھا۔

"نہیں ماں اور میرے معزز باپ، تمہاری یہ دنیا مجھے بالکل اچھی نہیں لگی۔ یہاں سسکتی ہوئی انسانیت کے لئے کوئی عمل کرنے والا مجرم قرار پاتا ہے۔ ان سب کو زندگی بخش دو، میرے جیسا مجرم ایک بھی نہیں پیدا ہو گا، اپنے سماج کو بدل دو اپنی

پالیسیاں تبدیل کر دو، بہت کچھ ہے ہمارے پاس، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا بس یہی ٹھیک تھا جو میں نے کیا اور میں اس پر نادم نہیں ہوں........."
اور اس کے بعد وہ تختۂ دار کی جانب چل دیا۔

لیکن پھر دنیا کی تاریخ کا ایک عجیب واقعہ رُونما ہوا۔ جیل کے حکام نے یہ ساری تفصیلات بتائی تھیں اور تمام لوگوں نے اس کی گواہی دی تھی لیکن صحافی اور اخبارات یہی کہتے رہے تھے کہ اس کے پس منظر میں کوئی اور ہی سازش ہے اور یہ کہانی حقیقت سے تعلق نہیں رکھتی۔ ہوا یوں تھا کہ منور کو تختۂ دار تک پہنچا دیا گیا تھا اور گھڑی کی سوئیاں اس کی موت کی جانب بڑھ رہی تھیں کہ اچانک ہی اس سے چند گز کے فاصلے پر تین افراد نمودار ہوئے۔ یوں محسوس ہوا جیسے وہ زمین سے اُگے ہوں یا آسمان سے ٹپکے ہوں، ان میں ایک جنرل ٹابو تھا، دوسری اس کی اسسٹنٹ گیتی اور تیسری منور کی بہن نوشاب۔ وہ بالکل ہی اچانک وہاں نمودار ہوئے تھے اور جیل کے حکام انہیں دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ پھر جنرل ٹابو نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا ایک بڑا اور چوڑا سا لانچر نما آلہ منور کی جانب سیدھا کیا۔ آلے سے ایک شعاع نکلی اور منور اپنی جگہ سے غائب ہو گیا۔ پھر جیل کے حکام نے سائرن بجا دیئے لیکن منور کے ساتھ ساتھ ہی وہ تینوں افراد بھی غائب ہو گئے اور اس کے بعد جو ردِ عمل ہو سکتا تھا وہی ہوا۔ بعد میں اعلیٰ حکام نے ایک بہت بڑی نفری جنرل ٹابو کی قلعے نما عمارت کی جانب روانہ کی اور اسے چاروں طرف سے گھیر لیا گیا.......... لیکن عمارت کے اندر دھماکے ہونے شروع ہو گئے اور محاصرہ کرنے والوں کو وہاں سے پیچھے ہٹنا پڑا کیونکہ آگ کے گولے اینٹوں اور پتھروں کے ساتھ فضا میں پرواز کرنے لگے تھے ان کا رخ آسمان کی جانب تھا۔ ساری دیواریں مسمار ہو رہی تھیں بہت سے لوگ زخمی بھی ہوئے زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی اور جنرل ٹابو کی وہ مملکت زمین بوس ہو گئی۔

پھر ایک آفیسر حیدر زمان نے اخبار کو بتایا کہ اسے اپنے دفتر میں ایک ٹیلی فون موصول ہوا جو میں اس نے سنا تھا اور یہ آواز منور ہی کی تھی۔ منور نے کہا کہ اس کے ماں باپ کو تسلی دے دی جائے، زمین کا یہ گوشہ ان لوگوں کے لئے قابلِ رہائش نہیں تھا چنانچہ جنرل ٹابو نے آخر کار ایک ایسا سیارہ دریافت کر لیا جہاں ہم لوگ جا رہے ہیں لیکن جنرل ٹابو کا ایک پیغام ہے میرے وطن کے عوام کے لئے کہ وہ، میں، گیتی اور

نوشاب ان سے غافل نہیں رہیں گے اور اگر وقت نے ہمیں موقع دیا تو ہم خلا میں بیٹھ کر بھی زمین کے اس گوشے کے لئے اپنی مقدور بھر کوششیں کریں گے قدرت کی بخشی ہوئی سانسوں کی مہلت کے ساتھ۔

اور یہ کہانی کافی دن تک اخبارات کا موضوع بنی رہی تھی' اور اسے صرف ایک فکشن قرار دیا گیا تھا' لیکن پتا نہیں حقیقت اور افسانوں میں کیا فرق ہے یہ تو اہلِ دانش ہی جانیں۔

☆====ختم شد====☆